کے چہرے اندر کو پچک گئے تھے۔

عثمان سلام کے آنسو نکل آئے۔ وہ تماشائیوں میں سے نکل گیا۔ اُس کے دوست بھی اُس سے جا ملے۔

ان سب کو معلوم تھا کہ یہ لاشیں کن کی ہیں۔ ان میں ایک عثمان سلام کی بہن النور کی لاش تھی۔ باقی تین لاشیں اس کی سہیلیوں کی تھیں۔ چاروں رات کو اپنا فرض ادا کر کے شہید ہو گئی تھیں۔ ان کی شہادت کا عینی شاہد کوئی بھی نہیں تھا۔ لاشوں کی حالت جو کہانی بیان کرتی تھی وہ کچھ اس طرح ہو سکتی تھی کہ ان لڑکیوں نے سنتری کو ہلاک کر کے آگ لگائی۔ بعد میں گھوڑوں کے رسّے کاٹے اور انہی گھوڑوں کی بھگدڑ کی زد میں آ گئیں۔ معلوم نہیں کیسے۔ سو گھوڑے اور اونٹ ان لاشوں کو روندتے رہے۔ دو لڑکیوں کی عصمت بچانے کے لیے چار لڑکیاں قربان ہو گئیں۔ برچیس نے اپنے ہاتھوں ان لڑکیوں کے گلوں میں صلیبیں لٹکائی تھیں تاکہ بوقتِ ضرورت وہ صلیبیں دکھا کر ظاہر کر سکیں کہ وہ عیسائی ہیں۔

ان لڑکیوں کا جنازہ نہیں پڑھا گیا۔ انہیں صلیبیوں نے عیسائی سمجھ کر اپنے قبرستان میں کہیں دفن کر دیا۔ ان کے رشتہ داروں نے ماتم نہیں کیا۔ ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کی گئی۔ گھروں میں غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ چاروں لڑکیوں کے باپوں نے ایک ہی جیسے جذبات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے نام پر وہ چار چار بیٹے قربان کرنے کو تیار ہیں مگر اُن سے جو قربانی لی جانے لگی وہ بڑی ہی اذیت ناک تھی۔ صلیبی فوج نے تمام مسلمان گھروں کی خانہ تلاشی شروع کر دی۔ خطرہ تھا کہ جو ہتھیار انہوں نے گھروں میں چھپا رکھے ہیں وہ پکڑے جائیں گے۔ سب نے ہتھیار اندرونی کمروں کے فرش کھود کر دبا دیئے۔ دوسرا خطرہ یہ تھا کہ جو چار لڑکیاں شہید ہو گئی تھیں، ان کے متعلق جواب دینا مشکل تھا کہ کہاں چلی گئی ہیں۔ آگ کی رات کے دوسرے ہی دن امام کو جب لڑکیوں کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو اس نے پہلی بات یہ کہی ــــ "تمہارے غیر مسلم پڑوسی اور مسلمان مخبر ضرور پوچھیں گے کہ لڑکیاں کہاں ہیں تو کیا جواب دو گے؟"

امام دانشمند اور دُور اندیش انسان تھا۔ اس نے گہری سوچ کے بعد کہا ــــ "چاروں لڑکیوں کے باپ اور بھائی میرے ساتھ آئیں" ــــ وہ آ گئے تو اُس نے سب کو ایک طریقہ بتایا اور کچھ باتیں ذہن نشین کرائیں۔ وہ سب کو صلیبیوں کی انتظامیہ کے دفتر میں لے گیا اور وہاں کے سب سے بڑے حاکم سے ملاقات کی اجازت لے کر بڑے غصے میں اور جذباتی لہجے میں کہا ــــ "میں ان لوگوں کا امام ہوں۔ یہ میرے پاس فریاد لے کر آئے ہیں کہ رات آگ لگی تو یہ سب آگ بجھانے کے لیے اٹھ دوڑے۔ یہ رات بھر کنوؤں سے پانی نکالتے رہے۔ شہر میں بھگدڑ مچ گئی۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا۔ یہ لوگ صبح کے وقت گھروں کو گئے تو انہیں پتہ چلا کہ آپ کی فوج کے کچھ آدمی ان کے گھروں میں گھس گئے اور ان کی کنواری لڑکیاں اٹھا کر لے گئے۔ ہماری چار لڑکیاں لاپتہ ہیں۔"

"ہماری فوج پر الزام لگانے سے پہلے سوچ لو" ــــ صلیبی حاکم نے رعب سے کہا۔

"جناب! میں مذہبی پیشوا ہوں" ــــ امام نے کہا ــــ "میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں جنگجو

سکتے ہیں اور اپنی فوج کو بے گناہ کہہ سکتے ہیں لیکن خدا سے آپ کوئی اچھا برا عمل نہیں چھپا سکتے۔ آپ بہت سے ہیں۔ خدا تو نہیں۔ ان لوگوں نے آپ کی فوج کو نقصان سے بچانے کے لیے ساری رات آگ سے لڑائی کی۔ آپ انہیں یہ صلہ دے رہے ہیں کہ یہ بھی تسلیم نہیں کرنا چاہتے کہ ان کی لڑکیاں کہاں ہیں۔"

کچھ دیر کی بحث کے بعد حاکم نے انہیں کہا کہ ان لڑکیوں کو تلاش کیا جائے گا۔ امام اُس سے جو صلہ چاہتا تھا باہر آ کر جب وہ واپسی کے لیے چلے تو امام نے سب سے کہا کہ اب یہی مشہور کرو کہ رات شہر کی لڑکیاں غائب ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہی مشہور کر دیا گیا۔ ان کے پڑوس میں رہنے والے غیر مسلموں نے یقین کر لیا۔ رات شہر کی حالت ہی ایسی تھی کہ لوٹ مار اور اغوا آسانی سے کی جا سکتی تھی۔

☆

برچیس سلطان ایوبی کے خیمے میں بیٹھا تھا۔ آفاق کی مرہم پٹی سلطان ایوبی کا جراح کر چکا تھا۔ آفاق کی دونوں بہنیں بھی خیمے میں بیٹھی تھیں۔ برچیس رات کا کارنامہ سنا چکا تھا۔ سلطان ایوبی بار بار لڑکیوں کو دیکھتا تھا۔ ہر بار اُس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ برچیس نے کہا کہ وہ کرک کو ایسی افراتفری اور بھگدڑ میں چھوڑ آیا ہے کہ فوری طور پر حملہ کیا جائے تو حملہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ شہر میں فوجوں کے لیے رسد نہیں رہی۔ جانوروں کے لیے چارہ نہیں رہا۔ جانور مرنے لگے ہیں۔ شہر میں خوف طاری ہے۔ فوج بھی ڈری ہوئی ہے۔

سلطان ایوبی گہری سوچ میں کھو گیا۔ بہت دیر بعد اُس نے سر اٹھایا اور اپنے نائبین اور مشیروں کو بلایا۔ اس نے پہلا حکم یہ دیا کہ ان لڑکیوں اور ان کے بھائی کو قاہرہ روانہ کر دیا جائے اور ان کی رہائش اور دلجوئی کا انتظام کیا جائے۔

"آپ میری بہنوں کو اپنی حفاظت میں لے لیں" ــ آفاق نے کہا ــ "میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ مجھے اپنی فوج میں شامل کر لیں۔ مجھے اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینا ہے۔ اگر آپ مجھے کرک میں داخل کر سکیں تو میں اندر تباہی مچا دوں گا۔"

"جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی" ــــ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "بڑی لمبی تربیت کی ضرورت ہے تم صرف اپنی ماں اور اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے کو بے تاب ہو، مجھے اُن تمام ماؤں اور تمام بیٹیوں کے خون کا انتقام لینا ہے جو صلیبی درندوں کا شکار ہوئی ہیں۔ اپنے آپ کو ٹھنڈا کرو۔"

آفاق کی جذباتی حالت ایسی تھی کہ سلطان ایوبی اسے زبردستی قاہرہ بھیجنے سے گریز کرنے لگا۔ اسے کہا کہ پہلے اپنا علاج کرائے، صحت یاب ہو جائے پھر اس کی خواہش پوری کر دی جائے گی۔۔۔۔ اتنے میں نائب سالار اور اعلیٰ کمانڈر آ گئے۔ ان میں زاہدان بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے آفاق اور اُس کی بہنوں کو باہر بھیج دیا۔ اُس نے جلسے میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ کیا کرک کو فوراً محاصرے میں لے لیا جائے؟ ــ اُس نے سب کو کرک کی اُس وقت کی کیفیت بتائی۔ اس مسئلے پر بحث شروع ہو گئی۔ زاہدان نے اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کی روشنی میں کہا کہ صلیبی فوج صرف کرک میں نہیں باہر بھی ہے اور اس کا ایک حصہ ایسی پوزیشن میں ہے جو ہماری فوج کا محاصرہ باہر سے توڑ دے گا۔ انہوں نے

ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ رسد کی آمد و رفت کی حفاظت کے لیے ان کی پوری فوج موجود ہے۔ اگر ان کے پاس دفتی طور پر رسد کی کمی آگئی ہے تو یہ سمجھ کر حملہ کرنا کہ ہمارا محاصرہ کامیاب ہوگا محض خوش فہمی ہے۔ اُن کے پاس صرف ہی رسد اور سامان نہیں تھا جو جل گیا ہے۔ ان کی ہر ایک فوج کے ساتھ اپنی اپنی رسد اور سامان موجود ہے اور اُن کی نفری ہم سے پانچ چھ گنا ہے۔

اجلاس کے دوسرے شرکاء نے اپنے اپنے مشورے پیش کیے ان کی اکثریت فوری حملے کے حق میں تھی اور بعض نے انتظار کی تجویز پیش کی۔ تجاویز اور مشورے جیسے کیے بھی تھے سلطان ایوبی نے سُنے، اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ کمانڈروں کا جذبہ بہت شدید تھا۔ ان میں بیشتر نے کہا کہ حملہ جلدی کریں یا دیر سے، یہ پیش نظر رکھیں کہ ایک بار حملہ کر کے یہ نہ سننا پڑے کہ محاصرہ اٹھا لو کیونکہ ہم کمزور ہیں۔ سلطان ایوبی خاموشی سے سنتا رہا۔ اس نے آخر میں فوج کے جذبے اور دیگر کوائف کے متعلق پوچھا۔ اُسے تسلی بخش جواب ملا۔

"میں جلدی حملہ کرنا چاہتا ہوں" — آخر میں سلطان ایوبی نے کہا — "لیکن میں جلد بازی کا قائل نہیں۔ میرے سامنے صرف کرک کا قلعہ بند شہر نہیں بلکہ صلیبیوں کی وہ تمام فوج ہے جو انہوں نے باہر پھیلا رکھی ہے۔ زاہدان نے ٹھیک کہا ہے کہ کرک کے اندر کی تباہی سے ہمیں خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے۔ تاہم حملہ جلدی ہوگا۔ فاصلہ زیادہ نہیں۔ ایک ہی رات میں ہمارے دستے کرک تک پہنچ سکتے ہیں مگر انہیں ایک جنگ قلعے سے باہر لڑنی پڑے گی۔ کوچ سے پیشتر ہمیں کرک کے مسلمانوں کو تیار کرنا پڑے گا۔ مجھے اندر کی جو تازہ اطلاعیں ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہاں کے مسلمان درپردہ ایک جماعت کی صورت میں منظم ہو چکے ہیں۔ اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ محاصرے کی صورت میں شہر میں تخریب کاری کریں گے۔ ان کی لڑکیاں بھی میدان میں نکل آئی ہیں۔ صرف چار لڑکیوں نے صلیبیوں کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ پچاس پچاس نفری کے چار دستے بھی نہیں پہنچا سکتے۔ ہم کوشش کریں گے کہ شہر میں اپنے چھاپہ مار بھی داخل کر دیں۔"

"مداخلت کی معافی چاہتا ہوں" — برجیس نے کہا — "اگر چھاپہ مار بھیجنے ہیں تو فوراً بھیجیے۔ کرک کے جو شہری بھاگ گئے ہیں وہ یقیناً واپس جائیں گے۔ ان کے پردے میں چھاپہ مار داخل کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ممکن نہیں ہوگا۔ آتش زنی کے واقعہ کے بعد صلیبی محتاط ہو جائیں گے اور شہر کے تمام دروازے بند کر دیں گے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے ساتھ آج ہی روانہ ہو جاؤں۔ وہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائیں۔ وہاں سے ہتھیار مل جائیں گے۔"

آخر فیصلہ یہ ہوا کہ آج ہی رات چھاپہ مار برجیس کی قیادت میں روانہ کر دیئے جائیں۔ جہاں تک گھوڑے لے جا سکتے ہیں، وہاں تک گھوڑوں پر جائیں۔ آگے پیدل جائیں۔ گھوڑے واپس لانے کے لیے کچھ آدمی ساتھ بھیج دیئے جائیں۔ اُسی وقت زاہدان سے کہا گیا کہ وہ برجیس کی ہدایت کے مطابق چھاپہ ماروں کو شہری لباس مہیا کرے اور شام کے بعد روانہ کر دے۔ سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جنگی نوعیت کی ہدایات دیں اور خاص طور پر کہا — "یہ یاد رکھنا کہ جس فوج سے ہم حملہ کرا رہے ہیں۔ یہ وہ فوج نہیں جس نے شوبک فتح کیا تھا۔ یہ

فوج مصر سے آئی ہے جس میں دشمن نے بے اطمینانی پھیلائی تھی۔ اس فوج کو خاصرے میں لڑنے کا تجربہ نہیں۔ کمانداروں کو چوکنا رہنا پڑے گا۔ مجھے شک ہے کہ اس فوج میں تخریبی ذہن کے سپاہی بھی ہیں۔ میں نے جو دستے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، وہ ترک اور شامی ہیں اور نورالدین زنگی کی بھیجی ہوئی کمک کو بھی اپنے پاس محفوظ میں رکھوں گا۔ حالات تمہارے خلاف ہو گئے تو گھبرا کر پیچھے نہ ہٹ آنا۔ میں تمہارے پیچھے موجود ہوں گا... اور یہ بھی یاد رکھو کہ کرک کے مسلمانوں کے ساتھ امیدیں وابستہ نہ کیے رکھنا۔ ان کے لیے جو ہدایات بھیج رہا ہوں وہ ایسی ہرگز نہیں ہوں گی کہ یہ اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال لیں کہ ان کی مستورات کی عزت بھی محفوظ نہ رہے۔ میں ان سے اتنی زیادہ قربانی نہیں مانگوں گا۔ وہ مظلوم اور مجبور ہیں۔ ظلم و تشدد کا شکار ہیں۔ ہم اُن کی آزادی اور نجات کے لیے جا رہے ہیں، اُن کے بھروسے پر نہیں جا رہے۔"

☆

چار پانچ دنوں تک کرک میں یہ کیفیت رہی کہ مسلمانوں کے گھروں پر چھاپے پڑ رہے تھے۔ کئی مسلمان محض شک میں گرفتار کر لیے گئے تھے۔ بیگار کیمپ کے بعض قیدیوں کو اس دہشت پر آگ بجھانے کے لیے لے گئے تھے کہ انہیں رہا کر دیا جائے گا، رہا نہیں کیا گیا تھا۔ صلیبیوں نے مظالم کا ایک نیا دور شروع کر دیا تھا۔ ان کا نقصان معمولی نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کے سوا یہ دلیرانہ تخریب کاری اور کوئی نہیں کر سکتا۔ گرفتار ہونے والوں میں عثمان صارم کے دو دوست بھی تھے جو لڑکیوں کو رہا کرانے کے لیے اُس کے ساتھ تھے۔ انہیں درندوں کی طرح اذیتیں دی جا رہی تھیں۔ صلیبی بربریت کی حدوں سے بھی آگے نکل گئے تھے مگر انہیں کوئی سراغ نہ مل رہا تھا۔ صرف یہ دو کم عمر لڑکے تھے جن کے سینوں میں سراغ تھا لیکن ان کی زبانیں بند تھیں۔ ان کے جسموں میں کچھ نہیں رہا تھا۔ پکڑ دھکڑ میں کس کس کر اور جھٹکے دے دے کر اُن کے جوڑ الگ کر دیئے گئے تھے لیکن لڑکے خاموش تھے۔

آخر ہرمن خود قید خانے میں گیا۔ اس کی توجہ بھی ان دو لڑکوں پر تھی۔ اسے مسلمان مخبروں نے بتایا تھا کہ آتش زنی میں ان دو لڑکوں کا بھی ہاتھ ہے۔ مسلمان مخبر دو تھے۔ دونوں ان لڑکوں کے پڑوسی تھے۔ وہ معمولی سی حیثیت کے آدمی ہوا کرتے تھے لیکن اب گھوڑا گاڑیوں میں سواری کرتے تھے اور صلیبیوں کے درباری بن گئے تھے۔ وہ صلیبی حاکموں کو گھروں میں بھی مدعو کرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ بٹھاتے اور فخر کرتے تھے۔ ان کی دو دو تین تین بیویاں تھیں اور وہ شراب بھی پیتے تھے۔ انہوں نے ان دو لڑکوں کو آتش زنی کی رات کہیں مشکوک حالت میں دیکھا تھا اور انہیں گرفتار کرا دیا۔ ہرمن نے قید خانے میں ان دونوں نوجوانوں کی حالت دیکھی تو اُس نے محسوس کیا کہ نزع کی حالت میں پہنچ کر بھی انہوں نے کچھ نہیں بتایا تو یہ کچھ بھی نہیں بتائیں گے۔ ان کے جسم عادی ہو چکے ہیں۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں بڑا اچھا کھانا کھلایا۔ پیار اور شفقت سے پیش آیا۔ ڈاکٹروں کو بلا کر انہیں دوائی پلائی اور تشدد کے زخموں اور چوٹوں کا علاج کرایا۔ پھر انہیں سلا دیا۔ وہ فوراً ہی گہری نیند سو گئے۔

ہرمن دونوں کے درمیان بیٹھ گیا۔ کچھ دیر لبدان میں سے ایک نوجوان صاف الفاظ میں بڑبڑانے لگا

"میں کیا جانوں؟ میرا جسم کاٹ دو۔ مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ اگر کچھ معلوم ہوگا تو کبھی نہیں بتاؤں گا۔ تم گردن کے ساتھ صلیب باندھتے ہو۔ یہ، نے قرآن کی ایک آیت باندھی ہوئی ہے۔"

"تم نے آگ لگائی تھی۔" ہرمن نے کہا ــــ "تم نے صلیبیوں کی کمر توڑ دی ہے۔ تم بہادر ہو۔ مر گئے تو شہید کہلاؤ گے۔"

"اگر مر گیا تو" ــــ نوجوان بڑبڑایا ــــ "اگر مر گیا تو۔ جب تک جسم میں جان ہے۔ اس جان میں ایمان بھی رہے گا۔ جان نکل جائے گی ایمان نہیں نکلے گا۔"

ہرمن نے اس کے سوئے ہوئے ذہن میں اپنے مطلب کی باتیں ڈالنے کی بہت کوشش کی لیکن نوجوان کے ذہن نے قبول نہ کیں۔ اتنے میں دوسرا لڑکا بھی بڑبڑانے لگا۔ ہرمن نے اس کی طرف توجہ دی۔ اسی طرح اُس کے ذہن میں بھی باتیں ڈالیں جو اُس نوجوان نے اُگل دیں۔ ہرمن کے ساتھ اُس کے تین چار سراغرساں بھی تھے۔ اُس نے بہت دیر کوشش کے بعد آہ بھری اور کہا ــــ "مزید کوشش بیکار ہے۔ ان کی زبان سے تم کوئی راز نہیں اگلوا سکو گے۔ یہ بے ہوش معلوم ہوتے ہیں، مگر میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ یہ اپنے عقیدے اور جذبے کے پکے ہیں۔ میں نے انہیں مرغن کھانوں میں اتنی زیادہ حشیش کھلائی ہے جتنی گھوڑے کو کھلا دو تو وہ بھی باتیں کرنے لگے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا قومی جذبہ جسے یہ لوگ ایمان کہتے ہیں، ان کی روحوں میں اُتر چکا ہے۔ تم ان کی روحوں پر کوئی نشہ طاری نہیں کر سکتے۔ دوسری صورت یہی ہے کہ یہ بے گناہ ہوں گے۔"

وہ بے گناہ نہیں تھے۔ وہ آتش زنی اور لڑکیوں کو آزاد کرانے کی مہم میں شریک تھے۔ صلیبی جسے گناہ اور جرم کہہ رہے تھے وہ مسلمان کے لیے عظیم نیکی اور جہاد تھا جو اِن لڑکوں نے روح اور ایمان کی قوت سے کیا تھا۔ حشیش نے انہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ ان کی عقل کو سُلا دیا تھا مگر ان کی روحیں بیدار تھیں۔ صلیبی ان کی زبان سے ہلکا سا اشارہ بھی نہ لے سکے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ لڑکے بے قصور ہیں۔ یہ صلیبیوں کی مجبوری تھی۔۔۔۔ ان لوگوں کی آنکھ کھلی تو باہر ویرانے میں پڑے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں بے ہوشی کی حالت میں دور لے جا کر پھینک دیا تھا۔ وہ اٹھے۔ ایک دوسرے کو دیکھا اور گھروں کو چل دیئے۔

جو عیسائی اور یہودی باشندے آتش زنی کی رات شہر سے نکل گئے تھے وہ یہ دیکھ کر کہ کوئی حملہ نہیں ہوا اور امن و امان ہے تو واپس آنے لگے۔ صلیبیوں کی فوج جو باہر خیمہ زن تھی اُس نے بھی انہیں یقین دلایا کہ کوئی حملہ نہیں ہوا، وہ واپس چلے جائیں۔ چنانچہ ایک حکم کے تحت شہر کے دو دروازے ان لوگوں کے لیے کھلے رکھے گئے جو واپس آ رہے تھے۔ لوگ نصف درجن چلے آ رہے تھے ــــ اور انہی میں برجیس بھی کرک میں داخل ہو گیا اور اس کے ساتھ سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی شہر میں داخل ہو گئے۔ کرک کے لوگوں نے دیکھا کہ وہ چپ چاپ اور غریب مامور ہیں جو دنیا کے ہنگاموں سے بے خبر راستے میں بیٹھا جوتے مرمت کیا کرتا تھا

تین دنوں کی غیر حاضری کے بعد پھر راستے میں آ بیٹھا ہے۔ اُس نے رات ہی رات پندرہ کے پندرہ چھاپہ ماروں کو عثمان صارم اور اس کے نوجوان ساتھیوں کی مدد سے مسلمان گھرانوں میں پھیلا دیا تھا۔ ان میں اب کوئی کسی دکان میں ملازم تھا، کوئی صلیبیوں کے اصطبل کا سائیس بن گیا تھا، کوئی مذہب کے طالب علم کے روپ میں مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔

انہیں اب یہ دیکھنا تھا کہ سلطان ایوبی کے حملے کی صورت میں وہ اندر سے کیا کر سکتے ہیں۔ کرنے والا کام صرف یہ تھا کہ کہیں سے قلعے کی دیوار میں اتنا بڑا شگاف پیدا کریں کہ اس میں سے گھوڑے بھی اندر آ سکیں یا قلعے کا کوئی دروازہ کھول سکیں۔ وہ انہی کاموں کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ عثمان صارم نے اپنی نوجوان جماعت میں اضافہ کر لیا تھا۔ لڑکیاں بھی تیار ہو گئی تھیں، مگر رینی ایگزیندر سائے کی طرح عثمان صارم کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ اُسے راستے میں روک لیتی تھی، اُس کے گھر چلی جاتی تھی اور ایک روز اس نے عثمان صارم سے پوچھا ــــ "عثمان! النور کہاں ہے؟"

"تمہاری قوم کے کسی گناہگار کے پاس" ــــ عثمان صارم نے جل کر جواب دیا ــــ "اُس پر اللہ کی لعنت ہو۔"

"رحمت کہو عثمان!" ــــ رینی نے کہا ــــ "تم ہمارے خلاف لڑ کر مرنے والوں کو شہید کہا کرتے ہو۔ النور شہید ہو گئی ہے۔"

عثمان صارم سٹپٹا گیا۔ اُسے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

"اور اُن دو لڑکیوں کو اٹھانے والوں میں تم بھی تھے۔" رینی نے کہا ــــ "لیکن تم ابھی تک گرفتار نہیں ہوئے۔ میں نے کہا تھا نا کہ تمہاری قید اور آزادی کے درمیان میرا وجود حائل ہے۔۔۔۔ کہو۔ اور کتنی قربانی مانگتے ہو؟"

عثمان صارم آخر نوجوان تھا۔ جسم میں جتنا جوش اور جذبہ تھا اتنی عقل نہیں تھی۔ وہ دانشمند نہیں تھا۔ رینی کی باتوں نے اسے پریشان کر دیا۔ اُس نے جھنجھلا کر پوچھا ــــ "رینی! تم کیا چاہتی ہو؟"

"ایک یہ کہ میری محبت قبول کر لو" ــــ رینی نے جواب دیا ــــ "دوسرے یہ کہ ان زمین دوز حرکتوں سے باز آ جاؤ۔"

"تم اپنی قوم اور اپنی حکومت سے محبت کرتی ہو" عثمان صارم نے کہا ــــ "اگر تمہارے دل میں میری محبت اتنی ہی شدید ہے تو میری قوم سے ہمدردی کیوں نہیں کرتی؟"

"مجھے نہ اپنی قوم سے محبت ہے نہ تمہاری قوم سے۔" رینی نے کہا ــــ "میں تمہیں خطرناک کارروائیوں سے صرف اس لیے روک رہی ہوں کہ تم مارے جاؤ گے۔ حاصل کچھ بھی نہ ہوگا۔ میں جذباتی نہیں حقیقت کی بات کر رہی ہوں کہ سلطان ایوبی کرک فتح نہیں کر سکے گا۔ میں اپنے باپ کی بتائی ہوئی باتوں کے مطابق بات کر رہی ہوں۔ جنگ محاصرے کی نہیں ہوگی، باہر کرک سے دور ہوگی۔ ہمارے کمانڈ ایوبی کی چالیں سمجھ گئے ہیں۔ شوبک کی شکست سے انہوں نے سبق حاصل کر لیا ہے۔ اب کرک کے محاصرے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اگر تم لوگوں نے شہر کے اندر سے کوئی کارروائی کی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ مارے جاؤ گے یا گرفتار ہو کر باقی عمر ناقابلِ برداشت اذیتوں میں

گزار دے گے۔ میں تمہیں صرف زندہ اور سلامت دیکھنا چاہتی ہوں۔"

عثمان سلام سر جھکائے ہوئے وہاں سے چل پڑا۔ اسے ریحی کی آواز سنائی دی ـــــ "سوچو عثمان! سوچو۔ میری باتیں ایک غیر قوم کی لڑکی کی باتیں سمجھ کر ذہن سے اتار نہ دینا۔"

☆

"میں آپ سب کو ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ یہ کرک ہے شوبک نہیں۔" سلطان ایوبی نے اپنے کمانڈروں کو آخری ہدایات دیتے ہوئے کہا ـــ "صلیبی چوکنے اور بیدار ہیں۔ میری جاسوسی مجھے بتا رہی ہے کہ ہمیں ایک جنگ کرک سے باہر لڑنی پڑے گی۔ شہر کے اندر سے مسلمانوں نے کوئی زمین دوز کارروائی کی تو شاید وہ ہمارے کام نہیں آسکے گی۔ اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بے چارے مارے جائیں گے میں انہیں اتنے بڑے امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ انہیں بچانے کی ایک ہی صورت ہے کہ حملہ تیز اور بہت سخت کرو۔" ـــ ایسے ہی چند اور ضروری احکامات کے بعد سلطان ایوبی نے اس فوج کو کوچ کا حکم دے دیا جسے کرک کا محاصرہ کرنا تھا۔

کوچ سورج غروب ہونے کے بعد کیا گیا۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ صبح طلوع ہونے تک فوج کرک کے مضافات میں پہنچ گئی جہاں سے محاصرے کی ترتیب میں آگے بڑھی۔ اس فوج کے سالار کے لیے یہ ایک عجوبہ تھا کہ راستے میں اسے صلیبیوں کا کوئی ایک دستہ بھی نظر نہ آیا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ صلیبیوں نے باہر بھی فوج خیمہ زن کر رکھی ہے۔ اسے ایسے راستے سے بھیجا گیا تھا جس طرف صلیبیوں کی فوج نہیں تھی۔ پھر بھی مزاحمت ضروری تھی جو بالکل ہی نہ ہوئی۔ مسلمانوں کی اس فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کی دیواروں سے تیروں کی بارش برسنے لگی۔ سلطان ایوبی کی فوج نے اس کے جواب میں کوئی شدید کارروائی نہ کی۔ اس کے کمانڈر ادھر ادھر سے دیواروں پر چڑھنے یا نقب لگانے یا کسی دروازے کو توڑ کر اندر جانے کے امکانات دیکھتے پھر رہے تھے۔ انہوں نے تیر اندازوں کو بھی خاموش رکھا۔ ان کے ساتھ وہ جاسوس تھے جو شہر سے واقف تھے۔ وہ انہیں بتا رہے تھے کہ اندر کون سی اہم جگہ کہاں ہے۔

شہر کے اندر ابھی کسی کو خبر نہیں ملی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے لیکن یہ محاصرہ ابھی مکمل نہیں تھا۔ عقب ابھی خالی تھا جہاں دو دروازے تھے۔ اچانک قلعے کے اندر فوجی علاقے میں آگ برسنے لگی۔ یہ آتش گیر مادے والی ہانڈیاں تھیں جو سلطان ایوبی کی ایجاد تھی۔ یہ منجنیقوں سے اندر پھینکی جا رہی تھیں۔ شہر کے لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی فوج قلعے کی دیوار پر چڑھ گئی اور باہر کو تیر پہ تیر چلا رہی تھی۔ شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ عیسائی اور یہودی باشندے گھروں میں دبک گئے۔ مسلمان باشندے دعاؤں میں مصروف ہو گئے۔ وہ سلطان ایوبی کی فتح کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ مسلمان ایسے تھے جو دعاؤں کے ساتھ بڑی خطرناک سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ یہ وہاں کے نوجوان تھے، جن میں لڑکیاں بھی تھیں اور ان میں سلطان ایوبی کے پندرہ چھاپہ مار بھی تھے۔ شہر کی افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ کہیں اکٹھے ہو گئے اور قلعے کے بڑے دروازے کو اندر سے کھولنے یا توڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

دروازہ بہت مضبوط اور موٹی لکڑی کا تھا جس پر لوہے کی موٹی موٹی پتریاں بھی مڑھی ہوئی تھیں۔ اسے توڑنا آسان نہیں تھا۔ باہر سے مسلمان فوج نے دروازے پر منجنیقوں سے ہانڈیاں پھینکیں۔ یہ دوسری قسم کی تھیں۔ یہ ٹوٹتی تھیں تو ان میں سے سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر نیفتہ والے آتشیں تیر چلائے جاتے تو سیال مادہ کو آگ لگ جاتی تھی۔ اس طریقے سے دروازے کو آگ لگائی گئی لیکن لوہے نے لکڑی کو جلنے دیا۔ دروازہ بہت ہی مضبوط تھا۔ اوپر سے صلیبیوں نے وہ تیر برسانے شروع کر دیئے جو بہت دور تک جاتے تھے۔ یہ منجنیقوں تک پہنچ گئے جن سے کئی آدمی زخمی اور شہید ہو گئے۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے منجنیقیں پیچھے کر لی گئیں اور آگ پھینکنے کا طریقہ ناکام ہو گیا۔

آخر مسلمان تیر اندازوں کو حکم دے دیا گیا کہ قلعے کی دیواروں پر جو دشمن کے سپاہی ہیں ان پر تیر برسائیں۔ سارا دن دونوں طرف سے تیر اندازی ہوتی رہی۔ ہوا میں صرف تیر اڑتے نظر آتے تھے۔ صلیبی دفاعی پوزیشنوں میں تھے اور دیواروں کی بلندی پر بھی تھے، اس لیے زیادہ نقصان مسلمان فوج کا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے نقب زن جو قلعوں کی دیواریں توڑنے کے ماہر تھے، ہر طرف گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے کہ دیوار میں کہاں شگاف ڈالا جا سکتا ہے۔ وہاں چاروں طرف سے اتنے تیر آ رہے تھے کہ دیوار کے قریب جانا خودکشی کے برابر تھا۔ شام سے کچھ دیر پہلے نقب زنوں کی آٹھ آدمیوں کی ایک جماعت آگے بڑھی۔ یہ جانباز جب دیوار سے تھوڑی دور رہ گئے تو اوپر سے اُن پر اس قدر تیر برسے اور تیروں کے سامنے اتنی زیادہ برچھیاں آئیں کہ آٹھوں جانباز وہیں شہید ہو گئے۔ ایک ایک کے جسم میں کئی کئی تیر اور برچھیاں لگیں۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ ریحی اپنے گھر میں تھی۔ اس کا باپ تھکا ہوا آیا تھا۔ یہ کہہ کر سو گیا کہ جلدی جاگ اٹھے گا کیونکہ رات کو بھی اسے کام پر جانا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ شہر کے مسلمانوں کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ وہ اندر سے کوئی بڑی خطرناک کارروائی کرنے والے ہیں۔ ہمیں ہر ایک مسلمان گھرانے پر نظر رکھنی پڑے گی۔ یہ کہہ کر وہ سو گیا تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو کسی خادم کی بجائے ریحی نے دروازہ کھولا۔ باہر ایک مسلمان کھڑا تھا جو بڑی اونچی حیثیت کا مالک تھا۔ صلیبیوں کی طرف سے اسے خوب انعام و اکرام ملتا تھا۔ ریحی نے اسے بتایا کہ اس کا باپ سویا ہوا ہے۔ وہ پیغام دے دے۔ تھوڑی دیر بعد وہ جاگے گا تو اسے بتا دیا جائے گا۔ مسلمان نے کہا کہ وہ خود بات کرنا چاہتا ہے۔ بات بہت اہم اور نازک ہے۔

"آج رات مسلمانوں کے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے" ـ ریحی کے پوچھنے پر اس نے مختصراً بتایا۔ اس نے کہا ـــ "میں نے ان کا ہمدرد اور ساتھی بن کر یہ راز حاصل کیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ان میں باہر سے آئے ہوئے چھاپہ مار بھی ہیں اور نیا انکشاف یہ ہے کہ وہ غریب سا موچی جو راستے میں بیٹھا رہتا ہے وہ سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہے اور اس کا نام برچھیں ہے۔۔۔ میں تمہارے والد کو یہ خبر دینا چاہتا ہوں تاکہ ان لوگوں کو پھانسنے کے لیے گھات لگائی جائے۔"

ریحی نے چند ایک مسلمان نوجوانوں کے نام لے کر عثمان سلام کا بھی نام لیا اور پوچھا ـــ "کیا یہ لڑکے

بھی اس مہم میں شامل ہیں؟"

"صلام کا بیٹا عثمان تو اس گروہ کا سرغنہ ہے"۔۔۔ مسلمان مخبر نے بتایا۔۔۔ "اور ان کا سب سے بڑا سرغنہ امام رازی ہے۔"

"آپ تھوڑی دیر تک آجائیں"۔۔۔ رینی نے اُسے کہا۔۔۔ "باپ کو ذرا سی دیر سونے دیں۔"

مگر وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔ صلیبیوں کو خوش کرنے اور اُن سے انعام وصول کرنے کا اسے نہایت موزوں موقع مل گیا تھا۔ اس کے متعلق مسلمانوں کو معلوم نہیں تھا کہ قرآن کی بجائے صلیب کا وفادار ہے۔ اُسی روز مسلمان نوجوانوں اور چھاپہ ماروں نے دیوار توڑنے کی سکیم بنائی تھی۔ اس خفیہ اجتماع میں تین چار بزرگ، امام اور یہ مسلمان بھی تھا جس نے لڑکوں کو اچھے مشورے دیئے اور سب سے زیادہ جذبے کا اظہار کیا تھا۔ مسلمانوں کو شک تک نہ ہوا کہ وہ صلیبیوں کا پالا ہوا سانپ ہے۔ سبھی اُسے شہر کا امیر اور معزز تاجر سمجھتے تھے جس کے حسنِ سلوک کی بدولت صلیبی بھی اُس کی عزت کرتے تھے۔

وہ واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ رینی گہری سوچ میں کھو گئی۔ اس نے اُسے اندر بٹھانے کی بجائے یہ کہا کہ وہ اُسے پوری بات سنائے اور یہ بھی کہا کہ آؤ ذرا باہر ٹہل لیتے ہیں، اتنی دیر میں باپ جاگ اٹھے گا۔

وہ تو صلیبیوں کا غلام تھا۔ اتنے بڑے افسر کی بیٹی کے ساتھ خراماں خراماں چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ کنوئیں تک پہنچ گئے۔ یہ کنواں شہریوں کے لیے کھودا گیا تھا۔ بہت ہی دور سے پانی نکالا تھا۔ رینی کنوئیں کے منہ پر رک گئی۔ مسلمان نوجوان اس کے قریب کھڑا تھا۔ وہ بھی کنوئیں کے قریب کھڑا تھا۔ رینی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اور پوری طاقت سے دھکا دیا۔ مسلمان پیچھے کو گرا اور سیدھا کنوئیں میں گیا۔ اُس کی چیخ سنائی دی جو دھڑام کی آواز میں ختم ہو گئی۔

رینی اس مسرت کے ساتھ گھر آگئی کہ اُس نے ایک ایسا راز کنوئیں میں ڈبو دیا ہے جو عثمان صلام کی یقینی موت کا باعث بن سکتا تھا۔

☆

وہاں سے وہ دوڑتی ہوئی عثمان صلام کے گھر گئی۔ اُس کی ماں کے پاس بیٹھی النور کی باتیں کرتی رہی۔ اُس نے عثمان کے متعلق پوچھا تو اُس کی ماں نے بتایا کہ وہ شام کے بعد ہی گھر سے نکل گیا تھا۔ رینی کو خیال آگیا کہ وہ دیوار توڑنے کی مہم پر چلا گیا ہوگا۔ وہ اُسے روکنا چاہتی تھی۔ اُسے ڈر یہ تھا کہ ان کے اجتماع میں کوئی اور مخبر بھی ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور نے فوج کو اطلاع دے دی ہو۔ وہ باہر نکل گئی اور اُس طرف چل پڑی جس طرف سے ان لوگوں نے دیوار توڑنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اُس مسلمان نے جسے اُس نے کنوئیں میں پھینک دیا تھا بتا دیا تھا کہ چھاپہ مار دیوار کے اوپر جا کر صلیبی تیر اندازوں کو ایسے طریقے سے ختم کریں گے کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نیچے سے دیوار کھودیں گے۔ دیوار مٹی کی تھی۔ اس کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اوپر دو گھوڑے پہلو بہ پہلو آسانی سے دوڑ سکتے تھے۔ مٹی کی وجہ سے اس کی کھدائی مشکل نہیں، وقت طلب تھی۔ اس پلٹن نے بوقتِ ضرورت لڑائی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ان کے پاس خنجر اور برچھیاں بھی

تھیں۔ یہ ایک غیر معمولی طور پر دلیرانہ مہم تھی جس کی ناکامی کے امکانات زیادہ تھے۔ اوّل تو جگہ ایسی منتخب کی تھی جہاں پکڑے جانے کا امکان ذرا کم تھا۔

یہ گروہ مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ رینی اُسی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ وہ عثمان صلام کو روکنا چاہتی تھی۔ اُسے شاید علم ہو گیا تھا کہ یہ لوگ پکڑے جائیں گے اور عثمان صلام مارا جائے گا۔ ان جانبازوں کا جانے کا طریقہ اور راستہ کچھ اور تھا۔ رینی پہلے وہاں پہنچ گئی جہاں سے دیوار توڑنی تھی۔ وہاں ابھی کوئی نہیں پہنچا تھا۔ اُس نے اندھیرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ اچانک پیچھے سے اُسے کسی نے پکڑ لیا اور گھسیٹ کر پرے لے گیا۔ یہ ایک فوجی تھا۔ پرے لے جا کر فوجی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے۔ اُس نے باپ کا نام لیا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ وہاں سے چلی جائے مگر وہ وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتی تھی۔ وہاں دراصل فوج کا ایک پورا دستہ چھپا ہوا تھا۔ اس کے کمانڈر نے رینی کو بتایا کہ مسلمانوں کا ایک گروہ یہاں نقب لگانے آ رہا ہے اور اُسے پکڑنے کے لیے گھات لگائی گئی ہے۔۔۔۔ یہ اطلاع ایک اور مسلمان مخبر نے فوج کو دی تھی۔

رینی انہیں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ گھات سے اُٹھ جائیں۔ وہ تو صرف عثمان صلام کو بچانا چاہتی تھی۔ اس مسلمان نوجوان کی محبت نے اُس کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔ اتنے میں ایک فوجی نے کہا۔۔۔ "اطلاع غلط نہیں تھی، وہ آ رہے ہیں"۔۔۔ رینی تڑپ اٹھی۔ اُس نے چلا کر کہا۔۔۔ "عثمان! واپس چلے جاؤ"۔۔۔ دستے کے کمانڈر نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔۔۔ "یہ بدبخت جاسوس معلوم ہوتی ہے۔ اسے گرفتار کر لو"۔۔۔ لیکن گرفتاری کی انہیں مہلت نہ ملی کیونکہ کچھ دور سے شور شرابہ سنائی دینے لگا تھا۔

جانبازوں کی یہ پارٹی سیدھی گھات میں آگئی تھی۔ صلیبیوں کے دستے کی تعداد زیادہ تھی۔ بیشتر اس کے کہ جانباز سنبھلتے وہ گھیرے میں آ چکے تھے۔ مشعلیں جل اٹھیں جن کی روشنی میں جانباز صاف نظر آنے لگے۔ ان کے پاس کھدائی کا سامان، برچھیاں اور خنجر تھے۔ بھاگ نکلنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ ان میں گیارہ لڑکیاں تھیں۔ صلیبی کمانڈر نے بآوازِ بلند کہا۔۔۔ "لڑکیوں کو زندہ پکڑو"۔۔۔ چھاپہ ماروں میں سے کسی نے کہا۔۔۔ "مجاہدو! بھاگنا نہیں۔ ایک ایک لڑکی کو ساتھ رکھو۔"

اور جو معرکہ لڑا گیا، وہ بڑا ہی خونریز تھا۔ چھاپہ مار تو تربیت یافتہ لڑاکے تھے، خوب لڑے۔ لیکن لڑکوں اور لڑکیوں نے صلیبیوں کو حیران کر دیا۔ لڑکیاں ڈرنے کی بجائے نوجوانوں کو للکار رہی تھیں۔ انہیں زندہ پکڑنے کی کوشش میں متعدد صلیبی ان کے خنجروں کا شکار ہو گئے مگر صلیبی تعداد میں زیادہ تھے۔ چونکہ یہ معرکہ قلعے میں لڑا جا رہا تھا اس لیے صلیبی فوج کے دو دستے آ گئے۔ اس معرکے میں ایک نسوانی آواز بار بار سنائی دیتی تھی۔۔۔ "عثمان نکل جاؤ... عثمان! تم نکل جاؤ"۔۔۔ یہ رینی کی آواز تھی۔ اُس وقت تک عثمان صلام لڑ رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک صلیبی آیا۔ عثمان کے پاس خنجر تھا اور صلیبی کے پاس تلوار۔ اچانک اس صلیبی کی پیٹھ میں ایک خنجر داخل ہو گیا۔ یہ رینی کا خنجر تھا۔ ایک اور صلیبی نے اُسے للکارا۔ اُس نے مرے ہوئے صلیبی کی تلوار اٹھا لی اور مقابلے پر اُتر آئی۔

عثمان صلام اُس کی مدد کے لیے آگے بڑھا لیکن کسی صلیبی کی تلوار نے اُسے شہید کر دیا۔ کچھ دیر بعد

جانبازوں میں صرف دو لڑکیاں زندہ رہیں۔ وہ اکٹھی تھیں اور بہت سے صلیبیوں کے گھیرے میں آگئیں۔ گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ انہیں کہا گیا کہ وہ خنجر پھینک دیں۔ دونوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ دونوں نے بیک وقت اپنا اپنا خنجر اپنے اپنے دل پر رکھا اور دوسرے لمحے انہوں نے خنجر اپنے دلوں میں اتار دیئے۔ ریمنڈ کو زخمی کر کے پکڑ لیا گیا تھا۔ اس نے بعد میں پاگل پن کی کیفیت میں بیان دیا کہ وہ اس سکیم کو ناکام کر کے عثمان صارم کو بچانا چاہتی تھی۔

قلعے کی دیوار توڑنے کی اُمید ختم ہو گئی۔ شہر کے اندر مسلمانوں کی تخریب کاری بھی ختم ہو گئی۔ مسلمانوں کی قیادت کرنے والے جانباز شہید ہو چکے تھے۔ برجیس بھی شہید ہو چکا تھا۔ لیکن سلطان ایوبی کی اُمیدیں صرف ان سرفروشوں کے ساتھ وابستہ نہیں تھیں۔ وہ قلعے سر کرنا جانتا تھا۔ ابھی تو محاصرے کا دوسرا دن تھا مگر اب کے صلیبیوں نے بھی قسم کھالی تھی کہ وہ کرک کا قلعہ سلطان ایوبی کو نہیں دیں گے۔ ☆

میرے فلسطین، میں آؤں گا

صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے غیر معمولی طور پر مستحکم مستقر کرک پر ایسی بے خبری میں حملہ کیا تھا کہ صلیبیوں کو اُس وقت خبر ہوئی جب سلطان ایوبی کی فوج کرک کو محاصرے میں لے چکی تھی لیکن محاصرہ مکمل نہیں تھا۔ یہ سہ طرفہ محاصرہ تھا۔ جاسوسوں نے سلطان ایوبی کو یقین دلایا تھا کہ کرک شہر کے مسلمان باشندے اُن چھاپہ ماروں کے ساتھ جنہیں سلطان ایوبی نے پہلے ہی شہر میں داخل کر دیا تھا، اندر سے قلعے کی دیوار توڑ دیں گے۔ محاصرے کے چوتھے پانچویں روز اندر سے ایک جاسوس نے باہر آکر سلطان ایوبی کو یہ اطلاع دی کہ تمام چھاپہ مار اور چند ایک مسلمان شہری دیوار توڑنے کی کوشش میں شہید ہو گئے ہیں۔ ان میں مسلمان لڑکیاں بھی تھیں، اور ان میں ایک عیسائی لڑکی بھی شامل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی بتایا گیا کہ کسی ایمان فروش مسلمان نے اس جانباز جماعت میں شامل ہو کر دشمن کو اطلاع دے دی تھی جس کے نتیجے میں دشمن نے گھات لگائی اور ساری کی ساری جماعت کو شہید کر دیا۔ یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اب اندر سے دیوار توڑنے کی اُمیدیں ختم ہو چکی ہیں۔

امیدیں ختم ہوئی ہی تھیں، صلیبیوں نے جب دیکھا کہ دیوار توڑنے والوں میں کرک کے مسلمان نوجوانوں، اور لڑکیوں کی لاشیں تھیں تو انہوں نے مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ اندھا دھند شروع کر دی۔ لڑکیوں تک کو نہ بخشا۔ جوانوں کو بیگار کیمپ میں، بوڑھوں کو اُن کے اپنے گھروں میں اور جوان لڑکیوں کو قلعے کی فوجی بارکوں میں قید کر دیا۔ ان میں سے کچھ لڑکیوں نے خودکشی بھی کر لی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ کفار اُن کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔ صلاح الدین ایوبی کو بھی یہی غم کھانے لگا کہ کرک کے مسلمانوں کو یہ قربانی بہت مہنگی پڑے گی۔ اُس نے جب اِن جانبازوں کی خبر سنی تو اپنے نائبین سے کہا ــــ "یہ کارستانی صرف ایک ایمان فروش مسلمان کی ہے۔ اس ایک غدار نے اسلام کی اتنی بڑی فوج کو بے بس کر دیا ہے۔ ایک وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے نام پر جانیں قربان کر دیں، ایک یہ مسلمان ہیں جنہوں نے اللہ کا ایمان کفار کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔ یہ غدار اسلام کی تاریخ کا رُخ پھیر رہے ہیں"... سلطان ایوبی غصے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ران پر گھونسہ مار کر بولا ــــ "میں کرک کو بہت جلدی فتح کروں گا اور ان غداروں کو سزا دوں گا"۔

سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا افسر زاہدان خیمے میں داخل ہوا۔ اُس وقت سلطان ایوبی کہہ رہا تھا ــــ "آج رات کو محاصرہ مکمل ہو جانا چاہیئے۔ میں آپ کو ابھی بتاتا ہوں کہ کون سے دستے کرک کے پیچھے بھیجے جائیں"۔

"اعلت کی معافی چاہتا ہوں امیرِ مصر!" زاہدان نے کہا ــــ "اب شاید آپ محاصرہ مکمل نہیں کر سکیں گے۔ ہم نے کچھ وقت ضائع کر دیا ہے۔"

"کیا تم کوئی نئی خبر لائے ہو؟" ــــ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُس سے پوچھا۔

"آپ نے جس کامیابی سے دشمن کو بے خبری میں آن لیا تھا اس سے آپ پورا فائدہ نہیں اٹھا سکے۔" زاہدان نے جواب دیا۔ وہ ایسے بے دھڑک انداز سے بول رہا تھا جیسے اپنے سے چھوٹے عہدے کے آدمی کو ہدایات دے رہا ہو۔

سلطان ایوبی نے اپنے تمام سینئر اور جونیئر کمانڈروں اور تمام شعبوں کے سربراہوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اُسے بادشاہ سمجھ کر فرشی سلام نہ کیا کریں، مشورے دلیری اور خود اعتمادی سے دیں اور نکتہ چینی کھل کر کیا کریں۔ زاہدان انہی ہدایات پر عمل کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ وہ انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس کی حیثیت ایسی آنکھ کی سی تھی جو اندھیروں میں بھی دیکھ لیتی تھی اور وہ ایسا کان تھا جو اپنے جاسوسوں کے ذریعے سینکڑوں میل دور دشمن کی سرگوشیاں بھی سُن لیا کرتا تھا۔ سلطان ایوبی کو اُس کی اہمیت کا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کامیاب جاسوسی کے بغیر جنگ نہیں جیتی جا سکتی۔ خصوصاً اس صورتِ حال میں جبکہ صلیبیوں نے سلطنتِ اسلامیہ میں جاسوسوں اور تخریب کاروں کا جال بچھا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کو نہایت اعلیٰ اور غیر معمولی ذہین اور تجربہ کار جاسوسوں کی ضرورت تھی۔ اس میدان میں وہ پوری طرح کامیاب تھا۔ اس کی انٹیلی جنس کے تین افسر، علی بن سفیان اور اُس کے دو نائب، حسن بن عبداللہ اور زاہدان جانباز قسم کے سراغرساں اور جاسوس تھے۔ انہوں نے اس محاذ پر صلیبیوں کے کئی وار بیکار کیے تھے۔

"آپ کو معلوم تھا کہ صلیبیوں نے جہاں کرک کا دفاع مضبوط کر رکھا ہے وہاں بہت سی فوج کرک سے دور خیمہ زن کر رکھی ہے۔" زاہدان نے کہا ــــ "آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اس فوج کو باہر سے محاصرہ توڑنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ جاسوسوں کی اطلاعیں صاف بتا رہی تھیں کہ اب صلیبی قلعے سے باہر لڑیں گے، پھر بھی آپ نے فوری طور پر محاصرہ مکمل نہیں کیا۔ اس سے دشمن نے فائدہ اٹھا لیا ہے۔"

"تو کیا انہوں نے حملہ کر دیا ہے؟" سلطان صلاح الدین ایوبی نے بے تابی سے پوچھا۔

"آج شام تک اُن کی فوج اُس مقام پر آ جائے گی جہاں ہماری کوئی فوج نہیں۔" زاہدان نے جواب دیا ــــ "میرے جاسوس جو اطلاعیں لائے ہیں وہ یہ ہیں کہ صلیبی فوج گھوڑ سوار اور شتر سوار ہو گی۔ پیادہ دستے بہت کم ہیں۔ وہ محاصرے کی جگہ پر آ جائیں گے اور دائیں بائیں حملے کریں گے۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمارا محاصرہ ٹوٹ جائے گا۔ صلیبیوں کی تعداد بھی زیادہ بتائی جاتی ہے۔"

"میں تمہیں اور تمہارے جاسوسوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں جو یہ اطلاعیں لائے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا ــــ "میں جانتا ہوں یہ کام کتنا دشوار اور خطرناک ہے۔ میں تم سب کو یقین دلاتا ہوں کہ صلیبی ہمارے محاصرے کا جو خلا پُر کرنے اور محاصرہ توڑنے آ رہے ہیں میں انہیں اسی خلا میں گم کر دوں گا۔ مجھے اللہ کی مدد پر بھروسہ ہے۔ اگر تم میں کوئی غدار نہیں تو اللہ تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔"

"ابھی وقت ہے۔" ایک نائب سالار نے کہا ــــ "اگر آپ حکم دیں تو ہم محفوظ کے تین چار دستے صلیبیوں

کے پہنچنے سے پہلے بھیج دیتے ہیں۔ محاصرے کا خلا پُر ہو جائے گا اور صلیبیوں کا حملہ ناکام ہو جائے گا۔"

سلطان ایوبی کے چہرے پر پریشانی یا اضطراب کا ہلکا سا تاثر بھی نہیں تھا۔ اس نے زاہدان سے پوچھا ــــ "اگر تمہاری اطلاع بالکل صحیح ہے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ صلیبی فوج کس وقت حملے کے مقام پر پہنچے گی؟"

"اُن کی پیشقدمی خاصی تیز ہے۔" زاہدان نے جواب دیا ــــ "ان کے ساتھ خیمے اور رسد نہیں آ رہی۔ پیچھے آ رہی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ راستے میں کوئی پڑاؤ نہیں کریں گے۔ اگر وہ اسی رفتار پر آتے رہے تو رات گہری ہونے تک پہنچ جائیں گے۔"

"خدا کرے کہ وہ راستے میں نہ رکیں۔" سلطان ایوبی نے کہا ــــ "مگر وہ تھکے ہوئے اور بھوکے پیاسے گھوڑوں اور اونٹوں کے ساتھ حملہ نہیں کریں گے۔ حملے کے مقام پر آ کر جانوروں کو آرام اور خوراک دیں گے۔ اس دوران وہ دیکھیں گے کہ ہم نے جو محاصرہ کر رکھا ہے اس میں خلا ہے یا نہیں۔ صلیبی اتنے کوڑھ مغز نہیں کہ ایسی پیش بینی اور پیش بندی نہ کریں۔" ــــ سلطان ایوبی نے اپنے عملے کے دو تین حکام کو بلایا اور انہیں نئی صورتِ حال سے آگاہ کر کے کہا ــــ "صلیبی ہمارے جال میں آ رہے ہیں۔ قلعے کے عقب میں ہم نے محاصرے میں جو خلا چھوڑ دیا ہے اسے اور زیادہ کھلا کر دو۔ دائیں اور بائیں کے دستوں سے کہہ دو کہ اُن پر عقب سے حملہ آ رہا ہے۔ اپنے پہلوؤں کو مضبوط کر لیں اور دشمن کو اپنے درمیان آنے دیں۔ کوئی تیر انداز حکم کے بغیر کمان سے تیر نہ نکالے۔"

اس قسم کے احکام کے بعد سلطان ایوبی نے پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے چند ایک دستوں کو جو اُس نے ریزرو میں رکھے ہوئے تھے، سورج غروب ہوتے ہی ایسے مقام پر چلے جانے کو کہا جو صلیبیوں کے حملے کے ممکنہ مقام کے قریب تھا۔ وہ علاقہ میدانی نہیں تھا اور صحرا کی طرح ریتلا بھی نہیں تھا۔ وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کا علاقہ تھا۔ سلطان ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر کو بھی بلا لیا تھا۔ اُسے اُس نے یہ کام سونپا کہ صلیبیوں کی فوج کے پیچھے غلط راستے سے یہ رسد آ رہی ہے جو رات کو راستے میں تباہ کرنی ہے۔ ایسے اور کئی ایک ضروری احکامات دے کر سلطان ایوبی خیمے سے نکلا۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اپنے عملے کے ضروری افراد کو ساتھ لیا اور محاذ کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

صلاح الدین ایوبی خوش فہمیوں میں مبتلا ہونے والا انسان نہیں تھا۔ اُس نے دور سے محاصرے کا جائزہ لیا اور اپنے عملے سے کہا ــــ "صلیبیوں سے یہ قلعہ لینا آسان نہیں۔ محاصرہ بڑے لمبے عرصے تک قائم رکھنا پڑے گا۔" اُس نے دیکھا کہ قلعے کی سامنے والی دیوار سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ قلعے کے دروازے تک پہنچنا ناممکن تھا... سلطان ایوبی کی فوج تیروں کی زد سے دور تھی۔ جوابی تیر اندازی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سلطان ایوبی قلعے کے پہلو کی طرف گیا۔ وہاں اُسے ایک ولولہ انگیز منظر نظر آیا۔ اس کا ایک دستہ حیران کن تیزی سے قلعے کی دیوار پر تیر برسا رہا تھا۔ چھ منجنیقیں آگ پھینک رہی تھیں۔ دیوار پر جہاں تیر اور آگ کے گولے جا رہے تھے وہاں کوئی صلیبی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دبک گئے تھے۔ سلطان ایوبی دور کھڑا دیکھتا رہا۔ اُس کے تقریباً چالیس سپاہی ہاتھوں میں برچھیاں اور کدالیں

اٹھائے دیوار کی طرف سرپٹ دوڑ پڑے اور دیوار تک پہنچ گئے۔ قلعے کی دیوار پتھروں اور مٹی کی تھی۔ انہوں نے دیوار توڑنی شروع کر دی۔ اسی مقصد کے لیے اوپر سے تیر اور آگ کے گولے برسائے جا رہے تھے کہ اوپر سے دشمن اُن پر دیوار توڑتے وقت تیر نہ چلا سکے۔

سلطان ایوبی کے منہ سے بے اختیار نکلا ــــ "آفرین" ــــ مگر اس کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ قلعے کی دیوار پر للکار سنائی دی۔ عین اُس جگہ کے اوپر سے جہاں سلطان ایوبی کے جانباز دیوار توڑ رہے تھے بہت سے صلیبیوں کے سر اور کندھے نظر آئے۔ پھر بڑے بڑے ڈول اور ڈرم نظر آئے۔ یہ الٹا دیئے گئے۔ ان میں سے جلتی ہوئی لکڑیاں اور انگارے نکلے جو ان مجاہدین پر گرے جو نیچے دیوار توڑ رہے تھے۔ مجاہدین نے آگے جا کر تیر برسانے شروع کر دیئے جن میں متعدد صلیبی گھائل ہو گئے۔ دیوار کی کسی اور طرف سے تیر آئے جنہوں نے مجاہدین تیر اندازوں کو زخمی اور شہید کر دیا۔ پھر دونوں طرف سے اس قدر تیر برسنے لگے کہ ہوا میں اڑتے ہوئے تیروں کا جال تن گیا۔ جانباز دیوار توڑ رہے تھے۔ یہ کام آسان نہیں تھا کیونکہ دیوار بہت ہی چوڑی تھی۔ نیچے سے اس کی چوڑائی اوپر کی نسبت زیادہ تھی۔ ان جانبازوں پر اوپر سے تیر نہیں چلایا جا سکتا تھا مگر ان پر جلتی لکڑیاں اور دہکتے انگارے پھینکے جا رہے تھے۔ آگ کے ڈول اور ڈرم پھینکنے والوں میں بظاہر کوئی بھی مسلمان تیر اندازوں سے بچ کر نہیں جاتا تھا لیکن وہ تیر کھا کر گرنے سے پہلے آگ انڈیل دیتے تھے۔

نیچے یہ عالم تھا کہ آگ بھڑک رہی تھی اور دیوار توڑنے والے شعلوں اور انگاروں میں بھی دیوار توڑ رہے تھے۔ تیروں کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ آخر دیوار توڑنے والے جھلس گئے اور ان میں سے چند ایک اس حالت میں پیچھے کو دوڑے کہ اُن کے کپڑوں کو آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ دیوار سے ہٹے ہی تھے کہ اوپر سے تیر آئے جو اُن کی پیٹھوں میں اُتر گئے۔ اس طرح ان میں سے کوئی زندہ واپس نہ آ سکا۔ دس اور مجاہدین دیوار کی طرف دوڑے اور دشمن کے تیروں میں سے گزرتے دیوار تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بڑی پھرتی سے دیوار کے بہت سے پتھر نکال لیے۔ اُوپر سے اُن پر بھی آگ کے ڈرم اور ڈول انڈیل دیئے گئے۔ آگ پھینکنے والوں سے دو اتنا اوپر اٹھ گئے تھے کہ مجاہدین کے تیر سینوں میں کھا کر وہ پیچھے گرنے کی بجائے آگے کو گرے اور دیوار سے سیدھے نیچے اپنی ہی پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے، مگر دیوار توڑنے والوں میں سے بھی کوئی زندہ نہ بچا۔

سلطان ایوبی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس دستے کے کمانڈر کے پاس جا کر کہا ــــ "تم پر اور تمہارے جانبازوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ اسلام کی تاریخ ان سب کو ہمیشہ یاد رکھے گی جو اللہ کے نام پر جل گئے ہیں۔ اب یہ طریقہ چھوڑ دو۔ پیچھے ہٹ آؤ۔ اتنی تیزی سے انسان اور تیر ختم نہ کرو۔ صلیبی اس قلعے کے لیے اتنی زیادہ قربانی دے رہے ہیں جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"اور ہم بھی اتنی زیادہ قربانی دیں گے جس کا صلیبی تصور نہیں کر سکتے۔" کمانڈر نے کہا ــــ "دیوار یہیں سے ٹوٹے گی اور ہم آپ کو یہیں سے اندر لے جائیں گے۔"

"اللہ تمہاری آرزو پوری کرے۔" سلطان ایوبی نے کہا ــــ "اپنے مجاہدین کو بچا کر رکھو۔ صلیبی باہر سے حملہ کر رہے ہیں۔ تمہیں شاید باہر لڑنا پڑے گا۔ محاصرہ مضبوط رکھو۔ ہم صلیبیوں کو اندر سے کچلیں گے۔"

اس دستے کو پیچھے ہٹا لیا گیا مگر کمانڈر نے سلطان ایوبی سے کہا ــــ "سالارِ اعلیٰ کی اجازت ہو تو میں شہیدوں کی لاشیں اٹھوا لوں؟ اس مقصد کے لیے مجھے پھر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔"

"ہاں!" سلطان ایوبی نے کہا ــــ "اٹھوا لو۔ کسی شہید کی لاش باہر نہ پڑی رہے۔"

سلطان ایوبی وہاں سے چلا گیا۔ اس جانباز دستے نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی لاشیں اٹھائیں، وہ ایک ولولہ انگیز منظر تھا۔ جتنی لاشیں اٹھائی تھیں اتنے ہی مجاہدین شہید ہو گئے۔ سلطان ایوبی دور نکل گیا تھا جنگ کے دوران وہ اپنا پرچم ساتھ نہیں رکھا کرتا تھا تاکہ دشمن کو معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کہاں ہے۔ وہ اپنی فوج سے دور ہٹ گیا اور بہت دور جا کر وہ ٹیلوں، چٹانوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں چلا گیا۔ وہ گھوڑے سے اترا اور ایک ٹیلے پر جا کر لیٹ گیا تاکہ اسے دشمن نہ دیکھ سکے۔ اُسے قلعہ اور شہر کی دیوار نظر آ رہی تھی اور کم و بیش ایک میل لمبا وہ علاقہ بھی نظر آ رہا تھا جہاں ابھی اُس کی فوج نہیں پہنچی تھی۔ اس نے ٹیلوں کے عقب کا جائزہ لیا۔ ہر جگہ گھوما پھرا۔

اسی جائزے اور دیکھ بھال میں سورج غروب ہو گیا۔ وہ وہیں رہا۔ شام گہری ہوئی تو اُسے اطلاع دی گئی کہ اُس کے حکم کے مطابق پیادہ اور سوار تیر اندازوں کے دستے آ رہے ہیں۔ اُس نے اپنے قاصد سے کہا کہ کمانڈروں کو بلایا جائے ... جب کمانڈر اس کے پاس آئے تو چھاپہ مار دستے کا کمانڈر بھی اُن کے ساتھ تھا۔ اُسے سلطان ایوبی نے راستہ بتا کر اپنے ہدف پر چلے جانے کو کہا۔ پھر وہ دوسرے کمانڈروں کو ہدایات دینے لگا۔

☆

رات آدھی گزری تھی کہ دور سے گھوڑوں کی آوازیں اس طرح سنائی دینے لگیں جیسے سیلاب بند توڑ کر آ رہا ہو۔ چاند پورا تھا۔ چاندنی شفاف تھی۔ صلیبیوں کے گھوڑ سوار ٹیلوں اور چٹانوں سے کچھ دور تک آ گئے۔ اُن کے پیچھے شتر سوار تھے۔ ان کی تعداد کے متعلق مورخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ غیر مسلم مورخوں نے تعداد تین ہزار سے کم بیان کی ہے۔ مسلمان مورخ پانچ سے آٹھ ہزار تک بتاتے ہیں۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی جو تحریریں دستیاب ہو سکی ہیں وہ کم سے کم تعداد دس ہزار اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہزار بتاتے ہیں۔ ان کا کمانڈر ایک مشہور صلیبی حکمران ریمانڈ تھا۔ دو مورخوں نے کمانڈر کا نام رینالٹ لکھا ہے لیکن وہ ریمانڈ تھا۔ وہ اسی حملے کے لیے لمبے عرصے سے وہاں سے دور خیمہ زن تھا۔ اُسے اب رات کو یا صبح ہوتے ہی سلطان ایوبی کی اُس فوج پر حملہ کرنا تھا جس نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔

صلیبی سوار گھوڑوں اور اونٹوں سے اُترے۔ گھوڑوں کے ساتھ والنے کی رسیاں تھیں جو گھوڑوں کے آگے لٹکا دی گئیں۔ سواروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے اپنے جانور کے ساتھ رہیں اور زیادہ دیر کے لیے سو نہ جائیں۔ جانوروں کے لیے چارہ اور پانی کے مشکیزے پیچھے آ رہے تھے۔ صلیبیوں نے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں پر عقب سے اچانک حملہ کر کے گھوڑوں کو قلعے کے اندر سے پانی پلائیں گے۔ سلطان ایوبی کے دیدبان صلیبیوں کو بڑی اچھی طرح دیکھ رہے تھے اور گھبرا بھی رہے تھے کیونکہ صلیبیوں کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ طاقت سے وہ محاصرہ توڑ سکتے تھے۔

سر ابھی دھندلی تھی۔ صلیبیوں کو سوار ہونے، برچھیاں اور تلواریں تیار رکھنے کا حکم ملا۔ یہ دراصل حملے کا حکم تھا۔ وہ ایک بڑی ہی لمبی صف کی صورت میں آگے بڑھے۔ جونہی اگلی صف نے ایڑ لگائی عقب سے تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ جن سواروں کو تیر لگے، وہ گھوڑوں پر ہی اوندھے ہو گئے یا گر پڑے، اور جن گھوڑوں کو تیر لگے وہ بے قابو ہو کر بھاگ اٹھے۔ اونٹ ابھی چلے ہی تھے کہ اُن میں بھگدڑ مچ گئی۔ صلیبی کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہ ہُوا کیا ہے اور اُن کی ترتیب بکھرتی کیوں جا رہی ہے۔ انہوں نے غصے کی حالت میں چلانا شروع کر دیا۔ زخمی گھوڑوں اور اونٹوں نے جو واویلا بپا کیا اس نے ساری فوج پر دہشت طاری کر دی۔ صبح کا اجالا سات ہُوا تو ریمانڈ کو معلوم ہُوا کہ وہ سلطان ایوبی کے گھیرے میں آ گیا ہے۔ اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ وہ اسے بہت زیادہ سمجھ رہا تھا۔ ایسی صورتِ حال کے لیے وہ تیار نہیں تھا۔ اُس نے حملہ رکوا دیا لیکن اُس کے سواروں کی اگلی صف اُس نالے کے قریب پہنچ چکی تھی جہاں اس پورے لشکر کو پہنچنا تھا۔

محاصرے والی فوج کو پہلے سے ہی خبردار کر دیا گیا تھا۔ وہ اس حملے کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ اس کے مجاہدین نے گرد کے بادل زمین سے اٹھتے اور اپنی طرف آتے دیکھے تو وہ تیار ہو گئے۔ گرد قریب آئی تو اس میں سے گھوڑ سوار نمودار ہوئے۔ مجاہدین نے اپنے آپ کو حملہ روکنے کی ترتیب میں کر لیا۔ وہ دائیں اور بائیں تھے۔ جونہی گھوڑے اُن کے درمیان آئے، مجاہدین پہلوؤں سے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ تب صلیبی سواروں کو احساس ہُوا کہ وہ اپنے لشکر سے کٹ گئے ہیں اور ان کا لشکر اپنی جگہ سے چلا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان اور نگرانی خود کر رہا تھا۔ صلیبی پیچھے کو مڑے تاکہ مقابلہ کریں لیکن سلطان ایوبی نے انہیں یہ چال چل کر بہت مایوس کیا کہ صلیبیوں کا کوئی دستہ سرپٹ رفتار سے کسی طرف حملہ کرتا تھا تو آگے مزاحمت نہیں ملتی تھی۔ البتہ پہلوؤں اور عقب سے اُس پر تیر برستے تھے۔ صلیبی کمانڈروں نے اپنے لشکر کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر دیا۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اُس کی ہدایت کے مطابق آمنے سامنے کے مقابلے کی نوبت ہی نہ آنے دی۔ صلیبیوں کے گھوڑے تھکے ہوئے تھے۔ بھوکے اور پیاسے بھی تھے۔ انہیں جنگ روکنی پڑی۔ وہ چارے اور پانی کے منتظر تھے۔ رسد کو صبح تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔

دوپہر تک رسد نہ پہنچی۔ چند ایک سوار دوڑائے گئے لیکن وہ مسلمان تیر اندازوں کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ زندہ پیچھے چلے بھی جاتے تو انہیں رسد نہ ملتی۔ وہ رات کو ہی سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دستے کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ اس دستے نے بڑی کامیابی سے شب خون مارا اور رسد تباہ کر دی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے محفوظہ میں سے مزید دستے بلا لیے اور ریمانڈ کے لشکر کو گھیرے میں لے لیا۔ اگر مسلمانوں کی تعداد صلیبیوں جتنی ہوتی تو وہ حملہ کر کے صلیبیوں کو ختم کر دیتے۔ سلطان ایوبی اپنی نفری ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اس لشکر کو لڑانے لڑانے ٹیلوں اور گھاٹیوں کے علاقے میں لے جا کر گھیرے میں لے لیا۔ اُسے معلوم تھا کہ جوں جوں وقت گزرتا جائے گا صلیبی بیکار ہوتے جائیں گے، مگر صلیبیوں کو بڑی کامیابی سے گھیرے میں لے کر اُسے خود بھی نقصان ہو رہا تھا۔ اُس نے جہاں صلیبیوں کی اتنی بڑی قوت کو باندھ لیا تھا وہاں اُس کے اپنے بہت سے ریزرو دستے بھی بندھ گئے تھے۔ انہیں اب وہ کسی

اور طرف استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

اس علاقے کے اندر پانی موجود تھا جو جانوروں کو کچھ عرصے کے لیے زندہ رکھنے کے لیے کافی تھا۔ فوج کو زندہ رکھنے کے لیے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کا گوشت کافی تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کا محاصرہ مکمل کرنے کا حکم دے دیا۔ صلیبی چین سے نہیں بیٹھے۔ ہر روز کسی نہ کسی جگہ جھڑپ ہوتی تھی اور دن گزرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے قلعے اور شہر کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ کہیں سے بھی دیوار توڑنے کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔

☆

محاصرے کا سولہواں سترھواں روز تھا۔ شام کے وقت سلطان ایوبی اپنے خیمے میں بیٹھا اپنے نائبین وغیرہ کے ساتھ اس مسئلے پر باتیں کر رہا تھا کہ قلعے کو توڑنے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ محافظ نے اندر آ کر اطلاع دی کہ سوڈان کے محاذ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی تڑپ کر بولا ــــ "اسے فوراً اندر بھیج دو" ــــ اور اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے نکل گیا ــــ "اللہ کرے یہ کوئی اچھی خبر لایا ہو"

قاصد اندر آیا تو سلطان ایوبی نے فوراً پہچان لیا کہ یہ قاصد نہیں، کسی دستے کا کمانڈر ہے۔ سلطان ایوبی نے بے تابی سے پوچھا ــــ "کوئی اچھی خبر لائے ہو؟.... بیٹھ جاؤ"

کمانڈر نے نفی میں سر ہلایا اور بولا ــــ "جس رنگ میں سالارِ اعظم دیکھیں۔ خبر اس لیے اچھی نہیں کہ ہم سوڈان میں فتح حاصل نہیں کر سکے اور اس لحاظ سے خبر اچھی ہے کہ ہم نے ابھی شکست نہیں کھائی اور پسپا نہیں ہوئے"

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ شکست اور پسپائی کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"صاف نظر آ رہے ہیں" کمانڈر نے جواب دیا ــــ "میں آپ کا حکم لینے آیا ہوں کہ ہم کیا کریں۔ ہمیں کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہماری یہ ضرورت پوری نہ ہوئی تو پسپائی کے بغیر چارہ نہیں"

سلطان ایوبی نے پورا پیغام سننے سے پہلے اُس کے لیے کھانا منگوایا اور کہا کہ کھاؤ اور پیغام سناتے جاؤ۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں اس کا بھائی تقی الدین مصر کا قائمقام امیر مقرر ہُوا تھا۔ اُس نے سوڈان اور مصر کی سرحد کے قریب فرعونوں کے زمانے کے کھنڈروں میں صلیبیوں کا پیدا کردہ ایک بڑا ہی خطرناک نظریہ اور ڈنڈا پکڑا تھا اور اُس کے فوراً بعد اُس نے یہ سوچ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہاں مصر پر حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مشیروں اور سالاروں نے اُسے کہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی سے اجازت لے کر حملہ کریں مگر تقی الدین نے یہ کہہ کر سوڈان پر حملہ کر دیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو اس لیے پریشان نہیں کرنا چاہتا کہ وہ صلیبیوں کے اتنے طاقتور لشکر کے خلاف لڑ رہا ہے۔ اُس نے جوش میں آ کر حملہ تو کر دیا تھا لیکن یہ کمانڈر پیغام لایا تھا کہ سوڈان میں شکست صاف نظر آ رہی ہے۔ عام قاصد کی بجائے تقی الدین نے ایک کمانڈر کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو محاذ کی صحیح صورتِ حال فنی نقطۂ نگاہ سے سنا سکے۔ اس سے پہلے سلطان ایوبی کو مصر سے یہ اطلاع ملی تھی کہ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کر دیا ہے۔

کمانڈر نے جو واقعات سلطان ایوبی کو سنائے وہ مختصراً یہ تھے کہ تقی الدین نے حقائق پر نظر رکھنے کی بجائے جذبے اور جذبات سے مغلوب ہو کر حملے کا حکم دے دیا۔ اُس کا جذبہ وہی تھا جو اُس کے بھائی سلطان ایوبی کا تھا۔

لیکن دونوں بھائیوں کی جنگی فہم و فراست میں فرق تھا۔ تقی الدین نے جو فیصلہ کیا نیک نیتی اور اسلامی جذبے کے تحت کیا مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر گیا کہ دشمن پر سوچے سمجھے بغیر ٹوٹ پڑنے کو جہاد یا جنگ نہیں کہتے۔ اُس نے سوڈان میں پھیلائے ہوئے اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں پر بھی پوری طرح غور نہ کیا۔ اُن کی صرف اس اطلاع پر توجہ مرکوز رکھی کہ سوڈانیوں کو صلیبی کمانڈر ٹریننگ دے رہے ہیں اور وہاں حملے کی تیاریاں تقریباً مکمل ہو چکی ہیں۔ تقی الدین نے دشمن کو تیاری کی حالت میں دبوچ لینے کا فیصلہ کر لیا مگر اس قسم کی انتہائی اہم معلومات حاصل نہ کیں کہ سوڈانیوں کی جنگی طاقت کتنی ہے؟ وہ کتنی طاقت لڑائیں گے اور کتنی ریزرو میں رکھیں گے؟ ان کے ہتھیار کیسے ہیں؟ سوار کتنے اور پیادہ کتنے ہیں؟ اور سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ تھا کہ میدانِ جنگ کس قسم کا اور مصر سے کتنی دُور ہوگا اور رسد کے انتظامات کیا ہوں گے؟

دو خرابیاں تو ابتدا میں ہی سامنے آگئیں۔ ایک یہ کہ سوڈانیوں نے بلکہ صلیبی کمانڈروں نے تقی الدین کو سرحد پر روکا نہیں۔ اُسے بہت دُور تک سوڈان کے اُس علاقے تک جانے کے لیے راستہ دے دیا جو بڑا ہی ظالم صحرا تھا اور جہاں پانی نہیں تھا۔ دوسرا نقصان یہ سامنے آیا کہ تقی الدین کی فوج دراصل صلاح الدین ایوبی کی چالوں پر لڑنے والی فوج تھی جو انتہائی کم تعداد میں دشمن کے بڑے بڑے دستوں کو تہس نہس کر دیا کرتی تھی۔ اس فوج کو صرف سلطان ایوبی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی آمنے سامنے کی ٹکر سے ہمیشہ گریز کرتا تھا۔ وہ متحرک قسم کی جنگ لڑتا تھا۔ تقی الدین لشکر کشی کا قائل تھا۔ اس فوج میں تجربہ کار اور جانباز چھاپہ مار دستے بھی تھے لیکن اُن کا صحیح استعمال سلطان ایوبی جانتا تھا۔ سوڈان میں جا کر یوں ہوا کہ فوج ایک لشکر کی صورت میں بندھی رہی اور دشمن اپنی چال چل گیا۔ دشمن تقی الدین کو اپنی پسند کے علاقے میں لے گیا اور اس کی فوج پر سلطان ایوبی کے انداز کے شبخون مارنے شروع کر دیئے۔ تقی الدین کے جانوروں اور جوانوں کو پانی کی ایک بوند بھی نہیں ملتی تھی۔ چھاپہ مار دستوں کے کمانڈروں نے اُسے کہا کہ وہ انہیں صحرا میں آزاد چھوڑ دے مگر تقی الدین نے اس خدشے کے پیشِ نظر انہیں کوئی کارروائی نہ کرنے دی کہ جمعیت اور مرکزیت ختم ہو جائے گی۔

جب رسد کا مسئلہ سامنے آیا تو یہ تکلیف دہ احساس ہوا کہ وہ اتنی دُور چلے آئے ہیں جہاں تک رسد کو پہنچتے کئی دن لگیں گے اور رسد کا راستہ محفوظ بھی نہیں۔ ہوا بھی ایسے ہی کہ رسد کے پہلے ہی قافلے کی اطلاع ملی کہ دشمن نے اسے تباہ نہیں کیا بلکہ تمام تر رسد اور جانور اڑا لے گیا ہے۔ اس حادثے کی اطلاع پر چھاپہ مار دستوں کے ایک سینئر کمانڈر اور تقی الدین میں گرما گرمی ہو گئی۔ کمانڈر نے کہا کہ وہ لڑنے آئے ہیں اور لڑیں گے لیکن اس طرح نہیں کہ دشمن شبخون مار رہا ہے، رسد لوٹ کر لے گیا ہے اور ہم مرکزیت کے پابند بیٹھے رہیں۔ تقی الدین نے حکم کے لہجے میں سخت کلامی کی تو کمانڈر نے کہا ــــ "آپ تقی الدین ہیں صلاح الدین نہیں۔ ہم اُس عزم اور اُس طریقے سے لڑیں گے جو ہمیں صلاح الدین نہیں سکھایا ہے۔ ہم چھاپہ مار ہیں۔ ہم دشمن کے پیٹ کے اندر جا کر اس کا پیٹ چاک کیا کرتے ہیں۔ آپ کا یہ لشکر بھوکا مر رہا ہے اور رسد دشمن لے گیا ہے۔ ہم دشمن کی رسد لوٹ کر اپنی فوج کو کھلانے کے عادی ہیں۔"

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ تقی الدین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ جانتا تھا کہ چھاپہ ماروں کا یہ کمانڈر کس جذبے سے

پاگل ہوا جا رہا ہے۔ اس نے جذباتی لہجے میں کہا ــــ "میں فاتح باری تعالیٰ کے غضب سے ڈرتا ہوں۔ میں ان جانبازوں کو جو فلسطین میں لڑتے ہوئے آئے ہیں ناحق موت کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہتا۔"

"پھر آپ کو حملہ بھی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" کمانڈر نے کہا ــــ "ہم میں کون ہے جو اللہ کے حکم پر جان دینے کیلئے تیار نہیں۔ ہم موت کے منہ میں آ چکے ہیں، اور یہی مسلمان کی شان ہے کہ وہ موت کے منہ میں جا کر اپنے آپ کو اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے۔ آپ جذبات سے نکلیں۔ ہم دشمن کے جال میں آ چکے ہیں۔"

تقی الدین کوئی ایسا اناڑی بھی نہیں تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے یہ الفاظ یاد تھے کہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھ کر کسی کو حکم نہ دینا اور میدانِ جنگ میں جا کر اپنی غلطیوں سے چشم پوشی نہ کرنا۔ اُس نے اس کمانڈر کی سخت کلامی کو گستاخی نہ سمجھا اور اُسی وقت تمام اعلیٰ کمانڈروں کو بلا کر جنگ کی صورتِ حال اور آئندہ اقدام کے متعلق بات چیت کی۔ فیصلہ ہوا کہ چھاپہ ماروں کو جوابی کارروائیاں کرنے کے لیے پھیلا دیا جائے۔ رسد کے راستے کو بھی چھاپہ مار اپنی حفاظت میں لے لیں۔ فوج کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ اُسے تین حصوں میں تقسیم کر کے دشمن پر تین اطراف سے حملہ کیا جائے۔ تقی الدین نے اپنے پاس جو محفوظہ رکھا وہ ناکافی تھا۔ اس تقسیم اور ترتیب سے یہ نتیجہ ہوا کہ فوج اس علاقے سے نکل گئی جہاں پانی نہیں تھا۔ ریت اور ٹیلوں کا سمندر تھا، مگر فوج بکھر گئی۔ دشمن نے تینوں حصوں پر حملے کر کے انہیں اور زیادہ بکھیر دیا۔ جانی نقصان بہت ہونے لگا۔ نہایت تیزی سے کمانڈروں نے اپنے اپنے دستوں کو الگ الگ کر کے اسی نوعیت کی جنگ شروع کر دی جو انہیں سلطان ایوبی نے سکھائی تھی مگر صاف پتہ چل رہا تھا کہ وہ جیت نہیں سکیں گے۔ انہوں نے جذبہ قائم رکھا۔ رسد اور کمک کا سوال ہی ختم ہو گیا تھا۔ وہ شبخون مارتے اور کھانے پینے کے لیے کچھ حاصل کر لیتے تھے۔ چھاپہ مار دستے نہایت جانبازی سے شبخون مارتے، دشمن کا نقصان کرتے اور جو ہاتھ لگتا وہ مختلف دستوں تک پہنچا دیتے تھے۔

مرکزی کمان ختم ہو چکی تھی۔ تقی الدین اپنے عملے کے ساتھ بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔ جذبے کی حد تک وہ مطمئن تھا۔ اُسے کہیں سے بھی ایسی اطلاع نہ ملی کہ کسی دستے یا جماعت نے ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔ جنگ چھوٹے چھوٹے معرکوں اور جھڑپوں میں تقسیم ہوتے ہوتے آدھے سوڈان تک پھیل گئی۔ مسلمان کمانڈروں نے فرداً فرداً یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ چھاپہ مار قسم کی جنگ لڑتے رہیں گے سوڈان سے نکلیں گے نہیں۔ دشمن کا نقصان بھی ہو رہا تھا۔ ایک وقت آگیا جب دشمن پریشان ہو گیا کہ مسلمانوں کو سوڈان سے کس طرح نکالا جائے۔ مسلمان فوجی صحراؤں، بیابانوں اور دیہاتی آبادیوں میں پھیل گئے تھے۔ اب مرکز کو یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ جانی نقصان کتنا ہو چکا ہے اور کتنی نفری باقی ہے۔ یہ اندازہ ضرور ہو رہا تھا کہ دشمن بھی مصیبت میں مبتلا ہے اور اب وہ مصر پر حملہ نہیں کر سکے گا، مگر اس طریقۂ جنگ سے کوئی ٹھوس فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فوج مرتی جا رہی تھی۔

ان حالات میں تقی الدین نے سلطان ایوبی کو اپنے ایک کمانڈر کی زبانی پیغام بھیجا۔ اُس نے کہا کہ سوڈان کی مہم صرف اسی صورت میں کامیاب ہو سکتی ہے کہ اسے کمک مل جائے۔ اس کی تمام فوج چھاپہ مار پارٹیوں میں بٹ گئی تھی۔ ان پارٹیوں کی کارروائیوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے مزید فوج کی ضرورت تھی۔ تقی الدین نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ کمک نہ مل سکے تو کیا وہ سوڈان میں بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے مصر واپس آ جائے؟ مصر میں جو فوج

تھی۔ مصر کے اندرونی حالات اور سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھی ناکافی تھی۔ اسے محاذ پر لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی اپنی فوج کا قائل نہیں تھا۔ اُس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنی فوج کا حکم دے یا نہیں لیکن حالات اسے مجبور کر رہے تھے۔ وہ کمک نہیں دے سکتا تھا۔ وہ خود کمک کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا۔

☆

تقی الدین کے اس قاصد نے سلطان ایوبی کو جنگ کی صورتِ حال تو بتا دی لیکن صلیبیوں اور سوڈانیوں نے وہاں جو ایک اور محاذ کھول دیا تھا وہ نہ بتایا۔ غالباً اُس کمانڈر کو معلوم نہ ہو گا۔ ایسے انکشافات بہت بعد میں ہوئے تھے۔ تقی الدین کی فوج اس وقت بارہ کی ٹکڑیوں میں بکھر کر لڑ رہی تھی۔ بعض علاقوں میں خانہ بدوشوں کے جھونپڑے اور خیمے تھے۔ بعض جگہیں ہری بھری اور سرسبز بھی تھیں اور بیشتر علاقے بنجر، ویران اور ریگستان تھے۔ ایک شام تین چھاپہ مار مجاہدین واپس اپنے ایک سینئر کمانڈر کے پاس آئے۔ ان میں دو زخمی تھے۔ انہوں نے سنایا کہ ان کی پارٹی میں اکیس فدائی تھے اور بائیسواں پارٹی کمانڈر تھا۔ دن کے وقت یہ پارٹی ایک جگہ چھپی ہوئی تھی۔ پارٹی کمانڈر اِدھر اُدھر اس طرح ٹہل رہا تھا جیسے پہرہ دے رہا ہو۔ ایک سوڈانی شتر سوار گزرا اور پارٹی کمانڈر کو دیکھ کر رک گیا۔ کمانڈر اس کے پاس گیا اور معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ شتر سوار چلا گیا تو پارٹی کمانڈر نے اپنے اکیس جانبازوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ دو میل دور ایک گاؤں ہے جہاں مسلمان رہتے ہیں۔ اس شتر سوار نے پارٹی کو اپنے گاؤں میں مدعو کیا ہے۔ رات کو گاؤں والے پارٹی کو اپنا مہمان رکھیں گے اور دشمن کی ایک جمعیت کی جگہ بھی بتائیں گے۔

تمام جانباز بہت خوش ہوئے۔ کھانا دانہ ملنے کے علاوہ دشمن پر حملے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ سورج غروب ہوتے ہی یہ سب اُس گاؤں کی طرف چل پڑے۔ وہاں جا کے دیکھا کہ صرف تین جھونپڑے تھے۔ اِدھر اُدھر درخت تھے اور پانی بھی تھا۔ سپاہیوں کو جھونپڑوں کے باہر ڈیرے ڈالنے کو کہا گیا۔ پارٹی کمانڈر ایک جھونپڑے میں چلا گیا۔ باہر مشعلیں جلا دی گئیں اور سب کو کھانا دیا گیا۔ پارٹی کمانڈر نے کہا کہ سب سو جاؤ، حملے کے وقت انہیں جگا لیا جائے گا۔ تھکے ہوئے سپاہی سو گئے۔ یہ تین جو واپس آئے تھے ان میں سے ایک سو نہ سکا یا اُس کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے ایک جھونپڑے میں عورتوں کے قہقہوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُس نے جھانک کر دیکھا۔ جھونپڑے میں پارٹی کمانڈر دو نہایت حسین لڑکیوں کے ساتھ ہنس کھیل رہا تھا اور شراب پی رہی تھی۔ لڑکیاں صحرائی لباس میں تھیں لیکن صحرائی لگتی نہیں تھیں۔ اس سپاہی کو باہر کچھ بدلی بدلی آوازیں سنائی دیں۔ چاندنی میں اُس نے دیکھا کہ بہت سے آدمی آ رہے تھے، جن کے ہاتھوں میں برچھیاں اور تلواریں تھیں۔ سپاہی جھونپڑے کی اوٹ میں ہو گیا اور دیکھنے لگا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جھونپڑے میں کوئی داخل ہوا۔ اس کی آہٹ سنائی دی ــــ "کیوں بھائی کام کر دیں؟" ــــ پارٹی کمانڈر نے کہا ــــ "تم آ گئے؟ سب سو رہے ہیں۔ ختم کر دو" ــــ اور لڑکیوں کے قہقہے سنائی دیئے۔

وہ آدمی جو آ رہے تھے سوئی ہوئی پارٹی پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ تو سوتے میں ختم ہو گئے اور جو جاگ اٹھے انہوں نے

مقابلہ کیا۔ یہ سپاہی چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ اُسے اپنے دو ساتھی بھاگتے نظر آئے۔ موقعہ دیکھ کر یہ سپاہی بھی بھاگ اٹھا اور اپنے دو ساتھیوں سے جا ملا۔ وہ دونوں زخمی تھے۔ کسی نے اُن کا تعاقب نہ کیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ پارٹی کمانڈر شتر سوار کے دیئے ہوئے لالچ میں آ گیا تھا یا وہ پہلے سے ہی دشمن کا ایجنٹ تھا اور اپنے آدمیوں کو مروانے کا موقعہ دیکھ رہا تھا۔ بہرحال یہ انکشاف ہوا کہ دشمن نے بکھرے ہوئے مسلمان دستوں کو ختم کرنے یا اپنے ہاتھ میں کرنے کے لیے لڑکیوں کو استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ دشمن انسانی فطرت کی کمزوریوں کو استعمال کر رہا تھا۔ ان حالات میں لڑنے والے سپاہی کو پیٹ اور جنس کی بھوک بہت پریشان کیا کرتی ہے۔ دشمن مجاہدین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر حملے الگ کر رہا تھا اور نفسیاتی ہتھیار بھی استعمال کر رہا تھا۔ ایسے چند اور واقعات ہوئے۔ مجاہدین کو خبردار کیا گیا کہ کسی کے جھانسے میں نہ آئیں۔

ایسے بہت سے واقعات میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ چھاپہ مار دستے کا ایک کمانڈر، عطاالہاشم، ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا دستہ تین چار پارٹیوں میں بکھرا ہوا تھا۔ یہ مصر سے آنے والی رسد کا راستہ تھا۔ عطاالہاشم ... نے صرف ایک دستے سے جس کی نفری ایک سو سے کچھ کم تھی، رسد کے تمام تر راستے کو محفوظ کر دیا تھا۔ رسد پر چھاپہ مارنے والے دشمن کا اس نے بہت نقصان کیا تھا۔ اس کے جانباز اچانک جھپٹ پڑتے تھے۔ سوڈانیوں نے انہیں ختم کرنے کے بہت جتن کیے لیکن پانچ چھ جانبازوں کو شہید کرنے کے سوا کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ عطاالہاشم ٹیلوں میں ڈھکی ہوئی ایک جگہ بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ چھ سات جانباز تھے۔ یہ اُس نے ہیڈکوارٹر بنا رکھا تھا۔ اُسے صحرائی خانہ بدوشوں کے لباس میں دو لڑکیاں ایک ادھیڑ عمر آدمی کے ساتھ نظر آئیں۔ عطاالہاشم کو دیکھ کر تینوں اس کے پاس آ گئے۔ لڑکیاں سوڈانی معلوم ہوتی تھیں لیکن انہوں نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ بہروپ لگتا تھا۔ اُن کے چہروں پر گرد تھی۔ چہرے اداس تھے اور تھکن بھی معلوم ہوتی تھی۔ لڑکیاں ادھیڑ عمر آدمی کے پیچھے ہو گئیں۔ یہ جھجک اور شرم کا اظہار تھا۔

اس آدمی نے کچھ مصری اور کچھ سوڈانی زبان میں کہا کہ وہ مسلمان ہے اور یہ دونوں اس کی بیٹیاں ہیں۔ وہ بھوک سے مر رہے ہیں۔ اُس نے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ عطاالہاشم سوڈان کی زبان جانتا تھا۔ وہ چھاپہ مار تھا۔ سوڈانی علاقے میں کمانڈو کارروائیوں کی کامیابی کے لیے اُس نے سوڈانی زبان سیکھی تھی۔ اُس کے پاس خوراک کی کمی نہیں تھی۔ وہ رسد کا محافظ تھا۔ دو تین بار رسد گزری تھی جس میں سے اُس نے اپنے دستے کے لیے بہت سا راشن پانی اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اُس نے ان تینوں کو کھانا دیا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ اُس آدمی نے کسی گاؤں کا نام لے کر کہا کہ اُن کا گاؤں جنگ کی زد میں آ گیا ہے۔ کبھی سوڈانی آ جاتے تھے کبھی مسلمان۔ دونوں گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ ان لڑکیوں کو فوجیوں سے چھپاتا پھرتا تھا۔ آخر تنگ آ کر گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ وہ لڑکیوں کی عزت بچانا چاہتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ چونکہ وہ مسلمان ہے، اس لیے اس کوشش میں ہے کہ مصر چلا جائے مگر ممکن نظر نہیں آتا۔ اُس نے عطاالہاشم سے کہا کہ وہ انہیں مصر پہنچا دے۔ اُس کے ساتھ ہی اس نے پوچھا ــــ "تم لوگ اس جگہ کب تک رہو گے؟"

"جب تک رہوں گا، تم تینوں کو اپنے ساتھ رکھوں گا" ــــ عطاالہاشم نے جواب دیا۔

"آپ ان دونوں لڑکیوں کو اپنی پناہ میں لے لیں" — ادھیڑ عمر آدمی نے کہا — "میں چلا جاتا ہوں"

"میں یہ دیکھ کر حیران ہو رہی ہوں کہ آپ کی زندگی کتنی دشوار ہے" — ایک لڑکی نے معصوم لہجے میں کہا اور پوچھا — "آپ کو اپنا گھر اور بیوی بچے یاد نہیں آتے؟"

"سب یاد آتے ہیں" — عطاالہاشم نے جواب دیا — "لیکن میں اپنے فرض کو نہیں بھول سکتا"

یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کھانا کھا کر اور پانی پی کر ان کے جسموں میں نئی جان اور نئی روح پیدا ہو گئی ہو۔ ایک خاموش رہی، دوسری کی زبان رواں ہو گئی۔ اس نے جتنی بھی باتیں کیں ان میں عطاالہاشم اور اس کے جانبازوں کے لیے ہمدردی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگ دشمن سے اتنی دلیری سے آ کر اپنی جانیں کیوں ضائع کرتے ہیں۔

عطاالہاشم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے تینوں کو اٹھایا اور اپنے آدمیوں کو بلایا۔ انہیں کہا کہ اس سوڈانی کے پاؤں رسیوں سے باندھ کر میرے گھوڑے کے پیچھے باندھ دو۔ انہوں نے اسے گرا کر پاؤں باندھ دیئے اور گھوڑا کھول لائے۔ رسی کا ایک سرا گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا۔ عطاالہاشم نے ایک سپاہی سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ وہ سوار ہو گیا۔ عطاالہاشم نے لڑکیوں کو اکٹھا کھڑا کر کے دو تیر انداز بلائے۔ انہیں کہا کہ میرے اشارے پر لڑکیوں کی آنکھوں کے درمیان ایک ایک تیر چلا دیں اور گھوڑ سوار گھوڑے کو ایڑ لگا دے۔ گھوڑے کے پیچھے سوڈانی بندھا ہوا زمین پر پڑا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ گھوڑا دوڑے گا تو اس کا کیا حشر ہو گا۔ تیر اندازوں نے ایک ایک تیر کمانوں میں ڈال لیا اور گھوڑ سوار نے باگیں تھام لیں۔ عطاالہاشم نے سوڈانی لڑکیوں اور آدمی سے کہا — "میں تم تینوں کو صرف ایک بار کہوں گا کہ اپنی اصلیت بتا دو، جس مقصد کے لیے آئے ہو وہ بتا دو، ورنہ اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ"

خاموشی طاری ہو گئی۔ لڑکیوں نے گھوڑے کے پیچھے بندھے ہوئے اپنے ساتھی کو دیکھا۔ وہ بھی خاموش تھا۔ انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں آپس میں مشورہ کر لیا۔ سوڈانی نے کہا کہ وہ اپنا آپ ظاہر کر دے گا۔ عطاالہاشم اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا کہ وہ سچ بولے گا تو اسے کھولا جائے گا۔ اس آدمی نے کہا — "او پتھر دل انسان! تیرے پاس اتنی خوبصورت لڑکیاں لایا ہوں اور تو انہیں تیروں کا نشانہ بنا رہا ہے۔ انہیں اپنے پاس رکھ لے اور اپنے دستے کو سمیٹ کر یہاں سے چلا جا۔ اگر یہ قیمت تھوڑی ہے تو اپنی قیمت بتا۔ سونے کے سکے مانگ۔ کچھ اور مانگ۔ شام سے پہلے لا دوں گا"

عطاالہاشم اٹھا اور سوار سے کہا — "گھوڑا دوڑ کی چال پندرہ بیس قدم چلاؤ"

گھوڑا چل پڑا۔ چند قدم گیا تو سوڈانی بلبلا اٹھا۔ عطاالہاشم نے کہا — "رک جاؤ" — گھوڑا رکا تو عطاالہاشم اس کے پاس جا کر کہا کہ وہ سیدھی باتیں کرنے پر آ جائے۔ وہ مان گیا۔ اس نے بتا دیا کہ وہ سوڈانی جاسوس ہے، اور صلیبیوں نے اسے ٹریننگ دی ہے۔ لڑکیوں کے متعلق اس نے بتایا کہ مصر کی پیدائش ہیں اور صلیبیوں نے انہیں تخریب کاری کے فن کا ماہر بنا رکھا ہے۔ عطاالہاشم نے اس کے پاؤں کھول دیئے اور اسے اپنے پاس بٹھا کر باتیں پوچھیں۔ اس نے بتایا کہ اسے یہ کام دیا گیا ہے کہ سوڈان میں پھیلے ہوئے مسلمان کمانڈروں کو لڑکیوں یا سونے چاندی کا چکمہ دے کر انہیں اور ان کے سپاہیوں کو ختم یا قید کرا دیا جائے یا انہیں اپنے ہاتھ میں لیا جائے۔ اس نے بتایا کہ عطاالہاشم نے رسد کا راستہ ایسی خوبی سے محفوظ کر رکھا تھا کہ صلیبی اور سوڈانی حملہ آوروں کا جانی نقصان بھی ہوا اور

رسد بھی نکل گئی۔ اسے یہ مشن دے کر بھیجا گیا تھا کہ عطاالہاشم کو ان لڑکیوں سے اندھا کر کے اسے قتل کر دے یا اسے پھندے میں لے آئے کہ اسے قتل یا قید کر لیا جائے اور اگر وہ ایمان کا کچا ثابت ہوا تو اسے اپنے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ یہ سوڈانی حیران تھا کہ عطاالہاشم نے اتنی خوبصورت لڑکیوں کو قبول نہیں کیا۔ اس نے جب عطاالہاشم سے پوچھا کہ اس نے لڑکیوں کو اور زر و جواہرات کی پیش کش کو کیوں ٹھکرا دیا ہے تو عطاالہاشم نے مسکرا کر کہا کہ کیونکہ میں ایمان کا کچا نہیں۔

عطاالہاشم نے لڑکیوں کو بھی اپنے پاس بلا لیا۔ زیادہ باتیں کرنے والی نے پوچھا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک ہو گا۔

عطاالہاشم نے بتایا کہ انہیں وہ کل صبح اپنے ہیڈ کوارٹر میں سالارِ اعلیٰ تقی الدین کے پاس لے جائے گا یا بھیج دے گا۔ اس نے سوڈانی کو لڑکیوں سمیت اس ہدایت کے ساتھ اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا کہ انہیں الگ الگ رکھا جائے۔ ان کی تلاشی لی گئی۔ تینوں کے پاس ایک ایک خنجر تھا۔ آدمی کے پاس ایک پوٹلی تھی جس میں حشیش بندھی ہوئی تھی۔

سورج غروب ہونے والا تھا جب اس کے دستے کی ایک ٹولی واپس آ گئی۔ اس نے اس ٹولی کو کچھ دور تک پھیلا دیا۔ اس نے ہر کسی کو بتا دیا کہ یہ تینوں جاسوس اور تخریب کار ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کے ساتھیوں کو معلوم ہو کر یہ یہاں ہیں اور وہ انہیں چھڑانے کے لیے حملہ کریں۔ ان انتظامات کے بعد وہ آرام کے لیے لیٹ گیا۔ وہ جلد نشیب و فراز کی تھی۔ اس نے لیٹنے سے پہلے دیکھ لیا تھا کہ اس کے سپاہیوں نے لڑکیوں اور مرد کو کس طرح لٹایا ہے۔ وہ خود ایک ٹیلے کے ساتھ لیٹا جہاں سے وہ اپنے سپاہیوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ذہن میں یہ دو لڑکیاں آ گئیں۔ وہ اس سوچ میں کھو گیا کہ یہ کتنی خوبصورت اور بظاہر کیسی معصوم سی لڑکیاں ہیں اور ان سے کتنا غلیظ اور کتنا خطرناک کام کرایا جا رہا ہے۔ اگر یہ کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتیں تو کسی باعزت گھرانے میں دلہنیں بن کر جاتیں۔ اسے اپنی بیوی یاد آ گئی جو دلہن بن کر اس کے گھر آئی تھی تو اسی کی طرح جوان اور دل کش تھی۔ اپنی بیوی کی یاد اسے رومان انگیز تصورات میں لے گئی۔ اس ویران صحرا میں جہاں وہ موت کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا، ان تصوروں نے اس پر نشہ سا طاری کر دیا۔ میدانِ جنگ میں سپاہی ایسے ہی تصوروں اور بڑی ہی دل کش یادوں سے دل بہلایا کرتے ہیں۔

چاندنی نکھر آئی تھی۔ صحرا کی چاندنی بڑی ہی شفاف اور خنک ہوا کرتی ہے۔ اس کی خنکی میں ایسا تاثر ہوتا ہے جو ذہن اور دل سے موت کے خوف کو دھو ڈالتا ہے۔ عطاالہاشم اٹھا اور اس انداز سے خراماں خراماں اس جگہ گیا جہاں لڑکیاں سوئی ہوئی تھیں جیسے وہ حفاظتی انتظام کا معائنہ کرنے جا رہا ہو۔ وہ اکٹھی سو رہی تھیں۔ ان کے ارد گرد سپاہی سوئے ہوئے تھے۔ سوڈانی آدمی کچھ دور تین سپاہیوں کے نرغے میں سویا ہوا تھا۔ عطاالہاشم نے ایک لڑکی کے پاؤں کو اپنے پاؤں سے دبایا۔ لڑکی کی آنکھ کھل گئی۔ عطاالہاشم کو چاندنی میں پہچان کر وہ اٹھ بیٹھی۔ عطاالہاشم نے اسے اٹھنے اور ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی اس مسرت کے ساتھ اٹھی کہ اس پتھر جیسے کمانڈر پر اس کی جوان نسوانیت کا جادو چل گیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ عطاالہاشم نے دیکھا کہ اس کے سپاہی کیسی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے ہیں کہ انہیں یہ خبر بھی نہیں کہ کوئی آدمی ان کے درمیان سے لڑکی کو اٹھا کر لے جا رہا ہے۔ اسے اپنے سپاہیوں پر غصے کی بجائے ترس آ گیا جو ایک غیر یقینی سی جنگ لڑ رہے تھے۔ کسی باقاعدہ کمان اور کنٹرول کے بغیر جو وہ نظم و ضبط کی پابندی کر

رہے تھے۔

لڑکی کو وہ اپنی جگہ لے گیا۔ لڑکی کے سر پہ اب اوڑھنی نہیں تھی۔ چاندنی اس کے بکھرے ہوئے بالوں کو سونے کے تاروں کا رنگ دے رہی تھی۔ وہ کچھ دیر لڑکی کو دیکھتا رہا اور لڑکی اسے دیکھتی رہی۔ لڑکی نے نشیلی سی آواز میں مسکرا کر کہا ــــ "میں حیران ہوں کہ آپ ڈر کیوں رہے ہیں۔ مجھے آپ کے پاس آپ ہی کے لیے لایا گیا ہے۔ کیا آپ میری ضرورت محسوس نہیں کرتے؟" ــــ وہ اُسے چپ چاپ دیکھتا رہا جیسے بُت بن گیا ہو۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے بوسوں کے ساتھ لگا لیا اور بولی ــــ "میں جانتی ہوں آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارا باپ میری طرح کا ایک مرد ہوگا" ــــ عطاالہاشم نے اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا ــــ "میں بھی باپ ہوں۔ ہم دونوں باپوں میں زمین اور آسمان جتنا فرق ہے۔ وہ باپ کتنا بے غیرت ہے اور میں ہوں کہ غیرت کی پاسبانی کے لیے اپنے بچوں کو یتیم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"میرا کوئی باپ نہیں" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "دیکھا ہوگا۔ اس کی صورت یاد نہیں۔"

"مر گیا تھا؟"

"یہ بھی یاد نہیں۔"

"اور ماں؟"

"کچھ بھی یاد نہیں" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "یہ بھی یاد نہیں کہ میں کسی گھر میں پیدا ہوئی تھی یا کسی خانہ بدوش کے خیمے میں... مگر یہ وقت ایسی بے مزہ باتیں کرنے کا نہیں۔"

"ہم سپاہی یادوں سے مزے حاصل کیا کرتے ہیں" ــــ عطاالہاشم نے کہا ــــ "میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں بھی تمہارے ماضی کی چند ایک یادیں تازہ کر دوں؟"

"میں بجائے خود ایک حسین یاد ہوں" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "جس کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزار جاتی ہوں وہ ہمیشہ یاد رکھتا ہے۔ میری اپنی کوئی یاد نہیں۔"

"اپنے آپ کو حسین نہیں ایک غلیظ یاد کہو" ــــ عطاالہاشم نے کہا ــــ "مجھے تمہارے جسم سے صلیبیوں کے، سوڈانیوں کے، مسلمانوں کے اور بڑے ہی غلیظ انسانوں کے گناہوں کی بُو آ رہی ہے۔ تم میرے قریب آؤ گی تو مجھے متلی آ جائے گی۔ تمہیں کوئی مزہ یاد نہیں رکھنا۔ تم جیسی لڑکیوں کے شکاری آج یہاں اور کل وہاں ہوتے ہیں۔ دوسرا شکار مل جاتا ہے تو پہلے کو بھول جاتے ہیں۔ تمہارا یہ حسن چند دنوں کا مہمان ہے۔ تم میری نفرت میں ہو۔ میں تمہارا یہ چہرہ اسی وقت مزے کے طور پر زخمی کر کے ہمیشہ کے لیے مکروہ بنا سکتا ہوں، مگر ایسی ضرورت نہیں۔ یہ صحرا، شراب، حشیش اور بدکاری تمہیں سال کے اندر اندر مرجھایا ہوا پھول بنا دے گی جسے لوگ اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہ صلیبی اور یہ سوڈانی تمہیں بھیک مانگنے کے لیے باہر نکال دیں گے۔ تم بڑے ہی گھٹیا انسانوں کے لیے تفریح کا ذریعہ بن جاؤ گی..." عطاالہاشم کے لہجے میں ایسا ٹھہراؤ اور ایسا تاثر تھا کہ لڑکی کی ذہنی کیفیت میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ یہ مسلمان کمانڈر کر رہا تھا ــــ "میری ایک بیٹی ہے جو تم سے دو تین سال چھوٹی ہوگی۔ اس کی شادی ایک باعزت جوان کے

ساتھ ہوگی جو میری طرح کمر سے تلوار لٹکا کر بڑی اچھی نسل کے گھوڑے پر سوار ہوا کرے گا۔ وہ میری طرح میدانِ جنگ کا شہزادہ ہوگا۔ میری بیٹی دلہن بنے گی۔ اپنے خاوند کے دل میں اور اُس کے گھر میں راج کرے گی۔ لوگ میری بیٹی کو ایک نظر دیکھنا چاہیں گے مگر دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں بھی اس پر فخر کیا کروں گا اور اُس کا خاوند اُس کے ساتھ اتنی محبت کرے گا کہ وہ بوڑھی ہو جائے گی تو بھی محبت ختم نہیں ہوگی۔ بڑھے گی۔ تمہیں دیکھنے کے لیے کوئی بھی رہے گا۔ اب نہیں ہوتا کیونکہ تم ایک ننگا بھید ہو۔ تمہاری عزت کسی کے دل میں نہیں اور کوئی بھی نہیں جو تمہیں محبت کے قابل سمجھے گا۔"

"آپ میرے ساتھ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟" ــــ لڑکی نے ایسی آواز میں پوچھا جو اس کی اپنی نہیں لگتی تھی۔

"میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم جیسی بیٹیاں مقدس ہوتی ہیں" ــــ عطاالہاشم نے جواب دیا ــــ "ہم مسلمان لوگ بیٹی کو اللہ کا پیغام سمجھتے ہیں۔ اگر تم عصمت اور مذہب کے معنی سمجھ لو تو تم پر اللہ کی رحمت برس جائے گی، مگر تم سمجھ نہیں سکو گی کیونکہ تم اس محبت سے واقف نہیں جو روح کی گہرائیوں تک پہنچا کرتی ہے۔ تم بدنصیب ہو۔ تم نے مردوں کی ہوس دیکھی ہے محبت نہیں دیکھی۔"

عطاالہاشم آہستہ آہستہ بولتا رہا۔ اُس کے لب و لہجے اور انداز کا اپنا ایک تاثر تھا لیکن لڑکی اس پر حیران ہو رہی تھی کہ یہ بھی دوسرے مردوں کی طرح مرد ہے مگر اس نے اُس کے حسن کو ذرہ بھر اہمیت نہیں دی۔ عطاالہاشم جذباتی لحاظ سے پتھر بھی نہیں تھا۔ وہ تو سراپا جذبات میں ڈوبا ہوا تھا۔ لڑکی نے بے تاب سا ہو کر کہا ــــ "آپ کی باتوں میں ایسا نشہ اور خمار ہے جو میں نے شراب اور حشیش میں نہیں پایا۔ مجھے آپ کی کوئی بھی بات سمجھ نہیں آ رہی لیکن ہر ایک بات دل میں اترتی جا رہی ہے" ــــ لڑکی ذہین تھی۔ اس قسم کی تخریب کاری کے لیے ذہین ہونا لازمی تھا۔ مردوں کو انگلیوں پر نچانے کی اُسے باقاعدہ ٹریننگ دی گئی تھی مگر اس مرد نے اس ناگن کا زہر مار دیا۔ اُس نے عطاالہاشم سے بہت سی باتیں پوچھیں جن میں کچھ مذہب سے تعلق رکھتی تھیں۔ اُس کے لہجے اور انداز میں اب پیشہ ورانہ اداکاری نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے قدرتی رنگ میں باتیں کر رہی تھیں۔ اُس نے پوچھا ــــ "مجھے آپ لوگ کیا سزا دیں گے؟"

"میں تمہیں کوئی سزا نہیں دے سکتا" ــــ عطاالہاشم نے کہا ــــ "کل صبح تمہیں اپنے سالارِ اعلیٰ کے حوالے کر دوں گا۔"

"وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"جو ہمارے قانون میں لکھا ہے۔"

"آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"میں نے سنا ہے کہ مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "اگر آپ مجھے اپنی بیوی بنا لیں تو میں آپ کا مذہب قبول کر کے ساری عمر آپ کی خدمت کروں گی۔"

"میں تمہیں بیٹی بنا سکتا ہوں بیوی نہیں" ــــ عطاالہاشم نے کہا ــــ "کیونکہ تم میرے ہاتھوں میں مجبور ہو۔ تم میری پناہ میں بھی ہو اور میری قید میں بھی۔"

وہ باتوں میں مصروف تھے۔ لڑکی کا ساتھی مرد زمین سپاہیوں کے نرغے میں لیٹا ہوا تھا مگر وہ جاگ رہا تھا۔ اُس نے عطاالہاشم کو دیکھ لیا تھا کہ وہ لڑکی کو جگا کر لے گیا ہے۔ وہ خوش تھا کہ لڑکی عطاالہاشم کو چکمہ دے کر قتل کر دے گی یا اُسے یہاں سے کہیں دُور لے جائے گی۔ وہ لیٹا ہوا لڑکی کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اُس نے سپاہیوں کو دیکھا وہ بے ہوش ہو کے سوئے ہوئے تھے۔ انہیں بے ہوش ہونا ہی تھا کیونکہ اس سوڈانی نے شام کے بعد ان سپاہیوں کے ساتھ گپ شپ شروع کر دی تھی اور انہیں ہنستے کھیلتے حشیش پلا دی تھی۔ اس سے حشیش کی ایک پوٹلی تو برآمد کر لی گئی تھی لیکن اُس نے تھوڑی سی حشیش اپنے چغے میں کہیں سی رکھی تھی۔ وہاں سے نکال کر اس نے تین سپاہیوں کو پلا دی وہ چونکہ اس نشے کے عادی نہیں تھے اس لیے بیہوشی کی نیند سو گئے۔ یہ سوڈانی رات کو بھاگنے کے جتن کر رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ لڑکی عطاالہاشم کے پاس بیٹھی ہوئی ہے اور بہت دیر گزر گئی ہے تو وہ سمجھا کہ لڑکی اس مسلمان کمانڈر کو دُور نہیں لے جا سکی، لہٰذا اس شخص کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ وہ واپس گیا اور سوئے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک کی کمان اور ترکش میں تین چار تیر لے آیا۔ راستے میں چند فٹ اونچی جگہ تھی جس کی اوٹ میں وہ عطاالہاشم کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ اس لیے بھی نظر نہیں آ سکتا تھا کہ اس طرف عطاالہاشم کی پیٹھ تھی۔ لڑکی کا منہ اُدھر ہی تھا۔ لیکن وہ اپنے آدمی کو دیکھ نہیں سکی تھی۔ وہ آدمی تیر و کمان لے کر آیا تو لڑکی کو چاندنی میں اس کا سر اور کندھے نظر آئے پھر اسے کمان نظر آئی۔ عطاالہاشم اپنی موت سے بے خبر بیٹھا تھا۔ اس کا خنجر نیام میں پڑا ہوا تھا اور نیام قریب ہی رکھی تھی۔ لڑکی نے نیام اٹھا کر خنجر نکال لیا۔ عطاالہاشم جھپٹ کر اس سے خنجر چھیننے ہی لگا تھا کہ لڑکی نے نہایت تیزی سے گھٹنوں کے بل ہو کر اپنے آدمی کی طرف پوری طاقت سے خنجر پھینکا۔

فاصلہ چند گز تھا۔ اُدھر سے آہ کی آواز سنائی دی۔ خنجر سوڈانی کی شہ رگ میں اتر گیا تھا اور اس نے زخمی ہوتے ہی تیر چلا دیا تھا۔ نشانہ چوک جانا ضروری تھا۔ تیر کمانڈر عطاالہاشم کے قریب سے گزرا اور دھک کی آواز سنائی دی۔ اُس نے دیکھا کہ تیر لڑکی کے سینے میں اُتر گیا تھا۔ وہ دوڑ کر اُس طرف گیا جس طرف خنجر گیا اور نیر آیا تھا۔ وہاں سوڈانی اپنی شہ رگ سے خنجر نکال رہا تھا۔ اُس نے خنجر نکال لیا اور اٹھا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر کہ وہ حملہ کرے گا عطاالہاشم نے اُچھل کر اس کے پہلو میں دونوں پاؤں جوڑ کر مارے۔ سوڈانی دور جا پڑا۔ عطاالہاشم بھی گرا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ سوڈانی نہ اٹھ سکا۔ اس کی شہ رگ سے خون اُبل اُبل کر نکل رہا تھا۔ عطاالہاشم نے خنجر اٹھایا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی کے سینے میں اپنے ہی ساتھی اور محافظ کا تیر لیے الیسنان سے پڑی تھی۔ وہ ابھی زندہ تھی۔ تیر نکالنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

لڑکی نے عطاالہاشم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کراہتی ہوئی آواز میں بولی ــــ "میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ اس کے عوض اپنے خدا سے کہنا کہ میری روح کو اپنی پناہ میں لے لے۔ میرے جسم کی طرح میری روح بھی ان صحراؤں میں نہ بھٹکتی رہے۔ میری عمر گناہوں میں گزری ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ خدا اس ایک نیکی کے بدلے میرے سارے گناہ بخش دے گا۔ میرے سر پر اُسی طرح ہاتھ پھیرو جس طرح اپنی بیٹی کے سر پر پھیرا کرتے ہو۔"

عطاالہاشم نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا ــــ "اللہ تیرے گناہ بخش دے، تجھ سے گناہ کروائے گئے ہیں تو بے گناہ ہے۔ تجھے کسی نے نیکی کی روشنی دکھائی ہی نہیں۔"

لڑکی نے درد کی شدت سے کراہتے ہوئے عطاالہاشم کا ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا اور بڑی تیزی سے بولنے لگی۔ اُس نے کہا ــــ "یہاں سے تین کوس دور سوڈانیوں کا ایک اڈہ ہے۔ وہ لوگ آپ سب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور فوری طور سے۔ آپ کی فوج اتنی زیادہ پھیل گئی ہے کہ اس کی قسمت میں اب موت یا قید ہے۔ آپ کے ہر ایک کمانڈر اور ہر ایک ٹولی کے پیچھے مجھ جیسی لڑکیاں یا مرد لگے ہوئے ہیں۔ میں اس لڑکی کے ساتھ آپ کے چار کمانڈروں کو پھانس کر ختم کرا چکی ہوں۔ معرکہ فکر کرد۔ صلیبیوں نے وہاں بڑے ہی خطرناک اور خوبصورت جال بچھا دیئے ہیں۔ آپ کی قوم اور فوج میں ایسے مسلمان حاکم موجود ہیں جو صلیبیوں کے تنخواہ دار جاسوس اور اُن کے وفادار ہیں۔ انہیں مجھ جیسی لڑکیاں اور بے پناہ دولت دی جا رہی ہے۔ معرکہ بحیرہ سوڈان سے نکل جاؤ۔ اپنے غلاموں کو پکڑو۔ میں کسی کا نام نہیں جانتی جو معلوم تھا بتا دیا ہے۔ آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے بیٹی کہا ہے۔ آپ نے مجھے باپ کا پیار دیا ہے۔ میں اس کا معاوضہ یہی دے سکتی ہوں کہ آپ کو خطروں سے آگاہ کر دوں۔ اپنے بکھرے ہوئے دستے کو اکٹھا کرو اور حملہ روکنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دو تین دنوں میں آپ پر حملہ ہوگا۔ فاطمیوں اور ذائیوں سے بچو۔ انہوں نے معرکہ میں بہت سے ایسے حاکموں کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا ہے جو صلاح الدین ایوبی اور اپنی قوم کے وفادار ہیں۔"

لڑکی کی آواز ڈوبنی اور رکتی گئی اور ایک لمبے سانس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئی۔ جیسے خلوص ہوئی تو عطاالہاشم دونوں لاشوں اور زندہ لڑکی کو ساتھ لے کر تقی الدین کے پاس چلا گیا۔ اُسے سارا واقعہ سنایا اور لڑکی کی آخری باتیں بھی سنائیں۔ تقی الدین پہلے ہی پریشان تھا۔ وہ سٹپٹا اٹھا۔ اس نے کہا ــــ "اپنے بھائی کی اجازت اور ہدایت کے بغیر میں پسپا نہیں ہونا چاہتا۔ میں نے ایک ذمہ دار ذہین کمانڈر کو کرک بھیجا ہے۔ اس کی واپسی تک ثابت قدم رہو۔"

☆

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کی بیان کی ہوئی جنگی صورتِ حال پر غور کیا تو اپنے مشیروں کو بُلا کر انہیں بھی تفصیل سنائی۔ اُس نے کہا ــــ "بکھری ہوئی فوج کو یکجا کر کے پیچھے ہٹانا آسان کام نہیں۔ دشمن انہیں یکجا نہیں ہونے دے گا۔ پسپائی سے اس فوج کے جذبے پر بھی بُرا اثر پڑے گا جو مصر میں ہے اور جو یہاں میرے ساتھ ہے اور قوم کا دل ٹوٹ جائے گا، مگر حقائق سے فرار بھی ممکن نہیں۔ اپنے آپ کو فریب دینا بھی خطرناک ہے۔ حقائق کا تقاضہ یہ ہے کہ تقی الدین اپنی فوج کو واپس لے آئے۔ ہم اُسے کمک نہیں دے سکتے۔ ہم کرک کا محاصرہ اٹھا کر اُس کی مدد کو نہیں پہنچ سکتے۔ میرے بھائی نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ بڑی ہی قیمتی فوج ضائع ہو رہی ہے۔"

"یہ ذاتی وقار کا مسئلہ نہیں بننا چاہیئے" ــــ ایک اعلیٰ حاکم نے کہا ــــ "ہمیں سوڈان کی جنگ سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ قائدین اور حکام کے غلط فیصلوں سے فوج بدنام ہو رہی ہے۔ ہمیں قوم کو صاف الفاظ میں بتا دینا چاہیئے کہ سوڈان میں ہماری ناکامی کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں ہوتی۔"

"بلاشبہ یہ میرے بھائی کی غلطی ہے" ــــ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "اور یہ میری غلطی بھی ہے کہ میں نے تقی الدین

کو ہدایت دی تھی کہ حالات کے مطابق وہ جو کارروائی مناسب سمجھے مجھ سے پوچھے بغیر کر گزرے۔ اُس نے اتنی بڑی کارروائی حقائق کا جائزہ لیے بغیر کر دی اور اپنے آپ کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ میں اپنی اور اپنے بھائی کی لغزشوں کو اپنی قوم سے اور نورالدین زنگی سے چھپاؤں گا نہیں۔ میں تاریخ کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ میں اپنے کارنامے میں تحریر کراؤں گا کہ اس شکست کی ذمہ دار فوج نہیں ہم تھے۔ ورنہ ہماری تاریخ کو آنے والے حکمران ہمیشہ دھوکہ دیں گے۔ میں سلطنتِ اسلامیہ کے آنے والے حکمرانوں کے لیے یہ نشان قائم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی لغزشوں پر پردہ ڈال کر بے گناہوں کو تاریخ میں ذلیل نہ کریں۔ یہ ایسی غلطی اور ایسا فریب ہے جو کرۂ ارض پر اسلام کو پھیلنے کی بجائے سکڑنے پر مجبور کرے گا۔"

سلطان ایوبی کا چہرہ لال ہو گیا۔ اُس کی آواز کانپنے لگی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اپنی زبان سے پسپائی کا لفظ کہنا نہیں چاہتا۔ وہ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا۔ اُس نے بڑے ہی مشکل حالات میں جنگیں لڑی تھیں مگر اب حالات نے اُسے مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے تقی الدین کے بھیجے ہوئے کمانڈر سے کہا ــــ "تقی الدین سے کہنا کہ اپنے دستوں کو سمیٹو اور انہیں تھوڑی تھوڑی نفری میں پیچھے بھیجو۔ جہاں دشمن تعاقب میں آئے وہاں جم کر لڑو اور اس انداز سے لڑو کہ دشمن تمہارے تعاقب میں مصر میں داخل نہ ہو جائے۔ دستے جو مصر میں پہنچ [illegible] میں اکٹھا رہنے کا حکم دو تاکہ مصر پر دشمن حملہ کرے تو اسے روک سکو۔ محفوظ پسپائی کے لیے چھاپہ ماروں کو استعمال کرو۔ کسی دستے کو دشمن کے گھیرے میں چھوڑ کر نہ آنا۔ میں پسپائی بڑی مشکل سے برداشت کر رہا ہوں، میں یہ خبر برداشت نہیں کر سکوں گا کہ تمہارے کسی دستے نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ پسپائی آسان نہیں ہوتی۔ پیش قدمی کی نسبت محفوظ اور باعزت پسپائی بہت مشکل ہے۔ حالات پر نظر رکھنا۔ تیز رفتار قاصدوں کی ایک فوج اپنے ساتھ رکھنا۔ میں تحریری پیغام نہیں بھیج رہا کیوں کہ خطرہ ہے کہ تمہارا قاصد راستے میں پکڑا گیا تو دشمن کو معلوم ہو جائے گا کہ تم پسپا ہو رہے ہو۔"

سلطان ایوبی نے قاصد کمانڈر کو بہت سی ہدایات دیں اور اسے رخصت کر دیا۔ اس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز ابھی سنائی دے رہی تھی کہ زلہان خیمے میں داخل ہوا اور کہا کہ قاہرہ سے ایک قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اسے اندر بلا لیا۔ وہ انٹیلی جنس کا عہدیدار تھا۔ وہ مصر کے اندرونی حالات کے متعلق حوصلہ شکن خبر لایا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہاں دشمن کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ علی بن سفیان اپنے پورے محکمے کے ساتھ شب و روز مصروف رہتا ہے۔ حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ فوجی بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔

سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ ایک بار تو اڑ ہی گیا۔ اگر صرف مصر کا غم ہوتا تو وہ پروا نہ کرتا۔ اُس نے مصر کو بڑے ہی خطرناک حالات سے بچایا تھا۔ صلیبیوں اور فاطمیوں کی تخریب کاری کی بڑی ہی کاری ضربیں بیکار کی تھیں۔ سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا بڑا ہی شدید حملہ روکا تھا۔ خلیفہ تک کو معزول کرنے کے نتائج کا سامنا دلیری اور کامیابی سے کیا تھا مگر اب کرک کو محاصرے میں لے کر وہ وہاں پابجولاں ہو گیا تھا۔ وہاں سے اُس کی غیر حاضری میں ایوبی جنگ کا پانسہ اُس کے خلاف پلٹ سکتی تھی۔ کرک کے محاصرے کے علاوہ اُس نے قلعے کے باہر صلیبیوں کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ یہ فوج گھیرا توڑنے کی کوشش میں حملے پہ حملے کیے جا رہی تھی۔ وہاں خونریز جنگ لڑی جا رہی

تھی۔ سلطان ایوبی اپنی خصوصی چالوں سے دشمن کے لیے آفت بنا ہوا تھا۔ ایسی جنگ اس کی نگرانی کے بغیر نہیں لڑی جا سکتی تھی۔

اُدھر سوڈان کی صورتِ حال نے بھی مصر کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ یہ ایک اضافی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ تقی الدین نے بھاگنے کے انداز سے پسپائی کی تو دشمن کی فوج اس کی فوج کو وہیں ختم کر دے گی اور سیدھی مصر میں داخل ہو جائے گی۔ مصر میں جو فوج تھی وہ حملہ روکنے کے لیے کافی نہیں تھی۔ ادھر کرک کے محاصرے کی کامیابی یا جلدی کامیابی مخدوش نظر آ رہی تھی۔ دونوں محاذوں کی کیفیت میں مصر میں بغاوت کے خطرے کی خبر ایسی چوٹ تھی جس نے سلطان ایوبی کے پاؤں ہلا دیئے۔ وہ کچھ دیر سر جھکائے ہوئے خیمے میں ٹہلتا رہا، پھر اُس نے کہا ــــ "میں صلیبیوں کی تمام تر فوج کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ اُس فوج کا بھی جو انہوں نے یورپ میں جمع کر رکھی ہے مگر میری قوم کے یہ چند ایک غدار مجھے شکست دے رہے ہیں۔ کفار کے یہ حواری اپنے آپ کو مسلمان کیوں کہلاتے ہیں؟ وہ غالباً جانتے ہیں کہ انہوں نے مذہب تبدیل کر لیا تو عیسائی انہیں یہ کہہ کر دھتکار دیں گے کہ تم غدار ہو، ایمان فروش ہو، اپنے مذہب میں رہو، ہم سے اُجرت لو اور اپنی قوم سے غداری کرو" ــــ وہ خاموش ہو گیا۔ اُس کے خیمے میں جو افراد موجود تھے وہ بھی خاموش تھے۔ سلطان ایوبی نے سب کو باری باری دیکھا اور کہا ــــ "خدا ہم سے بڑا ہی سخت امتحان لینا چاہتا ہے۔ اگر ہم سب ثابت قدم رہے تو ہم خدا کے حضور سرخرو ہوں گے۔"

اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یہ بات کہہ دی لیکن اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اُس پر کیسا بوجھ طاری ہے جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

☆

سلطان ایوبی کو اتنا ہی بتایا گیا تھا کہ مصر میں بغاوت کا خطرہ ہے اور صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے۔ اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ تفصیلات بڑی ہی خوفناک تھیں۔ اُس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمان حکام میں سے تین چار صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تو چند دن بعد اُس نے رسد مانگی۔ قاصد نے کہا تھا کہ زیادہ سے زیادہ رسد فوراً بھیج دی جائے مگر دو روز تک کوئی انتظام نہ کیا گیا۔ جو حاکم رسد کی فراہمی اور ترسیل کا ذمہ دار تھا، اُس سے باز پرس ہوئی تو اُس نے یہ استعفیٰ کیا کہ بیک وقت دو محاذ کھول دیئے گئے ہیں۔ دو محاذوں کو رسد کہاں سے دی جا سکتی ہے۔ ایک ہی طریقہ ہے کہ مصر میں جو فوج ہے، اُسے بھوکا رکھا جائے، بازار سے سارا اناج اٹھا کر قاہرہ کے باشندوں کے لیے قحط پیدا کیا جائے اور محاذوں کا پیٹ بھرا جائے۔

یہ ایک اعلیٰ رُتبے کا حاکم تھا، مسلمان تھا اور سلطان ایوبی کے مصاحبوں میں سے بھی تھا۔ اس کی نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی بات سچ مان لی گئی کہ اناج وغیرہ کی واقعی کمی ہے۔ تاہم اسے کہا گیا کہ جس طرح ہو سکے محاذ پر لڑنے والے فوجیوں کو رسد ضرور پہنچے۔ اس حاکم نے انتظام کر دیا مگر دو اور دن ضائع کر دیئے۔ پانچویں روز رسد کا قافلہ روانہ ہوا۔ یہ اونٹوں اور خچروں کا بڑا ہی لمبا قافلہ تھا۔ مشورہ دیا گیا کہ قافلے کے ساتھ فوج کا ایک گھوڑ سوار دستہ حفاظت کے لیے بھیجا جائے۔ اسی حاکم نے جو رسد فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا فوج کا دستہ بھیجنے پر اعتراض کیا اور جواز یہ پیش کیا کہ تمام

رستہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ مصر میں فوج کی ضرورت ہے۔ چنانچہ رسد حفاظتی دستے کے بغیر بھیج دی گئی۔ روانگی کے چھ روز بعد صلاح الدین ایوبی کو رسد سے بھری ہوئی (سوڈان میں) دشمن کی گھات میں آ گئی ہے۔ سوڈانی، رسد کے محافظوں کو مار کے گئے ہیں اور انہوں نے تمام شتربانوں کو قتل کر دیا ہے۔

قاہرہ پہنچ کر سرکاری حکام پریشان ہو گئے۔ رسد کا ضائع ہو جانا معمولی سی چوٹ نہیں تھی سوڈانی میدانِ جنگ میں فوج کی ضرورت کا احساس اُن کی پریشانی میں اضافہ کر رہا تھا۔ انہوں نے زمہ دار حاکم سے کہا کہ وہ فوری طور پر اتنی ہی رسد کا انتظام کرے۔ اُس نے کہا کہ منڈی میں اناج کی قلت ہو گئی ہے۔ تاجروں سے کہا جائے کہ اناج مہیا کریں۔ تاجروں سے بات ہوئی تو انہوں نے اپنے گودام کھول کر دکھا دیئے۔ سب خالی تھے۔ گوشت کے لیے ایک بھی دُنبہ، گائے یا کوئی اور جاندار نظر نہیں آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ مصر میں جو فوج ہے اُسے بھی پورا راشن نہیں مل رہا جس سے فوجوں میں بے اطمینانی پھیل رہی ہے۔ تاجروں نے بتایا کہ دیہات سے مال آ ہی نہیں رہا۔ علی بن سفیان کی جاسوسی کا انتظام بڑا اچھا تھا۔ یہ انکشاف جلدی ہو گیا کہ باہر کے لوگ دیہات میں آتے ہیں اور وہ اناج اور بکرے وغیرہ منڈی کی نسبت زیادہ داموں خرید لے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اناج وغیرہ ملک سے باہر جا رہا تھا۔ تب سب کو یاد آیا کہ تین چار سال قبل سلطان ایوبی نے مصر کی پہلی فوج کو جس میں سوڈانی باشندوں کی اکثریت تھی، بغاوت کے جرم میں توڑ دیا تھا۔ اس کے افسروں اور سپاہیوں کو سزا کے ساتھ ساتھ قابلِ کاشت اراضی دے کر کاشتکار بنا دیا تھا۔ وہ لوگ اب بھی سرکار کو اور منڈیوں کو اناج دیتے ہی نہیں تھے۔ یہ سوڈان پر حملے کا ردِ عمل تھا۔ یہ انقلاب چھ سات دنوں میں آ گیا تھا۔ اناج کی فراہمی کا کام فوج کو سونپا گیا۔ دن رات کی بھاگ دوڑ سے تھوڑا سا اناج ہاتھ آیا جو فوج کی حفاظت میں سوڈان کے محاذ کو روانہ کر دیا گیا۔

جنگی احکام کے لیے رسد کا مسئلہ بہت ٹیڑھا ہو گیا۔ اس سے پہلے ایسی قلت کبھی نہیں ہوئی تھی۔ انہیں یہ ڈر بھی تھا کہ سلطان ایوبی نے رسد کا مانگ لی تو کیا جواب دیں گے۔ سلطان ایوبی کبھی بھی تسلیم نہیں کرے گا کہ مصر میں اناج کا قحط پیدا ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے تین حکام کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ ان میں انتظامیہ کے بڑے عہدے کا ایک حاکم، سلیم الادریس تھا۔ اُس روز کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق الادریس اس کمیٹی کا سربراہ تھا۔ دوسرے دو اس سے ایک تہائی عہدے کے غیر فوجی یعنی شہری انتظامیہ کے حاکم تھے۔ رات کے وقت یہ تینوں پہلے اجلاس میں بیٹھے تو دو نے الادریس سے کہا کہ سلطان ایوبی نے دو محاذ کھول کر سخت غلطی کی ہے اور تقی الدین ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا ہے۔

"فلسطین مسلمانوں کی سرزمین ہے" — الادریس نے کہا — "وہاں سے صلیبیوں کو نکالنا ضروری ہے۔ وہاں مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہاں مسلمان مستورات کی عزت محفوظ نہیں۔ مسجدیں اصطبل بن گئی ہیں۔"

"یہ سب بہتان ہے" — ایک نے کہا — "کیا آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ صلیبی مسلمانوں پر ظلم و تشدد کر رہے ہیں؟"

"میں ایک کھلی حقیقت بیان کر رہا ہوں" — سلیم الادریس نے کہا۔

"ہم سے حقیقت چھپائی جا رہی ہے" — دوسرے نے کہا — "صلاح الدین ایوبی ناقابلِ تسخیر ہے لیکن آپس میں یہ بات کرنے سے ہمیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ ایوبی کو ملک گیری کی ہوس چین سے بیٹھنے نہیں دے رہی۔ وہ ایوبی خاندان کو شاہی خاندان بنانا چاہتا ہے۔ صلیبیوں کی فوج ایک طوفان ہے۔ ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر صلیبی ہمارے دشمن ہوتے تو وہ فلسطین کی بجائے مصر پر قبضہ کرتے۔ اُن کے پاس اتنی زیادہ فوج ہے کہ ہماری اس چھوٹی سی فوج کو اب تک کچل چکے ہوتے۔ وہ ہمارے نہیں صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں۔"

"آپ کی باتیں میرے لیے ناقابلِ برداشت ہیں" — الادریس نے کہا — "بہتر ہے کہ ہم جس مقصد کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں، اس کے متعلق بات کریں۔"

"یہ باتیں میرے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہیں" — ایک نے کہا — "لیکن ایک آدمی کی خواہشات پر ہمیں پوری قوم کے مفاد کو قربان نہیں کرنا چاہیے۔ آپ دونوں محاذوں کے لیے رسد کی بات کرنا چاہتے ہیں۔ رسد کی حالت آپ نے دیکھ لی ہے کہ نہیں مل رہی۔ سوڈان کا محاذ ٹوٹ رہا ہے۔ میں نے یہ سوچا ہے کہ ہم اس محاذ کی رسد بند کر دیں۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تقی الدین پیچھے ہٹ آئے گا اور فوج مرنے سے بچ جائے گی۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم رسد نہ بھیجیں تو تقی الدین مجبوری کے عالم میں گھیرے میں آ جائے" — الادریس نے کہا۔

"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہماری فوج دشمن کے آگے ہتھیار ڈال دے۔"

"ڈال دے ہتھیار" — اُس نے کہا — "ہم شکست کا الزام فوج کے سر تھوپ دیں گے۔"

"آپ کیا سوچ کر یہ باتیں کر رہے ہیں؟" — سلیم الادریس نے پوچھا۔

"میری سوچ بڑی صاف ہے۔" اُس نے جواب دیا۔ "صلاح الدین ایوبی ہم پر نوبی حکومت ٹھونسنا چاہتا ہے۔ وہ صلیبیوں سے مسلسل محاذ آرائی کر کے قوم کو بتانا چاہتا ہے کہ قوم کی سلامتی کی ضامن صرف فوج ہے، اور قوم کی قسمت فوج کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایوبی اس پسند ہوتا تو صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ جنگ نہ کرتے اور صلح جوئی سے بنے کا معاہدہ کر لیتا۔"

الادریس سٹپٹا اٹھا۔ وہ سلطان ایوبی کے خلاف اور صلیبیوں کی حمایت میں کوئی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔ بحث میں گرما گرمی ہو گئی۔ کمیٹی کے باقی دو ممبر اُسے بات بھی نہیں کرنے دے رہے تھے۔ اُس نے آخر تنگ آ کر کہا — "میں اجلاس برخاست کرتا ہوں۔ کل ہی میں آپ کی رائے اور تجاویز تلبند کر کے محاذ پر امیرِ مصر کو بھیج دوں گا" — وہ غصے میں اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک ممبر وہاں سے چلا گیا۔ دوسرا جس کا نام ارسلان تھا الادریس کے ساتھ رہا۔ ارسلان کا شجرۂ نسب سوڈانیوں سے ملتا تھا۔ اُس نے الادریس سے کہا — "آپ شخصیت پرست اور جذباتی مسلمان ہیں۔ میں نے حقیقت بیان کی اور آپ نالاں ہو گئے۔ میں اب آپ کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ میرے خلاف صلاح الدین ایوبی کو کچھ نہ لکھنا۔ آپ کے لیے اچھا نہ ہوگا" — اُس کے لہجے میں چیلنج اور دھمکی تھی۔ الادریس نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو ارسلان نے کہا۔ "اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے ساتھ علیحدگی میں بات کروں گا۔"

...یں کرو۔" ادریس نے کہا۔

"میرے گھر چلیں۔" ارسلان نے کہا۔ "کھانا میرے ساتھ کھائیں مگر یہ خیال رکھیں کہ یہ ملاقات ایک راز ہوگی۔"

ادریس اُس کے ساتھ اُس کے گھر چلا گیا۔ اندر گیا تو اُسے یوں لگا جیسے کسی بادشاہ کے محل میں آگیا ہو۔ ارسلان اتنی زیادہ اونچی حیثیت کا حاکم نہیں تھا۔ دونوں کمرے میں بیٹھے ہی تھے کہ ایک خوبصورت لڑکی نہایت خوبصورت صراحی اور چاندی کے دو پیالے چاندی کے ٹرے تھال میں رکھے ہوئے اندر آئی اور اُن کے آگے رکھ دیا۔ ادریس نے پوچھا۔

جان لیا کہ یہ شراب ہے۔ اُس نے پوچھا۔ "ارسلان! تم مسلمان ہو اور شراب پیتے ہو؟" ارسلان مسکرایا اور بولا۔

"ایک گھونٹ پی کر آپ اس حقیقت کو سمجھ جائیں گے جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔"

دو سوڈانی حبشی اندر آئے۔ اُن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی شمشیریں تھیں۔ کھانا لگ چکا تو ادریس حیرت سے ارسلان کو دیکھنے لگا۔ ارسلان نے کہا۔ "حیران نہ ہوں محترم ادریس! یہ شان و شوکت آپ کو بھی مل سکتی ہے۔ میں بھی آپ کی طرح پریشان حال آدمی تھا مگر اب اس طرح کی دو لڑکیاں میرے گھر میں ہیں۔ دمشق اور بغداد کے امیروں وزیروں کے گھروں میں جا کر دیکھو۔ انہوں نے اس طرح کی حسین اور جوان لڑکیوں سے حرم بھر رکھے ہیں۔ وہاں شراب بہتی ہے۔"

"یہ رشوت ہے، یہ دولت اور یہ شراب صلیبیوں کی کرم فرمائیاں ہیں۔" ادریس نے کہا۔ "عورت اور شراب نے سلطنت اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں۔"

"آپ صلاح الدین ایوبی کے الفاظ میں باتیں کرتے ہیں۔" ارسلان نے کہا۔ "یہی آپ کی بدنصیبی ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" ادریس نے جھنجھلا کر پوچھا۔ "مجھے شک ہے کہ تم صلیبیوں کے جال میں آگئے ہو۔"

"میں فوج کا مذہب نہیں بنانا چاہتا۔" ارسلان نے کہا۔ "میں فوج کو غلام بنانا چاہتا ہوں۔ اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سوڈان میں حبشی مجاہدین کو رسد اور کمک نہ دی جائے۔ اُسے دھوکہ دیا جائے کہ کمک آرہی ہے۔ اُسے جھوٹی اُمیدوں پر جینے دیا جائے۔ جونہی زرہ بکتر اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ ظاہر ہے سوڈانی اُسے قتل کر دیں گے اور اُس کی فوج ہمیشہ کے لیے وجود ختم ہو جائے گی۔ ہم فوج کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرا کر اُسے قوم کی نظروں میں ذلیل کر دیں گے۔ پھر قوم صلاح الدین ایوبی کی فوج سے بھی متنفر ہو جائے گی۔۔۔۔ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔ آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ میں آپ کو اتنا اور ایسا معاوضہ دے سکتا ہوں جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"میرا مذہب بکنے کو کہہ رہے ہو۔" ادریس نے کہا۔ "تم مجھ سے ایمان فروشی کرانا چاہتے ہو۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔"

بہت دیر کی بحث اور تکرار کے بعد ادریس نے کہا۔ "تم اتنی خطرناک باتیں اتنی دلیری سے کس طرح کر سکتے ہو؟ میں جانتا ہوں میں تمہیں گرفتار کرکے سزائے موت دلا سکتا ہوں۔"

"کیا تمہیں یہ شک نہیں گزرا کہ آپ مجھ پر بھروسا کرنے کا الزام عائد کر رہے ہیں؟" ارسلان نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی جیسے فرد کا ایک لفظ نہیں سنتے؟"

ادریس بیٹھا اٹھا۔ وہ یہ جان گیا تھا کہ اتنے بڑے عہدے کا حاکم کس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ وہ اصل ادریس نہیں تھا۔ وہ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ایمان، نہ یتیم خانے، نہ عزت، نہ جائیداد، نہ پنشنوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ اُس کے پاس ارسلان کو پابند کرنے اور اپنا دوست بنانے کا ایک ہی راستہ تھا۔ وہ یہ کہ ارسلان کے عہدے سے زیادہ بڑے عہدے کا حاکم تھا۔ اس لیے ارسلان سے کہا۔ "میں جانتا ہوں تم یہ سمجھتے ہو اور تم کیا کر رہے ہو۔ تم جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو اس کی سزا موت ہے۔ میں تمہیں یہ رعایت دیتا ہوں کہ سات روز کے اندر اپنا رویہ درست کر لو اور دشمن سے تعلقات توڑ کر مجھے یقین دلاؤ کہ تم خلوص دل سے اپنی قوم کے وفادار ہو۔ میں تمہیں رسد کی ذمہ داری سے سبکدوش کرتا ہوں۔ یہ انتظام ہم خود کریں گے۔ اگر مجھے ضرورت محسوس ہوئی تو میں تمہیں اس محل میں جو تمہیں صلیبیوں نے بنا دیا ہے نظر بند کر دوں گا۔ سات دن پوری ہونے میں ایک رات باقی ہے۔ تم یہاں سے ایسا نہ ہو کہ آٹھویں روز تمہیں جلاد یہاں سے نکالے۔"

ادریس اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ ارسلان مسکرا رہا تھا۔ ارسلان نے کہا۔ "محترم ادریس! آپ سے دو بیٹے ہیں۔ دونوں نوجوان ہیں۔"

"ہاں!" ادریس نے کہا اور پوچھا۔ "کیا ہے میرے بیٹوں کو؟"

"کچھ نہیں!" ارسلان نے کہا۔ "میں آپ کو یاد دلا رہا ہوں کہ آپ کے دو جوان بیٹے ہیں اور آپ کی کُل اولاد ہے۔"

ادریس اس اشارے کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے کہا۔ "شراب نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔" اور باہر نکل گیا۔

☆

ارسلان کے گھر سے نکل کر ادریس علی بن سفیان کے گھر چلا گیا اور اُسے ارسلان کی باتیں سنائیں۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ارسلان اُس کی مشتبہ فہرست میں ہے لیکن اُس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ملا۔ تاہم وہ جاسوسوں کی نظر میں ہے۔ ادریس بہت پریشان تھا اور حیران بھی کہ ارسلان اتنی دلیری سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ اکیلا نہیں، غداری منظم طریقے سے ہو رہی ہے۔ اس کے جراثیم فوج میں بھی پھیلا دیئے گئے ہیں۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ سوڈان کے محاذ کے لیے رسد کا تھا۔ ادریس نے اُسے بتایا کہ اُس نے ارسلان کو اس ذمہ داری سے سبکدوش کر دیا ہے اور رسد کا انتظام اب خود کرتا ہے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ ایک سازش کے تحت دیہات سے اناج اور مویشی وغیرہ سرحد سے باہر بھجوائے جا رہے ہیں۔ منڈی میں غلے اور دیگر سامانِ خورد و نوش کا مصنوعی قحط پیدا کر دیا گیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے اپنے جاسوسوں اور مخبروں کو یہ کام دے رکھا ہے کہ رات کو اِدھر اُدھر گھومتے رہا کریں۔ جہاں کہیں اناج کی ایک بوری بھی جاتی نظر آئے پکڑ لیں۔ طویل بات چیت کے بعد انہوں نے رسد کے انتظام کا کوئی طریقہ سوچ لیا۔

سلیم ادریس اس قومی مہم اور اپنے فرائض میں اس قدر مگن تھا کہ اُس کے ذہن سے ارسلان کا یہ اشارہ محو

گیا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں اور یہی تمہاری کل اولاد ہے۔ اور یہیں کو اپنے بیٹوں کے کردار پر بھروسہ تھا مگر جوانی اندھی ہوتی ہے۔ قاہرہ میں سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں بدکاری کی ایک لہر آئی تھی جس نے نوجوان ذہن کو لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔ دو تین سال پہلے بھی ایسی ہی ایک لہر آئی تھی جس پر جلدی ہی قابو پا لیا گیا تھا۔ اب یہ لہر زمین کے نیچے سے آئی اور کام کر گئی۔ یہ مختلف کھیل تماشوں کی صورت میں آئی جن میں شعبدہ بازی اور کھیلوں کی صورت میں جوا بازی شامل تھی۔ یہ لوگ خیمے اور شامیانے تان کر تماشہ دکھاتے تھے جس میں کچھ بھی قابلِ اعتراض نہیں تھا، مگر شامیانوں کے اندر خفیہ خیمے تھے جہاں اکیلے اکیلے نوجوان کو اشارے سے بلایا جاتا تھا۔ ان سے پیسے لے کر پردوں پر بنی ہوئی دستی تصویریں دکھائی جاتی تھیں۔ یہ عریاں اور بے حد فحش تصویریں تھیں جو مصوروں نے بڑی محنت سے بنائی تھیں۔ تصویریں دکھانے کا کام لڑکیاں کرتی تھیں جن کی مسکراہٹ اور انداز میں دعوتِ گناہ ہوتی تھی۔

وہیں نوجوانوں کو تھوڑی تھوڑی حشیش پلائی جاتی تھی۔ یہ شرمناک اور خطرناک سلسلہ زمین کے اوپر چل رہا تھا مگر اسے پکڑ کوئی نہیں سکتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کوئی یہ تصویریں دیکھ کر یا حشیش کا ذائقہ چکھ کر آتا تھا، وہ اپنے گناہ کو چھپائے رکھتا تھا۔ اس گناہ میں لذت ایسی تھی کہ جانے والے بار بار جاتے تھے۔ وہ اس لیے بھی باہر کسی سے ذکر نہیں کرتے تھے کہ حکومت تک بات پہنچ گئی تو انہیں اس نشہ آور لذت سے محروم کر دیا جائے گا۔ اس لذت پرستی کا شکار نوجوان اور فوجی ہو رہے تھے۔ اُن کے لیے درپردہ تہہ خانے بھی کھول دیئے گئے۔ کردار کشی کی یہ مہم کس قدر کامیاب تھی:۔۔۔ اس کا جواب کرک کے قلعے میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس اور نفسیاتی جنگ کا ماہر جرمن نژاد ہرمن اپنے حکمرانوں کو ان الفاظ میں دے رہا تھا۔

"سپین کے مصوروں نے یہ جو تصویریں بنائی ہیں، یہ لوہے کے بنے ہوئے مردوں کو بھی مٹی کے بُت بنا دیتی ہیں۔" اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کی ایک نقش تصویر حاضرین کو دکھائی۔ یہ بڑے سائز کی تصویر تھی جو برش سے دلکش رنگوں میں بنائی گئی تھی۔ صلیبی حکمرانوں نے تصویر دیکھ کر ایک دوسرے کے ساتھ ننگے مذاق شروع کر دیئے۔ ہرمن نے کہا۔ "میں نے ایسی بے شمار تصویریں بنوا کر مصر کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی خفیہ نمائش کا انتظام کر دیا ہے۔ وہاں سے ہماری کامیابی کی اطلاعیں آ رہی ہیں۔ میں نے قاہرہ کی نوجوان نسل میں حیوانی جذبہ بھڑکا دیا ہے۔ یہ ایسا فاتح جذبہ ہے جو مشتعل ہو جائے تو تمام انسانی جذبوں کو جن میں قومی جذبہ خاص طور پر شامل ہے، تباہ کر دیتا ہے۔ ان تصویروں نے مصر میں تعینات مسلمان فوج کو ذہنی اور اخلاقی لحاظ سے بیکار کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان تصویروں کی لذت نشہ بھی مانگتی ہے۔ اس کا انتظام بھی کر دیا ہے۔ میرے تخریب کاروں اور جاسوسوں کے گروہ نے صحرائی لڑکیوں کی پوری فوج قاہرہ اور دوسرے قصبوں میں داخل کر دی ہے۔ یہ لڑکیاں دیمک کی طرح صلاح الدین کی قوم اور فوج کو کھا رہی ہیں۔ وہ جو بات کچھ اور نہیں جب میری مہم قاہرہ میں پکڑی گئی تھی۔ اب میں نے کچھ اور طریقے آزمائے ہیں جو کامیاب ہو رہے ہیں۔ اب وہاں کے مسلمان خود میری مہم کی حفاظت کریں گے اور اسے تقویت دیں گے۔ وہ اس ذہنی عیاشی کے عادی ہو گئے ہیں۔ تھوڑے ہی عرصے بعد میں اُن کے ذہنوں میں

اُن کی اپنی ہی قوم اور اپنے ہی ملک کے خلاف زہر بھرنا شروع کر دوں گا۔"

"صلاح الدین ایوبی بہت ہوشیار آدمی ہے۔" حاضرین سے کسی نے کہا۔ "وہ تمہاری مہم کو بڑے اکھاڑ دے گا۔"

"اگر وہ مصر پہنچا تو۔۔۔۔" ہرمن نے کہا۔ "اس سوال کا جواب آپ خود دے سکتے ہیں کہ آپ اُس کی مہم کامیاب ہونے دیں گے یا نہیں۔ بے شک اُس نے ریمانڈ کی فوج کو قلعے سے باہر گھیرے میں لے رکھا ہے اور قلعہ اُس کے محاصرے میں ہے لیکن یہ گھیرا اور یہ محاصرہ اسی کے لیے نقصان کا باعث بن سکتا ہے۔ آپ یہاں سے کمک نہ بھیجیں۔ ایوبی کو محاصرہ کیے رکھنے دیں تاکہ وہ یہیں پابند رہے اور مصر نہ جا سکے۔ سوڈان میں ہمارے کمانڈروں نے تقی الدین کی فوج کو نہایت کامیابی سے بکھیر دیا ہے۔ وہ اب نہ لڑ سکتا ہے نہ وہاں سے نکل سکتا ہے۔ مصر کی منڈیوں کا اور وہاں کی کھیتیوں کا غلہ میں نے غائب کرا دیا ہے۔ آپ کی دی ہوئی دولت آپ کو پورا سود دے رہی ہے۔ ایوبی کا ایک وفادار حاکم ارسلان دراصل آپ کا وفادار ہے۔ وہ ہمارے ساتھ پورا تعاون کر رہا ہے۔ اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہمارے ساتھ ہیں۔"

"ارسلان کو کتنا معاوضہ دیا جا رہا ہے؟" فلپ آگسٹس نے پوچھا۔

"جتنا ایک مسلمان حاکم کا دماغ خراب کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔" ہرمن نے جواب دیا۔ "عورت اور شراب دولت اور حکومت کا نشہ کسی بھی مسلمان کا ایمان خرید سکتا ہے۔ وہ میں نے خرید لیا ہے۔۔۔۔ میں آپ کو یہ بتا رہا تھا کہ اب صلاح الدین ایوبی مصر جائے گا تو اسے وہاں کی دنیا بدلی ہوئی نظر آئے گی۔ وہ جس نوجوان نسل کی بات فخر سے کیا کرتا ہے وہ مسلمان ہوتے ہوئے اسلام کے لیے بیکار ہو گی۔ اس کی سوچیں اور اس کا کردار ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔ یہ نسل جنسی جذبے کی ماری ہوئی ہو گی۔ یہی حال اس فوج کا ہو گا جسے وہ مصر میں چھوڑ آیا ہے۔ اس فوج میں میرے تخریب کاروں نے اتنی زیادہ بے اطمینانی پھیلا دی ہے کہ وہ بغاوت سے بھی گریز نہیں کرے گی۔ میں آج یہ دعوے وثوق سے کر سکتا ہوں کہ آپ سے پہلے میں اپنا محاذ ختم کر چکا ہوں گا۔ دشمن کے کردار اور اخلاق کو تباہ کر دینے سے نوجوں کے حملوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

ہرمن کی اس حوصلہ افزا رپورٹ پر صلیبی حکمران بہت خوش ہوئے۔ فلپ آگسٹس نے وہی عزم دہرایا جس کا اظہار وہ کئی بار کر چکا تھا۔ اس نے کہا۔ "ہماری لڑائی صلاح الدین سے نہیں اسلام سے ہے۔ ایوبی بھی مر جائے گا۔ ہم بھی مر جائیں گے، لیکن ہمارا جذبہ اور عزم زندہ رہنا چاہیے تاکہ اسلام بھی مر جائے اور دنیا پر صلیب کی حکمرانی ہو۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ ایسا محاذ کھولا جائے جہاں سے مسلمانوں کے نظریات اور کردار پر حملہ کیا جائے۔ میں ہرمن کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ اس نے محاذ نہ صرف کھول دیا ہے بلکہ حملہ کر کے ایک حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی ہے۔"

☆

سلیم الادریس کے بھی دو بیٹے جوان تھے۔ ایک کی عمر سترہ سال اور دوسرے کی اکیس سال تھی۔ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ بھی لذت پرستی کے اس طوفان کی لپیٹ میں آ گئے تھے یا نہیں جو صلیبی تخریب کار قاہرہ میں لائے تھے۔ البتہ یہ

ثبوت بعد میں ملا کہ بڑے بیٹے کے درپردہ تعلقات ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کے ساتھ تھے۔ یہ لڑکی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتی تھی اور بے پردہ رہتی تھی۔ کسی بڑے خاندان کی لڑکی تھی۔ اُن کی ملاقاتیں خفیہ ہوتی تھیں۔ جس روز ارسلان نے الادریس سے کہا تھا کہ تمہارے دو بیٹے جوان ہیں اُس سے اگلے روز اس لڑکی نے الادریس کے بڑے بیٹے سے کہا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے۔ وہ سیدھا جاتی ہے اُس کا پیچھا کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں بھی دیتا ہے۔ اس بڑے بیٹے نے لڑکی سے پوچھا کہ نوجوان کون ہے تو لڑکی نے نہ بتایا۔ بات گول کر گئی کہنے لگی کہ اُس نے زیادہ پریشان کیا تو اُسے بتا دے گی۔

بعد کے انکشافات سے پتہ چلا کہ اُسے کوئی نوجوان پریشان نہیں کرتا تھا بلکہ وہ خود نوجوانوں کو پریشان اور خراب کرتی پھر رہی تھی۔ اُس نے جس شام بڑے بیٹے سے یہ شکایت کی اس سے اگلے ہی روز اُس نے الادریس کے چھوٹے بیٹے کو جس کی عمر سترہ سال تھی اپنے جال میں پھانس لیا اور ایسی والہانہ اور بے تابانہ محبت کا اظہار زبانی اور عملی طور پر کیا کہ لڑکا اپنا آپ اُس کے حوالے کر بیٹھا۔ دو درپردہ ملاقاتوں کے بعد اُس نے اُسے بھی بتایا کہ ایک نوجوان اُسے بہت پریشان کرتا ہے اور اُسے اغوا کی دھمکیاں دیتا ہے۔ لڑکے کا خون جوش میں آگیا۔ اُس نے پوچھا کہ وہ کون ہے تو لڑکی نے کہا کہ اگر اُس نے زیادہ پریشان کیا تو بتا دوں گی۔ اُسی شام وہ اس لڑکے کے بڑے بھائی سے ملی اور اُسے کہا کہ وہ نوجوان مجھے زیادہ پریشان کرنے لگا ہے۔ وہ تمہارے متعلق کہتا ہے کہ اُسے میں ایسے طریقے سے قتل کروں گا کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکے گا۔ لڑکی نے کہا ــــ "تم خنجر اپنے پاس رکھا کرو۔"

دوسری شام کی ملاقات میں اُس نے چھوٹے بھائی کو اسی طرح مشتعل کیا اور اُسے کہا کہ وہ خنجر اپنے پاس رکھا کرے۔ چنانچہ دونوں بھائی اس حقیقت سے بے خبر کہ وہ ایک ہی لڑکی کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں خنجر اپنے پاس رکھنے لگے۔ لڑکی دونوں سے الگ الگ ملتی رہی۔ صرف پانچ دنوں میں لڑکی نے دونوں بھائیوں کو پہلے حیوان ہیجڑہ درندہ بنا دیا۔ اُس شام اُس نے بڑے بھائی کو شہر سے ذرا باہر ایک اندھیری جگہ ملنے کو کہا۔ چھوٹے بھائی کو بھی اُس نے وہی وقت اور وہی جگہ بتائی اور دونوں سے یہ بھی کہا کہ وہ نوجوان جو مجھے پریشان کیا کرتا ہے آج کہہ گیا ہے کہ شام کو جہاں بھی جاؤ گی مجھے وہاں پاؤ گی۔ میں تمہارے چاہنے والے کو تمہارے سامنے قتل کروں گا۔ لڑکی نے کہا ــ "میں نے اُسے کہا ہے کہ اگر تم اتنے دلیر ہو تو شام کو اس جگہ آجانا۔ اگر تم نے اُسے قتل کر دیا تو میں تمہاری ہو جاؤں گی" ــ یہ دونوں بھائی خونریز ہو کر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شام کو بڑا بھائی خنجر لیے اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے لڑکی نے بتائی تھی۔ اُس نے ایسی استادی کا مظاہرہ کیا کہ جگہ اندھیری کا انتخاب کیا اور یہ بھی خیال رکھا کہ دونوں بھائی اُس کے پہنچنے سے پہلے ہی اکٹھے ہو کر ایک دوسرے کو پہچان نہ لیں۔ وہ وہاں پہنچا تو بڑے بھائی کو وہاں موجود پایا۔ اُسے بتایا کہ وہ نوجوان میرے پیچھے آرہا ہے۔ بڑے بھائی نے خنجر نکال لیا۔ فوراً ہی بعد چھوٹا بھائی آگیا۔ لڑکی نے بڑے بھائی سے کہا کہ وہ آگیا ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ خون خرابہ ہو۔ میں اُسے کہتی ہوں کہ وہ چلا جائے۔ یہ کہہ کر وہ چھوٹے بھائی کے پاس گئی اور اُسے کہا کہ وہ پہلے سے موجود ہے اور اُس کے ہاتھ میں خنجر ہے۔ چھوٹے بھائی کی عقل پر جوانی کا تازہ خون سوار تھا۔ اُس نے خنجر نکالا اور اندھیرے میں اپنے

بھائی کی طرف دوڑا۔ بڑے بھائی نے حملہ آور کو اتنی تیزی سے آتے دیکھا تو وہ بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ بھائیوں نے ایک دوسرے پر رقابت کے جوش میں بڑے گہرے وار کیے۔ وہ گتھم گتھا ہو کر اُٹھے اور ایک دوسرے کو لہولہان کرتے رہے۔ لڑکی انہیں بھڑکاتی رہی۔

علی بن سفیان کے شعبے کے آدمی رات کو گشت پر رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک گھوڑ سوار گشت پر ادھر آنکلا۔ لڑکی بھاگ اٹھی۔ گھوڑ سوار نے اُسے دوڑ کر نہ جانے دیا اور پکڑ کر الادریس لے گیا۔ وہاں دونوں بھائی زمین پر پڑے آخری سانسیں لے رہے تھے۔ لڑکی نے اُن سے تعلق کے اظہار کی بہت کوشش کی لیکن اس آدمی نے اُسے نہ چھوڑا۔ لڑکی کے دیئے ہوئے لالچ کو بھی اُس نے قبول نہ کیا۔ اُس نے پکار کر گشتی پہرہ داروں کو بلا لیا۔ اُس وقت تک دونوں بھائی مر چکے تھے۔ لڑکی کو اُسی وقت علی بن سفیان کے پاس لے گئے۔ لاشیں بھی لائی گئیں۔ روشنی میں دیکھا تو دونوں بھائی تھے۔ سلیم الادریس کو اطلاع دی گئی۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اپنے جوان بیٹوں کی لاشیں دیکھ کر اُس کا کیا حشر ہوا ہوگا۔ لڑکی نے الٹے سیدھے بیان دینے مگر وہ اس سوال کا جواب دینے سے گریز کر رہی تھی کہ وہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں رہتی ہے۔ الادریس بہت بُری ذہنی حالت میں تھا۔ اُس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ــ "اسے شکنجے میں ڈالو علی، اس طرح یہ کچھ نہیں بتائے گی۔"

"بتانے کے لیے ہے ہی کیا۔" لڑکی نے بھی غصے میں کہا۔ بڑے بھائی کی لاش کی طرف اشارہ کرکے بولی ــ "اس نے مجھے بلایا تھا۔ میں چلی گئی۔ اوپر سے یہ (چھوٹا بھائی) آگیا۔ دونوں نے خنجر نکال لیے اور لڑ پڑے۔ میں ڈر کے مارے بھاگ اٹھی اور ایک گھوڑ سوار نے مجھے پکڑ لیا۔ میں اپنے باپ کا نام اس لیے نہیں بتاتی کہ اُس کی بھی رسوائی ہوگی۔"

علی بن سفیان کا دماغ حاضر تھا۔ اُسے یاد آگیا کہ ارسلان اور الادریس کی آپس میں ترش کلامی ہوئی تھی۔ ارسلان اُس کے مشتبہوں کی فہرست میں تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اُس کے گھر کے اندر کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے الادریس کو آنکھ سے اشارہ کرکے کہا ــ "یہ لڑکی کوئی بھی ہے یہ قاتل نہیں۔ یہ دو جوانوں کو اکیلے قتل نہیں کر سکتی۔ اس نے سچ بات بتا دی ہے۔ میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔" اس نے لڑکی سے کہا ــ "جاؤ تم آزاد ہو۔ آئندہ کسی کے ساتھ اتنی دور نہ جانا ورنہ قتل ہو جاؤ گی۔"

لڑکی بڑی تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ علی بن سفیان نے اپنے دو مخبروں سے کہا کہ ان میں سے ایک لڑکی کا راستہ دیکھ کر دوسرے راستے سے ارسلان کے گھر کے بڑے دروازے سے ذرا دور چھپ جائے اور دوسرا ایسے طریقے سے لڑکی کا تعاقب کرے کہ لڑکی کو پتہ نہ چلے، اور وہ جہاں بھی جائے فوراً اطلاع دی جائے۔ دونوں آدمی چلے گئے۔ لڑکی تیز تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی اور اُس کا تعاقب ہو رہا تھا۔ علی بن سفیان کا شک ٹھیک ثابت ہوا۔ لڑکی ارسلان کے گھر چلی گئی۔ وہاں ایک آدمی موجود تھا۔ اُس نے آکر اطلاع دی کہ لڑکی اُس گھر میں داخل ہوئی ہے۔ جب الادریس کو معلوم ہوا کہ لڑکی کا تعلق ارسلان کے گھر سے ہے تو اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ ارسلان نے اُسے کہا تھا کہ تمہارے دو جوان بیٹے ہیں، مگر الادریس یہ اشارہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ عیاں ظاہر ہو گیا کہ یہ ارسلان کی کارستانی

ہے۔ دونوں بھائیوں کو اُسی نے اس عجیب و غریب طریقے سے ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ الادریس نے حاکمِ اعلیٰ کو اطلاع دی۔ پولیس کا سربراہ غیاث بلبیس بھی آگیا۔ علی بن سفیان کو بھی خصوصی اختیارات حاصل تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ارسلان کے گھر چھاپہ مار کر اُسے گھر ہی میں نظر بند کر دیا جائے۔

"اب میں سلیم الادریس کو بتاؤں گا کہ میں کیوں اتنی دلیری سے باتیں کرتا ہوں۔" ارسلان نے اس لڑکی کی کامیابی کی روئیداد سُن کر کہا۔ "میں اُسے بتاؤں گا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔" اُس نے لڑکی کو شراب پیش کی اور دونوں کامیابی کا جشن منانے لگے۔

اُن کا جشن ابھی ختم نہیں ہُوا تھا کہ بغیر اطلاع کے کوئی اندر آگیا۔ یہ الادریس تھا۔ اُس نے ارسلان اور لڑکی کو نشے اور عریانی کی حالت میں دیکھا اور لڑکی کو پہچان لیا۔ ارسلان نے نشے کی حالت میں کہا۔ "اپنے بیٹوں کو قتل کرا کے تم میرے ہاتھوں قتل ہونے آئے ہو؟ .... دربان کہاں ہے؟ یہ شخص میری جنت میں بغیر اجازت کیوں کر آگیا ہے؟"

"تمہیں جہنم میں لے جانے کے لیے۔" الادریس نے کہا۔ "میں اپنے بیٹوں کا انتقام لینے نہیں آیا، تمہیں غداروں کے انجام تک پہنچانے آیا ہوں۔"

اتنے میں شہر کا وہ حاکمِ اعلیٰ اندر آیا جس کے پاس امیرِ مصر کے اختیارات تھے۔ اُس کے ساتھ غیاث بلبیس اور علی بن سفیان تھے۔ لڑکی کو گرفتار کر لیا گیا۔ ارسلان کے تمام ملازموں اور گھر کے دیگر افراد کو باہر نکال کر اس کے محل جیسے مکان کے اندر اور باہر فوج کا پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس کے گھر میں ایک تہہ خانہ برآمد ہُوا جو بہت ہی وسیع اور گہرا تھا۔ وہاں سے تیر کمانوں اور برچھیوں کے انبار نکلے۔ ایک ڈھیر خنجروں کا تھا۔ آتش گیر مادہ بھی تھا۔ ایک صندوق میں سے حشیش اور زہر برآمد ہوئے۔ ایک اور کمرے میں سے سونے کی اینٹیں اور اشرفیوں کی تھیلیاں برآمد ہوئیں۔ اُس نے اپنی پرانی دو بیویوں اور اُن کے بچوں کو کہیں اور بھیج رکھا تھا۔ گھر میں تین لڑکیاں تھیں۔ تینوں ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت تھیں اور تینوں غیر مسلم۔ رات ہی رات ملازموں کی چھان بین کر لی گئی۔ ان میں تین صلیبیوں کے جاسوس نکلے۔

"کیا تم خود بتا دو گے کہ تمہارے جرائم کیا ہیں؟" حاکمِ اعلیٰ نے ارسلان سے پوچھا۔ "یہ مال و دولت اور اسلحہ کے یہ انبار تمہیں سزائے موت دلانے کے لیے کافی ہیں۔"

"پھر سزائے موت دے دو۔" اُس نے نشے کی حالت میں کہا۔ "اگر مجھے جان ہی دینی ہے تو خاموشی سے کیوں نہ مر جاؤں؟"

"خدا کی نگاہ میں یہ بہت بڑی نیکی ہوگی کہ تم ہمیں اور اس کے نام لیواؤں کو خطروں سے آگاہ کر دو۔" حاکمِ اعلیٰ نے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ اسی نیکی کے بدلے خدا تمہارے اتنے زیادہ گناہ بخش دے گا۔"

"تم لوگ تو مجھے نہیں بخشو گے۔" ارسلان نے کہا۔

"سلطان ایوبی اس سے بھی بڑے گناہ بخش دیا کرتا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "آپ کے بچنے کی صورت

پیدا ہو سکتی ہے۔ آپ بتا دیں کہ یہاں کس قسم کی تخریب کاری ہو رہی ہے۔ کچھ اور لوگ گرفتار کرا دیں۔"

وہ کمرے میں تنہا رہ گیا تھا۔ باقی لوگ اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ الادریس نے اپنی خنجر نما تلوار کمر سے نکالی اور دبے پاؤں خاموشی سے ٹہلتے ٹہلتے اُس کے قریب گیا اور بڑی ہی تیزی سے اس کی میان میں سے تلوار نکال کر اپنے سینے اور پیٹ کے درمیان رکھی۔ بیشتر اس کے ہاتھ سے تلوار چھینی جاتی اُس نے دستے پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوری طاقت سے تلوار اپنے پیٹ میں گھونپ لی۔ وہ اپنے بستر پر گرا۔ دوسرے آدمی تلوار اُس کے پیٹ سے نکالنے لگے تو اس نے کہا۔ "رہنے دو۔ میری دو تین باتیں سُن لو۔ مر جاؤں گا تو خود نکال لینا۔ میں نے اپنے آپ کو سزا دے دی ہے۔ میں زندہ صلاح الدین ایوبی کے سامنے نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتا تھا.... میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ تلوار اپنا کام کر چکی ہے۔ ہوش کرو، مصر سخت خطرے میں ہے۔ مصر میں جو فوج ہے وہ بغاوت کے لیے تیار ہے۔ فوجوں کی رسد کو میں نے ناپید کیا ہے۔ سپاہیوں کو کھانے کے لیے کچھ نہیں ملتا۔ صلیبی تخریب کاروں نے فوج میں یہ بات پھیلا دی ہے کہ محاذوں پر گھر سے، آٹا اور شراب جا رہی ہے اور وہاں کے سپاہیوں کو مالِ غنیمت سے مالا مال کر کے عیاشی کرائی جا رہی ہے.... میرے گروہ میں اچھے عہدوں کے لوگ ہیں۔ میں کسی کا نام نہیں بتاؤں گا۔ فاطمی اور فدائی تباہ کاری کی پوری تیاری کر چکے ہیں۔ تم بغاوت کو روک نہیں سکو گے۔ نئی فوج اور حالات تمہارے قابو سے.... اور وہ فقرہ مکمل کیے بغیر مر گیا۔

اُس کے گھر سے تین لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں۔ وہ بھی اس کے فقرے کو مکمل نہ کر سکیں۔ انہوں نے اپنے متعلق بتایا کہ انہیں اخلاقی تخریب کاری اور مردوں کو پھانس کر استعمال کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ارسلان کے گھر راتوں کو محفلیں جما کرتی تھیں جس میں فوج اور انتظامیہ کے افسر آیا کرتے تھے۔ اُن کی خفیہ ملاقاتیں اور اجلاس ان لڑکیوں کے بغیر ہوتے تھے۔ لڑکیوں نے یہ تصدیق کر دی کہ مصر میں بغاوت کے لیے زمین ہموار کر دی گئی ہے۔ جس لڑکی نے دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا، اس نے قتل کی ساری کہانی سنا دی جو بیان کی گئی ہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ الادریس کے بڑے بیٹے کو پہلے ہی اپنے جال میں محبت کا جھانسہ دے کر لے چکی تھی۔ اسے ارسلان اپنے باپ الادریس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن ارسلان نے منصوبہ بدل دیا اور اس لڑکی سے کہا کہ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دو۔

ایک ہی رات میں تقریباً اڑھائی سو اونٹ مرکزی دفتر کے سامنے لائے گئے۔ ان پر غلہ اور خورد و نوش کا دیگر سامان لدا ہُوا تھا۔ یہ اونٹ تین بڑے قافلوں کی صورت میں مختلف جگہوں سے پکڑے گئے تھے۔ اناج وغیرہ کو سرحد سے باہر جانے سے روکنے کے لیے گشتی پارٹیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہ ان کی پہلی کامیابی تھی۔ ان قافلوں کے ساتھ جو آدمی تھے انہوں نے شہر کے چند ایک بیوپاریوں کے نام بتائے۔ ان بیوپاریوں نے تمام غلہ اور دیگر سامان زیرِ زمین کر لیا تھا۔ آدھی رات کے بعد وہ یہ سامان باہر کے اجنبی تاجروں کے ہاتھ بیچتے تھے۔ ان آدمیوں نے دیہاتی علاقوں میں بھی چند ایک جگہوں کی نشاندہی کی جہاں اجنبی سے تاجر موجود رہتے اور تمام تر رسد اکٹھی کر کے لے جاتے تھے۔ شتربانوں میں سے بعض نے سرحد کی ایک جگہ بتائی جہاں سے یہ قافلے سوڈان جایا کرتے تھے۔ وہاں [illegible]

سرحدی دستہ موجود تھا۔ انکشاف ہوا کہ اس دستے کا کمانڈر دشمن سے باقاعدہ معاوضہ یا رشوت لیتا اور قافلے گزار دیتا تھا۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ یہ اہتمام ارسلان کی زیرِ کمان ہو رہا تھا۔

☆

یہ اُن سینکڑوں میں سے چند ایک واقعات ہیں جو سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر کو لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔ الادریس اور دیگر اعلیٰ حکام نے ارسلان کی غداری اور الادریس کے بیٹوں کی موت اور دیگر واقعات پر غور کرنے کے لیے اجلاس منعقد کیا۔ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے یہ مشورہ پیش کیا کہ حالات اتنے بگڑ گئے ہیں کہ ان کے بس میں نہیں رہے۔ پیشتر اس کے کہ مصر میں بغاوت ہو جائے یا ناٹمیوں کے اور فدائیوں کے ہاتھوں کوئی اعلیٰ شخصیت قتل ہو جائے سلطان ایوبی کو مکمل حالات سے آگاہ کر دیا جائے اور انہیں مشورہ دیا جائے کہ ممکن ہو سکے تو وہ کرک کا محاصرہ اپنے نائبین کے سپرد کر کے قاہرہ آ جائیں۔ ایک قاصد کو تو پہلے ہی بھیج دیا گیا تھا مگر اُسے تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔ اب سنگین واردا تیں ہو گئیں تو اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ علی بن سفیان محاذ پر سلطان ایوبی کے پاس جائے۔

کرک کے محاصرے کو دو مہینے گزر گئے تھے مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ صلیبیوں نے دفاع کے غیر معمولی انتظامات کر رکھے تھے۔ ایک انتظام یہ تھا کہ شہر میں سامانِ خورد و نوش کا ذخیرہ کافی تھا۔ ایک جاسوس نے اندر سے تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر باہر پھینکا تھا جس میں تحریر تھا کہ اندر خوراک کی کوئی کمی نہیں۔ مسلمان باشندوں پر اتنی سخت پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں کہ اُن کے گھروں کی دیواریں بھی اُن کے خلاف مخبری اور جاسوسی کرتی تھیں اس لیے اندر تخریب کاری ممکن نہیں رہی تھی ورنہ خوراک کا یہ ذخیرہ تباہ کر دیا جاتا۔ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوسوں کی بھی کمی نہ تھی۔ وہ کبھی کبھی رات کے وقت تیر کے ساتھ پیغام باندھ کر اور موقع محل دیکھ کر باہر کو تیر پھینک دیتے تھے۔ فوجوں کو حکم تھا کہ ایسا تیر نظر آئے تو وہ اپنے کمانڈر تک پہنچا دیں۔ صلیبیوں نے محاصرہ توڑنے کی کوششیں ترک کر دی تھیں۔ وہ سلطان ایوبی کی طاقت زائل کرتے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی اُن کی چال سمجھ گیا تھا۔ اس کے جواب میں اُس نے بھی اپنا طریقہ بدل دیا تھا۔

صلیبیوں کی یہ کوشش ناکام ہو چکی تھی کہ انہوں نے باہر سے حملہ کیا تھا۔ سلطان ایوبی اس حملے کے لیے تیار تھا۔ اُس نے نہایت اچھی چال سے اس فوج کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ اس فوج کو گھیرے میں آئے ڈیڑھ مہینہ گزر گیا تھا۔ گھیرے میں آئی ہوئی فوج گھیرا توڑنے کے لیے ہر طرف حملے کرتی تھی۔ سلطان ایوبی اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ البتہ گھیرا کئی میلوں پر پھیل گیا تھا۔ وہ علاقہ سرسبز تھا اس لیے صلیبیوں کو پانی اور جانوروں کو چارہ مل جاتا تھا۔ ان کے جانور مرتے تھے تو اُسے وہ کھا لیتے تھے، مگر یہ کافی نہیں تھا۔ ہزاروں گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے یہ چارہ کافی نہیں تھا۔ پانی کے لیے وہاں کوئی ندی یا دریا نہیں تھا۔ تین چار چشمے تھے جن میں سے دو ڈیڑھ مہینے میں ہی خشک ہو گئے تھے۔ صلیبی سپاہیوں میں بددلی پیدا ہو گئی تھی۔ انہیں غذا بہت کم ملتی تھی اور پانی کے لیے بہت دور جانا پڑتا تھا۔ رات کو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار گروہ اُن پر شبخون مارنے اور نقصان کرتے رہتے تھے۔ ڈیڑھ

ماہ میں یہ فوج آدھی رہ گئی تھی۔ اُن کے جانوروں میں بھی دم نہیں رہا تھا۔ صلیبی حکمران ریمانڈ جو اس فوج کا کمانڈر تھا، سخت پریشانی کے عالم میں انتظار کر رہا تھا کہ صلیبی حملہ کر کے اُسے سلطان ایوبی سے چھڑائیں گے مگر اُس کی مدد کو کوئی نہیں آ رہا تھا۔

سلطان ایوبی چاہتا تو چاروں طرف سے حملہ کر کے اس فوج کو شکست دے سکتا تھا لیکن اس سے اپنا بھی نقصان بھی ہونا لازمی تھا اور جنگ کا پانسہ پلٹ جانے کا خطرہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی اپنی طاقت زائل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ صلیبیوں کو آہستہ آہستہ مار رہا تھا۔ اُسے یہ نقصان ضرور ہو رہا تھا کہ اُس کی فوج کا تیسرا حصہ اس صلیبی فوج کو گھیرے میں رکھنے میں اُلجھ گیا تھا۔ اُسے وہ شہر کے محاصرے کی کامیابی کے لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کے پاس ابھی ریزرو دستے موجود تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ قلعہ توڑنے کے لیے وہ انہیں استعمال کرے۔ وہ اب محاصرے کو اور زیادہ طول دینا نہیں چاہتا تھا۔ اُس دور میں محاصرے عموماً طویل ہوا کرتے تھے۔ ایک ایک شہر کو دو دو سال تک بھی محاصرے میں رکھا گیا ہے۔ چھ سات ماہ کا محاصرہ طویل نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن سلطان ایوبی محاصرے کو طول دینے کا قائل نہیں تھا۔ وہ ان حملہ آوروں میں سے بھی نہیں تھا جو کسی ملک کے دارالحکومت کا محاصرہ کر کے اندر والوں کو پیغام بھیجا کرتے تھے کہ اتنی مقدار زر و جواہرات کی، اتنے ہزار گھوڑے اور اتنی عورتیں باہر بھیج دو، ہم چلے جائیں گے۔ سلطان ایوبی عرب کی سرزمین سے صلیبیوں کو نکالنا چاہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ سرزمین اسلام کا سرچشمہ ہے جو ساری دُنیا کو سیراب کرے گا اور وہ اپنی عمر کو بہت کم سمجھا کرتا تھا۔ یہ الفاظ اُس نے بارہا کہے تھے کہ میں یہ کام اپنی مختصر سی عمر میں پورا کر دینا چاہتا ہوں ورنہ میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان امراء اس مقدس خطے کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچتے چلے جا رہے ہیں۔

ایک رات وہ اپنے خیمے میں گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اُس نے یہاں تک سوچا تھا کہ قلعے کے اردگرد سے اتنی فراخ سرنگیں کھدوائی جائیں جن میں پیادہ سپاہی گزر سکیں۔ کچھ اور طریقے بھی اُس کے ذہن میں آئے۔ وہ اب چند دنوں میں کرک پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا۔ اس کیفیت میں علی بن سفیان اُس کے خیمے میں داخل ہوا۔ اُسے دیکھ کر سلطان ایوبی خوش نہیں ہوا کیونکہ اُسے اطلاع مل چکی تھی کہ مصر کے حالات خطرناک مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ چہرے پر تشویش کے آثار لیے سلطان ایوبی علی بن سفیان سے بغل گیر ہو کر ملا اور کہا ــــ "تم میرے لیے یقیناً کوئی خوشخبری نہیں لائے۔"

"بظاہر خیریت ہے۔" علی بن سفیان نے کہا ــــ "مگر خوشخبری والی بات بھی کوئی نہیں۔" اُس نے مصر کے حالات اور واقعات سنانے شروع کر دیئے۔ علی بن سفیان جیسا ذمہ دار حاکم سلطان ایوبی سے کچھ بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ نہ ہی وہ اُسے خوش فہمیوں میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ نگی لپٹی رکھے بغیر بات کی جائے۔ علی بن سفیان نے تقی الدین کی غلطیوں اور سلطان ایوبی کی بھی ایک دو غلطیوں کا کھل کر ذکر کیا۔ ارسلان کی غداری کا قصہ اور الادریس کے جوان بیٹوں کی موت کا حادثہ سن کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اگر ارسلان مر نہ چکا ہوتا تو سلطان ایوبی کبھی یقین نہ کرتا کہ اُس کا یہ حاکم جسے وہ اپنا وفادار دوست سمجھتا ہے غداری کر سکتا ہے۔

اس سے پہلے بھی دو دوست اُس سے غداری کر چکے تھے۔

"اگر ارسلان ذرا سی دیر اور زندہ رہتا تو باقی راز بھی بے نقاب کر دیتا۔" علی بن سفیان نے کہا ــــ "اُس کے آخری فقرے سے جو موت نے پورا نہ ہونے دیا صاف ثبوت ملتا ہے کہ مصر میں بغاوت ہونے ہی والی ہے۔ مصر میں ہماری جو فوج ہے اُسے ذہنی لحاظ سے پست کر دیا گیا ہے۔ میری جاسوسی بتاتی ہے کہ کاغذ تک غلط فہمیوں اور بے اطمینانی کا شکار ہو گئے ہیں۔ فوج کے لیے غلّے اور گوشت کی قلت پیدا کر کے یہ بے بنیاد بات پھیلا دی گئی ہے کہ تمام تر رسد محاذوں پر بھیجی جا رہی ہے اور یہ بھی کہ فوج کا مال حاکم بیچ کر کھا رہے ہیں۔ دشمن کی سازش پوری طرح کامیاب ہے۔"

"دشمن کی سازش اُسی ملک میں کامیاب ہوتی ہے جہاں کے چند ایک افراد دشمن کا ساتھ دینے پر اُتر آتے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اگر ہمارے اپنے بھائی دشمن کا آلۂ کار بن جائیں تو ہم دشمن کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ میں جس طرح اللہ کے ان شیروں کے جذبے کے زور پر اور ان کی جانیں قربان کر کے صلیبیوں کو میدانِ جنگ میں ناک چنے چبوا رہا ہوں اسی طرح میرے حاکم بھی پکے مسلمان ہوتے تو آج قبلۂ اوّل آزاد ہوتا اور ہماری اذانیں یورپ کے کلیساؤں میں گونج رہی ہوتیں، مگر میں مصر میں قید ہو کے رہ گیا ہوں، میرے جذبے اور میرا عزم زنجیروں میں جکڑے گئے ہیں۔" اُس نے کچھ دیر کی گہری خاموشی اور سوچ کے بعد کہا ــــ "مجھے سب سے پہلے ان غداروں کو ختم کرنا ہوگا ورنہ یہ قوم کو دیمک کی طرح کھاتے رہیں گے۔"

"میں یہ مشورہ لے کر آیا ہوں کہ اگر محاذ آپ کو اجازت دے تو مصر چلیے۔" علی بن سفیان نے کہا۔

"میں حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتا علی!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن میں یہ اظہار کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ میرے ہاتھوں سے صلیبیوں کی گردن اور فلسطین چھڑانے والے میرے اپنے بھائی ہیں۔ علی بن سفیان! اگر میں نے غداروں کو اسلام کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنے والے مسلمانوں کو ابھی ختم نہ کیا تو یہ کبھی ختم نہ ہوں گے اور ہماری تاریخ کو یہ گروہ ہمیشہ شرمسار کرتا رہے گا۔ قوم میں ہر دور میں یہ گروہ موجود رہے گا جو دین اور رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کر کے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرتا رہے گا۔" اُس نے پوچھا "سوڈان کے محاذ کی کیا خبر ہے؟ میں نے تقی الدین کو پیغام بھیج دیا ہے کہ اس محاذ کو سمیٹنا شروع کر دو۔"

"مصر میں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ آپ نے ایسا حکم دیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔

"اور کسی کو معلوم ہونا بھی نہیں چاہیے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ اس نے دربان کو بلایا اور کہا۔ "کاتب کو فوراً بلا لاؤ۔"

کاتب کاغذ اور قلمدان لے کر آیا تو سلطان ایوبی نے کہا۔ "لکھو.... قابلِ صد احترام نورالدین زنگی...."

☆

وہ قاصد بڑا ہی تیز رفتار تھا جس نے سلطان ایوبی کا پیغام اگلی رات کے آخری پہر بغداد نورالدین زنگی تک پہنچا دیا۔ سلطان ایوبی نے اُسے کہا تھا کہ راستے میں ہر چوکی پر اُسے تازہ دم گھوڑا مل جائے گا لیکن وہ گھوڑا صرف تبدیل کرے، خود آرام اور کھانے کے لیے نہ رُکے۔ کہیں بھی گھوڑا آہستہ نہ چلنے۔ اگر رات کو نورالدین زنگی کے پاس پہنچے، تو

دربان سے کہ وہ اُنہیں جگا دے۔ اگر زنگی غفلت کا اظہار کرے تو کہہ دینا کہ صلاح الدین نے کہا ہے کہ ہم سب جاگ رہے ہیں۔ قاصد جب نورالدین زنگی کے دروازے پر پہنچا تو محافظ دستے نے اُسے روک دیا اور کہا کہ پیغام مجھے دے دیا جائے گا۔ قاصد نے گھوڑے تو کئی بدلے تھے مگر کہیں پانی کا ایک گھونٹ پینے کے لیے بھی نہیں رکا تھا۔ تھکن بھوک پیاس اور دو راتوں کی بیداری سے وہ لاش بن گیا تھا۔ زبان پیاس سے اکڑ گئی تھی، وہ پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اور اُس کے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ اُس نے اشاروں میں بتایا کہ پیغام بہت ضروری ہے۔ نورالدین زنگی نے بھی سلطان ایوبی کی طرح اپنے خصوصی عملے، دربان اور اپنے باڈی گارڈ کمانڈر کے کمانڈ کو کہہ رکھا تھا کہ کوئی ضروری بات یا پیغام ہو تو اُس کی نیند اور آرام کی پروا نہ کی جائے۔

قاصد کی حالت دیکھ کر باڈی گارڈ کمانڈر نے اندر جا کر نورالدین زنگی کی خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آ گیا اور پیغام اور قاصد کو ملاقات کے کمرے میں لے گیا۔ قاصد کمرے میں داخل ہوتے ہی گر پڑا۔ زنگی نے اپنے ملازموں کو بلایا اور قاصد کی دیکھ بھال کرنے کو کہا۔ اُس نے پیغام پڑھنا شروع کیا۔ سلطان ایوبی نے لکھا تھا:

"آپ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میرا پیغام آپ کو خوش نہیں کرے گا۔ آپ کے لیے خوشی اور اطمینان کی بات صرف یہ ہے کہ میں نے حوصلہ نہیں چھوڑا۔ آپ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کر رہا ہوں۔ آپ میرے پاس تشریف لائیں گے تو تمام حالات سناؤں گا۔ میں نے کرک کو محاصرے میں لے رکھا ہے، ابھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اتنی کامیابی حاصل کر چکا ہوں کہ صلیبیوں کی ایک فوج نے شاہ ریمانڈ کی سرکردگی میں باہر سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میں نے محفوظہ سے اُسے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اب تک اس کی آدھی فوج ختم کر چکا ہوں۔ بھوکے صلیبی اپنے اُن گھوڑوں اور اونٹوں کو کھا رہے ہیں جو انہیں اتنی دور سے یہاں لائے تھے۔ میں اس کوشش میں ہوں کہ ریمانڈ کو زندہ پکڑوں مگر کرک کا محاصرہ لمبا ہوتا جا رہا ہے۔ صلیبیوں کا دماغ اور طریقۂ جنگ پہلے سے بہت بہتر ہے۔ میں محاصرے کو کامیاب کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا اور مجھے امید تھی کہ میرے جانباز مجاہد قلعہ توڑ لیں گے۔ وہ جس جذبے سے لڑ رہے ہیں وہ آپ کو حیران کر دے گا مگر سوڈان میں میرا بھائی تقی الدین ناکام ہو گیا ہے۔ اُس کی غلطی کہ اُس نے اجنبی صحرا میں جا کر فوج کو پھیلا دیا ہے۔ وہ مدد مانگ رہا ہے۔ میں نے اُسے محاذ سمیٹنے اور واپس آنے کو کہہ دیا ہے۔ مصر سے آئی ہوئی خبریں اچھی نہیں۔ غداروں اور ایمان فروشوں نے دشمن کا آلۂ کار بن کر مصر میں بغاوت اور صلیبی یلغار کے لیے راستہ صاف کر دیا ہے۔ علی بن سفیان کو آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ خود میرے پاس آیا ہے۔ میں اُس کے مشورے کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ میں مصر چلا جاؤں.... محترم! میں کرک کا محاصرہ اٹھا نہیں سکتا ورنہ صلیبی کہیں گے، کہ صلاح الدین پسپا بھی ہو سکتا ہے۔ دشمن کی گردن میرے ہاتھ میں ہے۔ آئیے اور یہ گردن آپ اپنے ہاتھ میں پکڑیں۔ اپنی فوج ساتھ لائیں۔ میں اپنی فوج مصر لے جاؤں گا۔ ورنہ مصر بغاوت کا شکار ہو جائے گا۔ امید ہے آپ میرے دوسرے پیغام کا انتظار نہیں کریں گے۔"

نورالدین زنگی نے ایک لمحہ بھی انتظار نہ کیا۔ شب خوابی کے لباس میں ہی معروفِ کار ہو گیا۔ فوجی حکام کو بلا لیا۔ انہیں احکام دیئے اور دن ابھی آدھا بھی نہیں گزرا تھا کہ اُس کی فوج کرک کی سمت کوچ کر چکی تھی۔ زنگی رات

مجاہد تھا جس کا نام سن کر صلیبی بدک جاتے تھے۔ اُس کے سینے میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ وہ فنِ حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ اُس نے راستے میں کم سے کم پڑاؤ کئے اور اتنی جلدی محاذ پر پہنچا کہ سلطان ایوبی حیران رہ گیا۔ اگر قاصد پہلے سے اُسے اطلاع نہ دے دیتا کہ زنگی اپنی فوج کے ساتھ آرہا ہے تو دُور سے گرد کے بادل دیکھ کر سلطان ایوبی سمجھتا کہ صلیبیوں کی فوج آرہی ہے۔ سلطان ایوبی گھوڑا سرپٹ بھگاتا استقبال کے لیے گیا۔ نورالدین زنگی اسے دیکھ کر گھوڑے سے کُود آیا۔ اسلام کی عظمت کے یہ دونوں پاسبان جب گلے ملے تو جذبات کی شدت سے سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔

☆

سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی کو تمام تر حالات اور غداروں کی ساری کارستانیاں سنائیں۔ زنگی نے کہا۔ "صلاح الدین! تمہاری عمر ابھی اتنی نہیں گزری کہ چند ایک حقائق کو قبول کر سکو۔ یہ اسلام کی بدنصیبی ہے کہ غدار ہماری قوم کا لازمی حصہ بن گئے ہیں اور قوم ان سے کبھی پاک نہیں ہوگی۔ مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب غدار قوم پر باقاعدہ حکومت کریں گے۔ دشمن کے خلاف باتیں کریں گے۔ بلند دعوے کریں گے۔ دشمن کو گالیاں دینے کے نعرے لگائیں گے مگر قوم جان نہیں سکے گی کہ اُن کے حکمران دراصل اس کے اور اس کے دین کے دشمن کے ساتھ درپردہ دوستی کر چکے ہیں۔ دشمن انہی کو ڈھال اور انہی کو تلوار بنائے گا اور ان کے ہاتھوں قوم کو مروائے گا.... پریشان نہ ہو صلاح الدین! ہم حالات پر قابو پالیں گے۔ تم مصر پہنچو اور تقی الدین کو مدد دے کر سوڈان سے نکالو۔ دائیں بائیں حملے کر کے دشمن کو الجھائے رکھو تاکہ تقی الدین کا کوئی دستہ کہیں گھیرے میں نہ آجائے۔ مصر میں فوجوں کو کیا کرو اور مصر میں جو فوج ہے اسے میرے پاس بھیج دو۔ میں اس کے دماغ سے بغاوت کا کیڑا نکال دوں گا۔"

شام کے بعد زنگی نے اپنی فوج کو کرک کے محاصرے پر لگا دیا اور سلطان ایوبی کی فوج پیچھے ہٹ آئی۔ اُسے فوراً قاہرہ کے لیے کُوچ کا حکم دے دیا گیا۔ کچھ غلطی وہاں ہوگئی جہاں سلطان ایوبی نے ریمانڈ کی فوج کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ زنگی نے جب وہاں اپنے دستے اس ہدایت کے ساتھ بھیجے کہ سلطان ایوبی کی فوج کی بدلی کرنی ہے تو احکام اور ہدایات پر کسی غلط فہمی کی بنا پر عمل نہ ہو سکا۔ ریمانڈ نے اتفاق سے اُس سمت حملہ کیا، جہاں اُسے توقع تھی کہ مسلمانوں کا دستہ کمزور ہے۔ اُس نے وہاں کسی کو بھی حملہ روکنے کے لیے تیار نہ پایا۔ وہ اس طرف سے نکل گیا اور کچھ فوج بھی نکل گئی۔ صلیبیوں کی بچی کھچی فوج پھنسی رہ گئی جسے اگلے روز پتہ چلا کہ اُن کا حکمران کمانڈ بھاگ گیا ہے تو اُس نے بھی اندھا دھند بھاگنے کی کوشش کی۔ صلیبی اپنی جانیں بچانے کے لیے لڑے۔ کچھ مارے گئے اور بعض پکڑے گئے۔ نقصان یہ ہُوا کہ ریمانڈ نکل گیا۔ فائدہ یہ ہوا کہ گھیرا کامیاب رہا اور نورالدین زنگی کی فوج کا یہ حصہ کرک کے محاصرے کو کامیاب کرنے کے لیے فارغ ہوگیا۔

سلطان ایوبی جب قاہرہ کو روانہ ہونے لگا تو حسرت بھری نظروں سے کرک کو دیکھا۔ اُس نے زنگی سے کہا — "تاریخ یہ تو نہیں کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی پسپا ہوگیا تھا؛ میں نے محاصرہ اٹھایا تو تمہیں!"

"نہیں صلاح الدین!" نورالدین زنگی نے اس کا کاندھا تھپتھپا کر کہا۔ "تم نے شکست نہیں کھائی۔ تم جذباتی ہو گئے ہو۔ جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔"

"میں آؤں گا میرے نسلین!" سلطان ایوبی نے کرک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آؤں گا۔" اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی، پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

نورالدین زنگی اُسے دیکھتا رہا۔ وہ جب اپنے گھوڑے سمیت گرد جما کر گرد میں چھپ گیا تو زنگی نے اپنے ایک نائب سے کہا۔ "اسلام کو ہر دور میں ایک صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہوگی۔"

یہ واقعہ ۱۱۷۲ء (۵۶۹ ہجری) کے وسط کا ہے۔

☆

وہ جو مُردوں کو زندہ کرتا تھا

مصر کے دیہاتی اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ہر کسی کی زبان پر یہی الفاظ تھے ـــــ "وہ آسمان سے آیا ہے۔ خدا کا دین لایا ہے۔ دل کی بات بتاتا اور آنے والے وقت کے اندھیروں کو روشن کر کے دکھا دیتا ہے۔ مرے ہوؤں کو اٹھا دیتا ہے۔"

وہ کون تھا؟ ـــ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ اُس کی کرامات سے اس قدر مسحور ہو گئے تھے، کہ یہ جاننے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے کہ وہ کون ہے۔ وہ تسلیم کر لیتے تھے کہ وہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور جو لوگ اُس کی راہ دیکھ رہے تھے وہ اس سوال سے بے نیاز تھے کہ وہ کون ہے۔ قافلے گزرتے تھے تو اُسی کی کرامات سناتے تھے۔ کوئی اکیلا دکیلا مسافر کسی گاؤں میں جاتا تھا تو اُسی کے معجزوں کا ذکر کرتا تھا۔ بعض لوگ اُسے نبی اور پیغمبر بھی کہتے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو اُسے بارش کا دیوتا مانتے تھے اور اُس کی خوشنودی کے لیے انسانی جان کی قربانی دینے کے لیے بھی تیار تھے۔ ان میں سے کوئی بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اُس کا مذہب کیا ہے اور وہ کیسا عقیدہ ساتھ لایا ہے۔ لوگ ابھی پسماندگی کے دور میں تھے۔ علم سے بے بہرہ تھے اور قدرت کے ستم کا شکار رہتے تھے۔ انہیں جہاں امید بندھتی تھی کہ اُن کے مصائب کا حل موجود ہے وہاں جا سجدے کرتے تھے۔ ان کی اکثریت مسلمان تھی۔ اسلام کی روشنی وہاں تک پوری آب و تاب سے پہنچی تھی۔ مسلمانوں نے مسجدیں بھی بنا رکھی تھیں۔ رُخِ کعبہ کے حضور پانچوں وقت سجدے بھی کرتے تھے مگر اسلام کے سچے عقیدے کو پختہ تر کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اُن کے امام بے علم تھے جو اپنی امامت کو برقرار رکھنے کے لیے لوگوں کو عجیب و غریب باتیں بتاتے رہتے تھے۔ قرآن کو انہوں نے (نعوذ باللہ) کالے علم کی ایک کتاب بنا ڈالا تھا اور ایسا تاثر پیدا کر رکھا تھا کہ قرآن کو صرف امام سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ یہ مسلمان قرآن کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈرتے تھے۔

اِن اماموں نے لوگوں کے دلوں میں "غیب" کا ایک لفظ بٹھا دیا تھا اور انہیں باور کرا دیا تھا کہ جو کچھ بھی ہے وہ غیب میں ہے اور غیب میں جھانکنے کی قدرت صرف امام کو حاصل ہے۔ اماموں نے انسان کو ایک کمزور چیز بنا دیا تھا۔ اس مقام سے وسوسے اور توہمات پیدا ہوئے۔ صحرائی آندھیوں کی چیخوں میں انہیں اُس مخلوق کی آوازیں سنائی

دینے لگیں جو، امام کہتے تھے، کہ انسانوں کو نظر نہیں آسکتی۔ بیماریاں جنات اور شرشرار بن گئیں۔ امام سعالج اور عامل بن گئے جنہوں نے دعویٰ کیا کہ اُن کے قبضے میں جنات ہیں۔ انسان "غیب" سے اور "غیب کی سزا" سے اتنے خوف زدہ رہنے لگے کہ ان کے دلوں میں اسلام کا عقیدہ کمزور پڑ گیا اور وہ ہر اُس آواز پر لبیک کہنے لگے جو انہیں غیب کی مخلوق اور غیب کی سزا سے بچانے کا یقین دلاتی تھی ـــــ یہی وجہ تھی کہ لوگ بے تابی سے اُس کی راہ دیکھ رہے تھے "جو آسمان سے آیا اور مرے ہوؤں کو اٹھا دیتا ہے"۔

وہ مصر کے اُس دیہاتی علاقے میں وارد ہوا تھا جو جنوب مغرب کی سرحد کے ساتھ تھا۔ اُس زمانے میں سرحد کا کوئی واضح وجود نہیں تھا۔ صلاح الدین ایوبی نے کاغذوں پر لیک لکیر کھینچ رکھی تھی لیکن وہ بھی کہا کرتا تھا کہ دینِ اسلام کی اور سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ دراصل سرحد عقیدوں کے درمیان تھی۔ جہاں تک اسلام کی گرفت تھی وہ اسلامی سلطنت تھی اور جہاں سے غیر اسلامی نظریات شروع ہوتے تھے وہ علاقہ غیر کہلاتا تھا۔ مصر کے جس آخری گاؤں میں مسلمانوں کی غالب اکثریت تھی، وہ امارتِ مصر کا آخری اور سرحدی گاؤں سمجھا جاتا تھا۔ اسی باعث صلیبی ملتِ اسلامیہ کے نظریات پر حملے کرتے اور اسلامی عقیدوں کو کمزور کرکے وہاں اپنے عقائد کا غلبہ پیدا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت سرحدوں کی حیثیت جغرافیائی کم اور نظریاتی زیادہ تھی۔ اُس دور کے واقعات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں نے غلبۂ اسلام کے ساتھ ہی مسلمانوں پر نظریاتی حملے شروع کر دیئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ مسلمان جنگ کو جہاد کہتے ہیں اور قرآن نے مسلمانوں پر جہاد فرض کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ حالات کے تقاضے کے پیشِ نظر جہاد کو نماز پر فوقیت حاصل ہے اور یہ بھی کہ کسی غیر مسلم سلطنت میں مسلمان باشندوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہو تو دوسری سلطنتوں کے مسلمانوں پر یہ اقدام فرض ہو جاتا ہے کہ مظلوم رعایا کو غیر مسلموں کے ظلم و ستم سے بچائیں خواہ اس مقصد کے لیے جنگی کارروائی کرنی پڑے۔

انہی قرآنی احکام نے مسلمانوں میں عسکری جذبہ پیدا کیا تھا جس کا اثر یہ تھا کہ مسلمان جس ملک پر فوج کشی کرتے یا جس میدان میں بھی لڑتے تھے اُن کے ذہن میں جنگ کا مقصد واضح ہوتا تھا۔ گو اُن پر مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا تھا لیکن اُن کے ہاں لوٹ مار جنگ کے مقاصد میں شامل نہیں ہوتی تھی نہ ہی وہ مالِ غنیمت کے لالچ سے لڑتے تھے۔ اس کے برعکس صلیبیوں کی جنگ ملک گیری کی ہوس کی آئینہ دار ہوتی اور وہ لوٹ مار پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹنے کا کام بھی صلیبی فوج کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ صلیبیوں کو اس کا یہ نقصان اٹھانا پڑتا تھا، کہ ہر میدان میں ان کی جنگی طاقت مسلمانوں کی نسبت پانچ سے دس گنا ہوتی تھی مگر وہ مٹھی بھر مسلمانوں سے شکست کھاتے تھے۔ شکست نہ کھائیں تو فتح بھی حاصل نہ کر سکتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ قرآن کے احکام نے مسلمانوں میں جنگی جنون پیدا کر رکھا ہے۔ وہ اللہ کے نام پر لڑتے اور جانیں قربان کرتے ہیں۔ صلیبیوں کے جرنیلوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو مسلمانوں پر مذہبی جنون کی گرفت کمزور کرنے کی ترکیبیں سوچتے اور اُن پر عمل کرتے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ ایک مسلمان جو دس غیر مسلموں کا مقابلہ کرتا ہے وہ کوئی فرشتہ اور جن بھوت نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے اندر اللہ کی طاقت اور اپنے عقیدے کی قوت محسوس کرتا ہے جو اُسے کسی لالچ سے اور اپنی جان سے بھی

بے نیاز کر دیتی ہے۔ چنانچہ صلاح الدین ایوبی سے بہت پہلے ہی یہودی اور صلیبی عالموں اور مفکروں نے مسلمانوں کی عسکری رُوح کو مُردہ کرنے کے لیے اُن کی کردار کُشی شروع کر دی تھی اور اُن کے مذہبی عقائد میں کوشش کاٹ کر کے اُن کے ایمان کو کمزور کرنا شروع کر دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کی بدنصیبی یہ تھی کہ وہ جب صلیبیوں کے خلاف اٹھے تو اُس وقت تک صلیبیوں کی نظریاتی یلغار بہت حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ اسلام کے دشمنوں نے اس یلغار کو دو طرفہ استعمال کیا تھا۔ اوپر کے طبقے کو جس میں حکمران، امراء اور وزراء وغیرہ تھے، دولت، عورت اور شراب کا دلدادہ بنا دیا تھا اور نیچے یعنی پسماندہ لوگوں میں توہم پرستی اور مذہب کے خلاف وسوسے پیدا کر دیئے تھے جس طرح زنگی اور ایوبی نے فنِ حرب و ضرب میں نئے تجربے کئے اور نئی چالیں وضع کیں اسی طرح صلیبیوں نے درپردہ کردار کشی کے میدان میں نئے طریقے دریافت کیے۔ تین چار یورپی مؤرخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بعض صلیبی حکمرانوں نے میدانِ جنگ کو اہمیت دینی ہی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس نظریے کے قائل ہو گئے تھے کہ جنگ اس طریقے سے لڑو کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت زائل ہوتی رہے۔ زوردار حملہ اُن کے مذہبی عقائد پر کرو اور اُن کے دلوں میں ایسے وہم پیدا کر دو جو مسلمان قوم اور فوج کے درمیان بداعتمادی اور حقارت پیدا کر دیں۔ اس مکتبۂ فکر کے صلیبی مفکروں میں فلپ آگسٹس سرِفہرست تھا۔ یہ صلیبی حکمران اسلام دشمنی کو اپنے مذہب کا بنیادی اصول سمجھتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہماری جنگ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی سے نہیں، یہ صلیب اور اسلام کی جنگ ہے جو ہماری زندگی میں نہیں تو کسی نہ کسی وقت ضرور کامیاب ہو گی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کی اُبھرتی ہوئی نسل کے ذہن میں قومیت کی بجائے جنسیت بھر دو اور انہیں ذہنی عیاشی میں ڈبو دو۔

آگسٹس اپنے مشن کی کامیابی کے لیے میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ ہم جس دور یعنی ۱۱۶۹ء کے لگ بھگ کی کہانی سنا رہے ہیں اُس وقت وہ نورالدین زنگی کے ہاتھوں شکست کھا مفتوحہ علاقے واپس کر چکا تھا۔ اُس نے زنگی کو تاوان بھی دیا تھا اور جنگ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط کر کے جزیہ دے رہا تھا، مگر جنگی قیدیوں کے تبادلے میں اُس نے چند ایک معمولی مسلمان سپاہی واپس کیے۔ تندرست قیدیوں کو اُس نے قتل کر دیا تھا۔ اور اب وہ کرک کے قلعے میں اسلام کی بیخ کنی کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں اسلام دشمنی غبط کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ اس کی بعض چالیں ایسی غضبیہ ہوتی تھیں کہ اُس کے اپنے صلیبی حکمران اور جرنیل بھی اُسے شک کی نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ اُس پر اپنے ساتھیوں نے یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ اندر سے مسلمانوں کا دوست ہے اور اُن کے ساتھ سودا بازی کر رہا ہے۔ ایک یورپی مؤرخ، آندرے آزون کے مطابق، اس الزام کے جواب میں ایک بار آگسٹس نے کہا تھا "ایک مسلمان حکمران کو پھانسنے کے لیے میں اپنی کنواری بیٹیوں کو بھی اُس کے حوالے کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ صلح نامے اور دوستی کے معاہدے کرنے سے گھبراتے ہو کیونکہ اس میں تم اپنی توہین کا پہلو دیکھتے ہو، تم یہ نہیں سوچتے کہ مسلمان کو میدانِ جنگ کی نسبت صلح کے میدان میں مارنا آسان ہے۔ ضرورت پڑے تو

اس کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح نامہ کرو، معاہدہ کرو اور گھر آ کر معاہدے اور صلح نامے کے اُلٹ عمل کرو۔ کیا میں ایسا نہیں کر رہا؟ کیا تم نہیں جانتے کہ میرے خون کے رشتے کی دو لڑکیاں دمشق کے ایک شیخ کے حرم میں ہیں؟ کیا اس شیخ سے تم لڑے بغیر بہت سارا علاقہ لے نہیں چکے؟ کیا اس نے دوستی کا حق ادا نہیں کیا؟ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتا ہے اور میں اس کا جانی دشمن ہوں۔ میں ہر ایک غیر مسلم سے کہوں گا کہ مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کرو اور انہیں دھوکہ دے کر مارو۔"

☆

یہ تھی وہ صلیبی ذہنیت جو ایک کامیاب سازش کے تحت سلطنتِ اسلامیہ کی جڑوں کو دیمک کی طرح کھا رہی تھی۔ اسی سازش کا یہ نتیجہ تھا کہ مصر میں بغاوت کی چنگاری شعلہ بننے لگی تھی جسے سرد کرنے کے لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کو کرک کا محاصرہ اس حالت میں اٹھانا پڑا جب وہ صلیبیوں کی ایک سوار فوج کو قلعے سے باہر شکست دے چکا تھا۔ اُسے محاصرہ نورالدین زنگی کے حوالے کر کے اپنی فوج سمیت قاہرہ جانا پڑا۔ وہ دل برداشتہ تو نہیں تھا لیکن دل پر ایسا بوجھ تھا جو اُس کے چہرے پر صاف نظر آ رہا تھا۔ اُس کی فوج کے سپاہی اس خیال سے مطمئن تھے کہ انہیں آرام کے لیے قاہرہ لے جایا جا رہا ہے لیکن دستوں کے وہ کمان دار جو سلطان ایوبی کے عزم اور لڑنے کے طریقے

کہ ہمیں فوج انہی علاقوں سے ملتی ہے اور ہماری موجودہ فوج انہی علاقوں سے آئی ہے۔ بے بنیاد اور غیر اسلامی عقیدے فوج میں بھی آ گئے ہیں؟"

"کیا آپ نے اس کا تدارک نہیں کیا؟" حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔

"جی ہاں!" علی بن سفیان نے کہا۔ "میرا تمام تر شبہ مصریوں کے سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے میں مصروف ہے۔ میں نے اپنے جاسوس اور فدائی علاقوں میں بھی پھیلا رکھے ہیں، مگر دشمن کی تخریب کاری اتنی زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس کے آدمیوں کو پکڑنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلمان بھائی دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کو پناہ اور تحفظ دیتے ہیں۔ کیا آپ یہ سن کر حیران نہیں ہوں گے کہ دیہاتی علاقوں کی بعض مسجدوں کے امام بھی دشمن کی تخریب کاری میں شامل ہو گئے ہیں؟"

"یہ تو ہو نہیں سکتا کہ میں انتظامیہ فوج کے سپرد کر دوں"۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا۔ "فوج جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ یہ اسی کی تکمیل کا فرض ادا کرتی رہے تو سلطنت کے لیے بھی بہتر ہوتا ہے اور فوج کے لیے بھی۔ جس طرح ایک کمزور سالار نہیں بن سکتا اسی طرح کوئی سالار کمزور کے فرائض سرانجام نہیں دے سکتا۔ البتہ ہر سالار کو یہ ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ کمزور کیا ہے اور ہر سالار کو باخبر رہنا چاہیے کہ انتظامیہ کیا کر رہی ہے۔ کیا واقعی فرائض میں کوتاہی تو نہیں ہو رہی؟.... میرے رفیقو! ہمیں خدا نے تاریخ کی سب سے زیادہ کڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ مصر کے حالات آپ نے سن لیے ہیں۔ سوڈان کا حملہ ناکام ہو گیا ہے۔ تقی الدین اپنی غلطیوں کی بدولت سوڈان کے صحرا میں پھنس کے رہ گیا ہے۔ اس کی فوج چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بکھر گئی ہے۔ اس کی پسپائی بھی ممکن نظر نہیں آتی۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ محترم زنگی کرک فتح کریں گے یا نہیں، لیکن اسے بھی میں اپنی ناکامی کہتا ہوں۔ آپ انتہائی مشکل حالات میں بھی میدانِ جنگ میں دشمن کو شکست دے سکتے ہیں مگر دشمن نے جس محاذ پر حملہ کیا ہے، اس پر دشمن کو شکست دینا آپ کے لیے بظاہر آسان نظر نہیں آتا۔ آپ تیغ زن ہیں۔ صحراؤں کا سینہ چیر سکتے ہیں، مگر مجھے خطرہ نظر آ رہا ہے کہ صلیبیوں کے اس محاذ پر آپ ہتھیار ڈال دیں گے۔"

حاضرین میں چند ایک جوشیلی اور پُرعزم آوازیں سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "اس وقت جو فوج مصر میں ہے وہ جب شوبک اور کرک کے محاذ سے منگوائی تو اس کے کمانداروں اور عہدیداروں کا جذبہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا آج آپ کا ہے مگر قاہرہ پہنچ کر جب انہوں نے دشمن کے سبز باغ دیکھے تو بغاوت کے لیے تیار ہو گئے۔ اب اس فوج کی کیفیت یہ ہے کہ آپ اس پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔"

"ہم ایسے ایک ایک کمانڈر اور عہدیدار کو قتل کر کے دم لیں گے"۔ ایک سالار نے کہا۔

"ہم سب سے پہلے اپنی صفوں کو غداروں سے پاک کریں گے"۔ ایک اور نے کہا۔

"اگر میرا بیٹا صلیبیوں کا دوست نکلا تو میں اپنی تلوار سے اس کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھ دوں گا"۔ ایک بوڑھے نائب سالار نے کہا۔

"میں اس قسم کی جوشیلی اور جذباتی باتوں کا قائل نہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

حاضرین کا جوش غضب ناک ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو سلطان ایوبی کے سامنے بات کرنے سے ڈرا کرتے تھے۔ مگر اب یہ سن کر کہ ان کی فوج کی وہ نفری جو مصر میں ہے دشمن کی تخریب کاری کا شکار ہو کر اپنی سلطنت کے خلاف بغاوت پر اتر آئی ہے تو وہ لوگ آگ بگولہ ہو گئے۔ ایک نے سلطان ایوبی کو یہاں تک کہہ دیا۔ "آپ ہمیں ہمیشہ تحمل سے سوچنے اور بردباری سے عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں، مگر بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جنہیں تحمل اور بردباری اور زیادہ بگاڑ دیتی ہے۔ ہمیں اجازت دیں کہ قاہرہ تک ہم ایک بھی پڑاؤ نہ کریں۔ ہم آرام اور خوراک کے بغیر متواتر سفر کریں گے۔ ہم اس فوج کو نہتہ کر کے قید کر لیں گے۔"

صلاح الدین ایوبی کے لیے ان حکام پر قابو پانا محال ہو گیا۔ اس نے کچھ اور انہیں کہہ سن کر مجلس برخاست کر دی۔ علی الصبح فوج نے کوچ کیا۔ یہ کوچ ترتیب سے ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی اپنے عملے کے ساتھ الگ تھلگ جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ علی بن سفیان اس کے ساتھ نہیں تھا۔ شام تک فوج کو دو مرتبہ کچھ دیر کے لیے روکا گیا۔ شام گہری ہونے کے بعد بھی فوج چلتی رہی۔ رات کا پہلا پہر ختم ہو رہا تھا جب سلطان ایوبی نے رات کے قیام کے لیے فوج کو روکا۔ سلطان کھانے سے فارغ ہوا تو علی بن سفیان آ گیا۔

"سارا دن کہاں رہے علی؟"۔ سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"گزشتہ رات میرے دل میں ایک شک پیدا ہو گیا تھا"۔ علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "اس کی تصدیق یا تردید کے لیے سارا دن فوج میں گھومتا پھرتا رہا۔"

"کیسا شک؟"

"آپ نے رات دیکھا نہیں تھا کہ تمام سالار، کمانڈر اور عہدیدار کس طرح اس فوج کے خلاف بھڑک اٹھے تھے جو مصر میں ہے؟"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "مجھے شک ہونے لگا تھا کہ یہ اپنے اپنے دستوں کو بھی اسی طرح بھڑکائیں گے۔ میرا شک صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے تمام تر فوج کو مصر کی فوج کے متعلق ایسی باتیں بتائی ہیں کہ تمام فوج انتقامی جذبے سے مشتعل ہو گئی ہے۔ میں نے سپاہیوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ ہم محاذوں پر زخمی اور شہید ہوتے ہیں اور ہمارے ہی ساتھی قاہرہ میں عیش کرتے اور اسلامی پرچم کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جاتے ہی انہیں ختم کریں گے پھر سوڈان میں پھنسی ہوئی فوج کی مدد کو پہنچیں گے۔ قابلِ صد احترام امیر! اگر ہم نے کوئی پیش بندی نہ کی تو قاہرہ میں پہنچتے ہی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ ہماری یہ فوج انتقامی جذبے کے زیرِ اثر غصے میں ہے اور ہماری مصر والی فوج پہلے ہی بغاوت کے بہانے ڈھونڈ رہی ہے۔"

"مجھے اس پر تو خوشی ہے کہ مسلسل معرکوں کی تھکی ہوئی اس فوج میں یہ جذبہ پیدا ہو گیا ہے"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "مگر ہمارا دشمن یہی چاہتا ہے کہ ہماری فوج دو حصوں میں بٹ کر آپس میں ٹکرا جائے"۔ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا پھر کہنے لگا۔ "جب ہم قاہرہ سے خاصا دور ہوں گے تو میں ذمہ دار اور ذہین قاصد بھیج کر مصر والی فوج کو کسی دوسرے راستے سے کرک کی سمت کوچ کا حکم دے دوں گا۔ شاید میں خود آگے چلا جاؤں اور اس فوج کو کوچ کرا

دوں تاکہ یہ فوج جو ہمارے ساتھ ہے جب وہاں پہنچے تو وہاں اُسے اس فوج کا کوئی سپاہی نظر نہ آئے۔ تم نے اچھا کیا ہے علی! میری توجہ ادھر نہیں گئی تھی۔"

☆

وہ پُراسرار غیب دان جس کے متعلق سرحد کے دیہاتی علاقوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ آسمان سے آیا ہے، خدا کا دین لایا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے اپنے مصاحبوں کے قافلے کے ساتھ سفر کرتا تھا۔ جنہوں نے اُسے دیکھا تھا وہ کہتے تھے کہ وہ بوڑھا نہیں۔ اُس کی داڑھی بھُورے رنگ کی اور چہرے کی رنگت گوری بتائی جاتی تھی۔ اُس نے سر کے بال بڑھا رکھے تھے۔ لوگ بتاتے تھے کہ اُس کی شربتی آنکھوں میں پورے چاند جیسی چمک ہے اور اُس کے دانت ستاروں کی طرح سفید اور شفاف ہیں۔ اُس کا قد دراز اور جسم گٹھا ہوا بتایا جاتا تھا اور وہ بولتا تھا تو سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ اُس کے ساتھ بہت سے مصاحب اور بہت سے اونٹ تھے۔ سامان والے اونٹ الگ تھے جن میں سے بعض پر بہت بڑے بڑے مشکے لدے ہوتے تھے۔ اُس کا قافلہ آبادی سے دُور رکتا اور وہ وہیں لوگوں سے ملتا تھا۔ کسی آبادی میں نہیں جاتا تھا۔ وہ ایک جگہ سے کُوچ کرتا تو اُس کے آگے آگے کچھ لوگ اونٹ اور گھوڑے بھگا دیتے اور راستے میں آنے والے گاؤں اور بستیوں میں خبر کر دیتے تھے کہ وہ آ رہا ہے۔ یہ لوگ ہر کسی کو اُس کی کرامات اور روحانی قوتوں کے کرشمے سناتے تھے۔ لوگ کئی کئی دن اُس کے راستے میں بیٹھے رہتے تھے۔

جس رات علی بن سفیان صلاح الدین ایوبی کو بتا رہا تھا کہ محاذ سے قاہرہ کو جانے والی فوج مصر میں مقیم فوج کے خلاف مشتعل ہو گئی ہے، اُس رات وہ غیب دان قاہرہ سے بہت دُور ایک نخلستان میں خیمہ زن ہُوا۔ اُس کا ایک معمول یہ تھا کہ چاندنی راتوں میں کسی سے نہیں ملتا تھا۔ دن کے دوران کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا تھا۔ اندھیری راتیں اُسے پسند تھیں۔ اُس کی محفل ایسی قندیلوں سے روشن ہوتی تھی جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسری سے مختلف تھا۔ ان قندیلوں کا بھی ایک تاثر تھا جو حاضرینِ محفل کے لیے طلسماتی تھا۔ وہ جہاں خیمہ زن ہُوا تھا اُس سے کچھ دُور ایک بستی تھی جس میں زیادہ تر مسلمان اور کچھ سوڈانی حبشی رہتے تھے۔ اس بستی میں ایک مسجد بھی تھی جہاں کا امام ایک خاموش طبیعت انسان تھا۔ ایک جوان سال آدمی کوئی ڈیڑھ دو مہینوں سے اُس کے پاس دینی تعلیم حاصل کرنے آیا کرتا تھا۔ یہ آدمی جو اپنا نام محمود بن احمد بتاتا تھا کسی دوسری بستی سے مسجد میں جایا کرتا تھا۔ اُس کی دلچسپی امام مسجد اور اس کے علم کے ساتھ تھی مگر اس کی ایک دلچسپی اور بھی تھی۔ یہ ایک جوان لڑکی تھی جس نے اسے اپنا نام سعدیہ بتایا تھا۔ سعدیہ کو محمود اتنا اچھا لگا کہ وہ اسے کئی بار اپنی بکریوں کا دودھ پلا چکی تھی۔

اُن کی پہلی ملاقات بستی سے دُور ایک ایسی جگہ ہوئی تھی جہاں سعدیہ اپنی چار بکریاں اور دو اونٹ چرانے اور انہیں پانی پلانے کے لیے لے گئی تھی۔ محمود وہاں پانی پینے کے لیے رُکا تھا۔ سعدیہ نے اُس سے پوچھا تھا، کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ محمود نے کہا تھا کہ نہ کہیں سے آ رہا ہوں نہ کہیں جا رہا ہوں۔ سعدیہ سادگی سے ہنس پڑی تھی۔ جواب ہی کچھ ایسا تھا۔ سعدیہ نے محمود سے قدرتی سا سوال پوچھا "مسلم ہو؟ سوڈانی ہو؟"

محمود نے جب جواب دیا کہ وہ مسلمان ہے تو سعدیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ محمود نے اُسے اپنا صحیح ٹھکانہ نہیں بتایا تھا۔ اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں کیں جو سعدیہ کو اچھی لگی تھیں۔ سعدیہ اُس سے سوڈان کی جنگ کے متعلق پوچھنے لگی۔ اس کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ اُسے اسلامی فوج کے ساتھ دلچسپی ہے۔ اُس نے جب صلاح الدین ایوبی کے متعلق پوچھا تو محمود نے اس کی ایسی تعریفیں کیں جیسے سلطان ایوبی انسان نہیں خدا کا اتارا ہُوا فرشتہ ہے۔ سعدیہ نے پوچھا "کیا صلاح الدین ایوبی اُس سے زیادہ مقدس اور برگزیدہ ہے جو آسمان سے اُترا ہے اور مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتا ہے؟"

"صلاح الدین ایوبی مرے ہوؤں کو زندہ نہیں کر سکتا۔" محمود نے جواب دیا۔

"ہم نے سُنا ہے کہ جو لوگ زندہ ہوتے ہیں انہیں صلاح الدین ایوبی مار ڈالتا ہے۔" سعدیہ نے شکی لہجے میں کہا "لوگ یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہے اور ہماری طرح کلمہ اور نماز پڑھتا ہے؟"

"تمہیں کس نے بتایا ہے کہ وہ لوگوں کو مار ڈالتا ہے؟"

"ہمارے گاؤں میں سے مسافر گزرتے رہتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی بہت بُرا آدمی ہے۔" سعدیہ نے کہا۔

"تمہاری مسجد کا امام کیا بتاتا ہے؟" محمود نے بتایا۔

"وہ بہت اچھی باتیں بتاتا ہے۔" سعدیہ نے کہا۔ "وہ سب کو کہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی اسلام کی روشنی سارے مصر اور سوڈان میں پھیلانے آیا ہے اور اسلام ہی خدا کا سچا دین ہے۔"

محمود اُس کے ساتھ اسی موضوع پر باتیں کرتا رہا تھا۔ سعدیہ سے اُسے پتہ چلا کہ اُس کے گاؤں میں ایسے آدمی آتے رہتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں مگر باتیں ایسی کرتے ہیں کہ کئی لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ محمود نے سعدیہ کے شکوک رفع کر دیئے اور اپنی ذات، میٹھی زبان اور شخصیت کا اُس پر ایسا اثر پیدا کیا کہ سعدیہ نے بے تابی سے کہا کہ وہ اکثر یہیں بکریاں چرانے آیا کرتی ہے اور محمود جب کبھی اِدھر سے گزرے اُسے ضرور ملے۔ محمود اُسے جذبات اور حقائق کے درمیان بھٹکتا چھوڑ کر اس کے گاؤں کی طرف چلا گیا۔ سعدیہ یہ سوچتی رہ گئی کہ وہ کون ہے؟ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کا لباس اسی علاقے کا تھا مگر اُس کی شکل و صورت اور اُس کی باتیں بتاتی تھیں کہ وہ اس علاقے کا رہنے والا نہیں.... سعدیہ کے شکوک صحیح تھے۔ محمود بن احمد دیہاتی علاقے کا رہنے والا نہیں تھا۔ سکندریہ شہر کا باشندہ تھا اور وہ علی بن سفیان کی داخلی جاسوسی (انٹیلی جنس) کا ایک ذہین کارکن تھا۔ وہ کئی مہینوں سے اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے سرحدی دیہات میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس نے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام خفیہ رکھا ہُوا تھا۔ اُس کے ساتھ چند اور جاسوس بھی تھے جو اس علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ کبھی کبھی اکٹھے ہوتے اور اُن کے جو مشاہدات ہوتے تھے وہ اپنے کسی ایک ساتھی کے سپرد کر کے اُسے قاہرہ بھیج دیتے تھے۔ اس طرح علی بن سفیان کے شعبے کو پتہ چلتا رہتا تھا کہ سرحدی علاقے میں کیا ہو رہا ہے۔

محمود بن احمد کو سعدیہ مل گئی تو اُس نے اس لڑکی کے ساتھ بھی ایسی باتیں کیں جن سے اُسے گاؤں اور گردوپیش کے علاقے کے لوگوں کے خیالات کا علم ہو سکتا تھا۔ اُس نے سعدیہ سے کہ گاؤں کی مسجد کے امام کے متعلق خاص طور پر پوچھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ دو گاؤں میں اُس نے ایسے امام مسجد دیکھے تھے جو شکوک سے گئے تھے۔ وہاں کے لوگوں سے اُسے پتہ چلا تھا کہ یہ دونوں امام نئے نئے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ان مسجدوں میں امام تھے ہی نہیں۔ دونوں جہاد کے خلاف وعظ سناتے اور قرآن کی آیات پڑھ کر غلط تفسیریں بیان کرتے تھے، اور یہ دونوں پُراسرار غیب دان کو برحق بتاتے اور لوگوں میں اس کی زیارت کا اشتیاق پیدا کرتے تھے۔ محمود اور اُس کے دو ساتھیوں نے ان دونوں اماموں کے متعلق پوری رپورٹ قاہرہ بھیج دی تھی اور اب وہ سعدیہ کے گاؤں جا رہا تھا۔ اُسے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ اس گاؤں کا امام سلطان ایوبی کا مربّہ اور اسلام کا علمبردار ہے۔ اُس نے اسی مسجد کو اپنا ٹھکانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

☆

وہ مسجد میں گیا اور امام سے ملا۔ اپنا جھوٹا تعارف کرا کے اُس نے کہا کہ وہ مذہبی علم کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ امام نے اُسے تعلیم دینے کا وعدہ کیا اور اُسے مسجد میں ہی رہنے کی پیش کش کی۔ محمود مسجد میں قید نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے امام سے کہا کہ وہ دو تین روز بعد اپنے گھر جایا کرے گا۔ اُس نے امام کو بھی اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ امام نے اُس سے نام پوچھا تو اُس نے کچھ اور نام بتا دیا۔ یہ پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے تو اس نے دُور کسی سرحدی گاؤں کا نام بتایا۔ امام مسکرایا اور آہستہ سے بولا ــــ "محمود بن احمد! مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم اپنے فرائض سے بے خبر نہیں۔ سکندریہ کے مسلمان فرض کے پکے ہوتے ہیں۔"

محمود ایسا چونکا جیسے بدک اٹھا ہو۔ وہ سمجھا کہ یہ امام صلیبیوں کا جاسوس ہے، لیکن امام نے اُسے زیادہ دیر شک میں نہ رہنے دیا اور کہا ــــ "میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے کم از کم تمہارے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کر دینا چاہئے۔ میں تمہارے ہی محکمے کا آدمی ہوں۔ میں تمہارے تمام ساتھیوں کو جو اس علاقے میں ہیں جانتا ہوں، مجھے تم میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں محترم علی بن سفیان کے اُس عملے کا آدمی ہوں جو دشمن پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے جاسوسوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔ میں امام بن کر جاسوسی کا کام کر رہا ہوں۔"

"پھر میں آپ کو دانشمند آدمی نہیں کہوں گا۔" محمود بن احمد نے کہا ــــ "آپ نے جس طرح میرے سامنے اپنے آپ کو بے نقاب کیا ہے، اس طرح آپ دشمن کے کسی جاسوس کے سامنے بھی بے نقاب ہو سکتے ہیں۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم میرے آدمی ہو۔" امام نے کہا ــــ "ضرورت ایسی آ پڑی ہے کہ تمہیں اپنا اصلی روپ بتانا ضروری سمجھا۔ میرے ساتھ دو محافظ ہیں جو یہاں باشندوں کے بہروپ میں گاؤں میں موجود رہتے ہیں۔ مجھے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اچھا ہوا کہ تم آ گئے۔ اس گاؤں میں دشمن کے تخریب کار آ رہے ہیں۔ تم نے اس آدمی کے متعلق سنا ہوگا جس کے متعلق مشہور ہو گیا ہے کہ وہ مستقبل کے اندھیرے کی خبر دیتا اور مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ یہ گاؤں بھی اُس کی ان دیکھی کرامات کی زد میں آ گیا ہے۔ میں نے گاؤں والوں کو شروع میں بتایا تھا

کہ یہ سب جھوٹ ہے اور لاشوں میں کوئی انسان جان نہیں ڈال سکتا، مگر اُس کی شہرت کا بادہ اتنا تیز ہے کہ لوگ میرے خلاف ہونے لگے۔ میں سنبھل گیا کیونکہ میں اس مسجد سے نکالا نہیں جانا چاہتا۔ مجھے ایک اڈے اور ٹھکانے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے گمراہ کئے ہوئے لوگوں کو اسلام کا سیدھا راستہ بھی دکھانا ہے۔ پندرہ بیس روز گزرے، رات کو دو آدمی میرے پاس آئے۔ میں اکیلا تھا۔ اُن دونوں کے چہروں پر نقاب تھے۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے انہیں کہا کہ میرا اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو درس بند کر دو اور اُس کی باتیں کرو جو آسمان سے آیا ہے اور خدا کا نیا مذہب لایا ہے۔ میں دونوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ میں ہتھیار ہر وقت اپنے پاس رکھتا ہوں لیکن میں لڑ کر قتل کر کے یا قتل ہو کر اپنا فرض پورا نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے عقل سے کام لیا اور انہیں یہ تاثر دیا کہ آج سے وہ مجھے اپنا آدمی سمجھیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ اُن کی باتوں پر عمل کرے گا تو اُسے ایک انعام یہ ملے گا کہ اُسے قتل نہیں کیا جائے گا اور دوسرا یہ کہ اُسے اشرفیاں دی جائیں گی۔"

"پھر آپ نے اپنے وعظ اور خطبے کا رنگ بدل دیا ہے؟" محمود نے پوچھا۔

"کسی حد تک۔" امام نے جواب دیا ــــ "میں اب دونوں قسم کی باتیں کرتا ہوں۔ مجھے اشرفیوں کی نہیں، اپنی جان کی ضرورت ہے۔ میں اپنا فرض ادا کیے بغیر مرنا نہیں چاہتا۔ میں گاؤں سے باہر جا کر تمہیں یا تمہارے کسی ساتھی کو ڈھونڈنا بھی نہیں چاہتا کیوں کہ اُس کی جان بھی خطرے میں پڑ جاتی۔ خدا نے خود ہی تمہیں میرے پاس بھیج دیا ہے۔ میرے محافظ اُس رات میرے پاس نہیں تھے۔ اب تم ہی میرے ساتھ رہو۔ تم میرے شاگرد کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گے۔ تم سیدھی سادی گنواروں کی سی باتیں کیا کرنا۔ گاؤں میں چار پانچ آدمی ایسے ہیں جو ہمارا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اگر ہمیں قریب کوئی سرحدی دستہ مل جائے تو ہمارا مقصد پورا ہو سکتا ہے مگر ہمارے سرحدی دستوں کے کسی کمانڈر پر بھروسہ کرنا بڑا خطرناک ہے۔ دشمن نے اشرفیوں اور عورتوں سے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ وہ تنخواہ ہمارے خزانے سے لیتے اور کام دشمن کا کرتے ہیں۔"

محمود بن احمد اُس کے پاس رُک گیا۔ اُسی روز امام نے اُسے اپنے دونوں محافظوں سے ملا دیا۔

شام کو جب سعدیہ مسجد میں امام کے لیے کھانا لے کر آئی تو محمود کو دیکھ کر ٹھٹک گئی اور مسکرائی۔ محمود نے پوچھا ــــ "میرے لیے کھانا نہیں لاؤ گی؟" سعدیہ کھانا امام کے حجرے میں رکھ کر دوڑی گئی اور روٹی کے ساتھ ایک پیالے میں بکریوں کا دودھ بھی لے آئی۔ وہ چلی گئی تو امام نے محمود سے کہا ــــ "یہ اس علاقے کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی ہے۔ ذہین بھی ہے اور کم عمر بھی۔ اس کا سودا ہو رہا ہے۔"

"سودا یا شادی؟"

"سودا" ــــ امام نے کہا ــــ "تم جانتے ہو کہ ان لوگوں کی شادی دراصل سودا ہوتا ہے مگر سعدیہ کا یہ جاسوس ہو رہا ہے۔ ہمیں اس کے متعلق پریشان نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن خریدار مشکوک لوگ ہیں۔ وہ یہاں کے رہنے والے نہیں۔ یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جو مجھے دھمکی دے گئے ہیں۔ تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ وہ اس لڑکی کو اپنے رنگ

ہیں تنگ کر ہمارے خلاف استعمال کریں گے اس لیے اسے بچانا ضروری ہے اور اس لیے بھی اسے بچانا ضروری ہے کہ یہ لڑکی مسلمان ہے۔ ہمیں سلامت کے ساتھ ساتھ سلامت کی بچیوں کی عصمت کی حفاظت بھی کرنی ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ سودا نہیں ہو سکے گا۔ سعدیہ کے باپ کو میں نے اپنا مُرید بنا رکھا ہے لیکن وہ غریب اور تنہا آدمی ہے اور رسم و رواج سے بھاگ بھی نہیں سکتا۔ بہرحال سلامت اور سعدیہ کی عصمت کے محافظ ہمارے سوا اور کوئی نہیں۔"

اس کے بعد محمود امام کا شاگرد بن گیا۔ دن گزرنے لگے اور اس کی ملاقاتیں سعدیہ کے ساتھ ہونے لگیں۔ لڑکی چراگاہ میں چلی جاتی اور محمود وہاں پہنچ جاتا تھا۔ اُن کی بے تکلفی بڑھ گئی تو محمود نے سعدیہ سے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جو اُسے خریدنا چاہتے ہیں۔ سعدیہ انہیں نہیں جانتی تھی۔ اُس کے لیے وہ اجنبی تھے۔ انہوں نے اُسے اس طرح آکر دیکھا تھا جس طرح گائے بھینس کو خریدنے سے پہلے دیکھا جاتا ہے۔ سعدیہ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کسی کی بیوی نہیں بنے گی۔ اُسے عرب کا کوئی دولتمند تاجر یا کوئی امیر اپنے حرم میں بند کر قید کرے گا جہاں وہ اپنا گھر بسائے بغیر بوڑھی ہو کر مر جائے گی۔ یا اسے ناچنا سکھا کر تفریح کی چیز بنا لیا جائے گا۔ اُس نے اپنے گاؤں کے نوجوانوں سے ایسی لڑکیوں کے بہت قصے سنے تھے۔ وہ اتنے پسماندہ علاقے میں رہتے ہوئے بھی ذہین تھی اور اپنا بُرا بھلا سوچ سکتی تھی۔ اُس نے محمود کو دیکھا تو اُسے دل میں بٹھا لیا اور اُس نے جب یہ دیکھا کہ محمود اُسے چاہنے لگا ہے تو اُس نے دل میں یہ ارادہ پختہ کر لیا کہ وہ فروخت نہیں ہوگی۔ وہ جانتی تھی کہ خریداروں سے بچنا اس کے لیے ممکن نہیں۔ ایک روز اُس نے محمود سے پوچھا — "تم مجھے خرید نہیں سکتے؟"

"خرید سکتا ہوں" — محمود نے کہا — "لیکن میں جو قیمت دوں گا وہ تمہارے باپ کو منظور نہیں ہوگی۔"

"کتنی قیمت دو گے؟"

"میرے پاس دینے کے لیے اپنے دل کے سوا کچھ بھی نہیں" — محمود بن احمد نے جواب دیا — "معلوم نہیں تم دل کی قیمت جانتی ہو یا نہیں۔"

"اگر تمہارے دل میں میری محبت ہے تو میرے لیے یہ قیمت بہت زیادہ ہے" — سعدیہ نے کہا — "تم ٹھیک کہتے ہو کہ میرے باپ کو یہ قیمت منظور نہیں ہوگی لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میرا باپ مجھے بیچنا کبھی نہیں چاہتا۔ اُس کی مجبوری یہ ہے کہ غریب ہے اور اکیلا ہے۔ میرا کوئی بھائی نہیں۔ میرے خریداروں نے میرے باپ کو دھمکی دی ہے، کہ اُس نے اُن کی قیمت قبول نہ کی تو وہ مجھے اغوا کر لیں گے۔"

"تمہارا باپ اتنی زیادہ قیمت کیوں قبول نہیں کرتا؟" — محمود نے پوچھا — "لڑکیوں کو بیچنے کا تو یہاں رواج ہے۔"

"باپ کہتا ہے وہ لوگ مسلمان نہیں لگتے" — سعدیہ نے کہا — "میں نے بھی باپ سے کہہ دیا ہے کہ میں کسی غیر مسلم کے پاس نہیں جاؤں گی" — اُس نے بے تاب ہو کر کہا — "تم اگر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار ہو تو میں ابھی تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔"

"میں تیار ہوں" — محمود نے کہا۔

"تو چلو" — سعدیہ نے کہا — "آج ہی رات چلو۔"

"نہیں" — محمود کے منہ سے نکل گیا — "میں اپنا فرض پورا کیے بغیر کہیں بھی نہیں جا سکتا۔"

"کیسا فرض؟" — سعدیہ نے پوچھا۔

محمود بن احمد چونکا۔ وہ سعدیہ کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اُس کا فرض کیا ہے۔ اُس نے منہ سے نکلی ہوئی بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی مگر سعدیہ اُس کے پیچھے پڑ گئی۔ محمود کو اچانک یاد آ گیا — اُس نے کہا — "میں امام سے مذہبی تعلیم لینے آیا ہوں۔ اس کی تکمیل کیے بغیر میں کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"اس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہاں پہنچا دیا جائے گا" — سعدیہ نے کہا۔

محمود فرض کر ایک لڑکی پر قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ اُس کے دل میں یہ شک بھی پیدا ہوا کہ یہ لڑکی دشمن کی جاسوس بھی ہو سکتی ہے جسے اُسے بیکار کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے سعدیہ کے متعلق چھان بین کرنا ضروری سمجھا۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی فوج قاہرہ سے آٹھ دس میل دور تھی۔ اُسے بتا دیا گیا تھا کہ فوج مشغول ہے اور مصر کی فوج پر ٹوٹ پڑے گی۔ سلطان ایوبی نے وہاں پڑاؤ کا حکم دے دیا اور سپاہیوں میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہ خود سپاہیوں کے جذبات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ وہ ایک سوار کے پاس رُکا تو کئی سوار اور پیادہ اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس نے ان کے ساتھ غیر ضروری سی باتیں کیں تو ایک سوار بول پڑا۔ اُس نے پوچھا — "گستاخی معاف سالارِ اعظم! یہاں پڑاؤ کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم شام تک قاہرہ پہنچ سکتے تھے۔"

"تم لوگ لڑنے آئے ہو" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں تمہیں اس کھلے صحرا میں آرام دینا چاہتا ہوں۔"

"ہم لڑنے آئے ہیں اور لڑنے جا رہے ہیں" — سوار نے کہا۔

"لڑنے جا رہے ہیں؟" — سلطان ایوبی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا — "میں تو تمہیں قاہرہ سے جا رہا ہوں جہاں تم اپنے دوستوں سے ملو گے۔"

"وہ ہمارے دشمن ہیں" — سوار نے کہا — "اگر یہ سچ ہے کہ ہمارے دوست بغاوت کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو وہ ہمارے دشمن ہیں۔"

"صلیبیوں سے بدترین دشمن" — ایک اور سپاہی نے کہا۔

"کیا یہ سچ نہیں سالارِ اعظم کہ قاہرہ میں غداری اور بغاوت ہو رہی ہے؟" — کسی اور نے پوچھا۔

"کچھ گڑبڑ سُنی ہے" — سلطان ایوبی نے کہا — "میں مجرموں کو سزا دوں گا۔"

"آپ پوری فوج کو کیا سزا دیں گے؟" — ایک سوار نے کہا — "سزا ہم دیں گے۔ ہمیں کمانداروں نے قاہرہ کے سارے حالات بتا دیئے ہیں۔ ہمارے ساتھی شوبک اور کرک میں شہید ہوئے ہیں۔ دونوں شہروں کے امن ہماری بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت دری ہوئی ہے اور کرک میں ابھی آگ ہو رہی ہے۔ ہمارے ساتھی قلعے کی دیواروں سے دشمن کی پھینکی ہوئی آگ میں زندہ جل گئے ہیں۔ قبلۂ اوّل پر کافروں کا قبضہ ہے اور ہماری فوج قاہرہ میں

بیٹی پیش کر رہی ہے۔ آپ کے خلاف بغاوت کی تیاری کر رہی ہے۔ جنہیں شہیدوں کا پاس نہیں، اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کا خیال نہیں انہیں زندہ رہنے کا بھی حق نہیں۔ ہم جانتے ہیں وہ اسلام کے دشمن کے دوست بن گئے ہیں۔ ہم جب تک غداروں کی گردنیں اپنے ہاتھوں نہیں کاٹیں گے، ہمیں شہیدوں کی روحیں معاف نہیں کریں گی۔ ذرا ان زخمیوں کو دیکھئے جنہیں ہم اپنے ساتھ لا رہے ہیں۔ کسی کی ٹانگ نہیں، کسی کا بازو نہیں۔ کیا یہ اس لیے ساری عمر کے لیے اپاہج ہو گئے ہیں کہ ہمارے ساتھی اور ہمارے دوست دشمن کے ہاتھ میں کھیلیں؟"

"ہم انہیں اپنے ہاتھوں سزا دیں گے"۔۔۔ اور پھر ایسا شور بپا ہو گیا کہ ساری فوج وہاں جمع ہو گئی۔ صلاح الدین ایوبی کے لیے اس جوش و خروش پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ وہ سپاہیوں کے جوش اور جذبے کو سرد کر کے ان کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں صبر و تحمل کی تلقین کی۔ کوئی حکم نہ دیا۔ اپنے خیمے میں گیا۔ مشیروں اور نائبین کو بلا کر کہا کہ یہ فوج اگلے حکم تک یہیں پڑاؤ کرے گی۔ اُس نے کہا۔ "میں نے دیکھ لیا ہے کہ خانہ جنگی ہو گی۔ فوج کا آپس میں ٹکرانا دشمن کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ میں آج رات قاہرہ جا رہا ہوں۔ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ سپاہیوں کے جوش کو سرد کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے۔"

اُس نے ضروری احکام اور ہدایات دے کر کہا۔ "ہماری قاہرہ والی فوج جو بغاوت پر آمادہ ہے میری نظر میں بے گناہ ہے اور ہماری قوم کے وہ نوجوان جو جُوئے اور ذہنی عیاشی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں وہ بھی بے گناہ ہیں۔ فوج کو ہمارے اعلیٰ حکام نے غلط باتیں بتا کر بھڑکایا ہے۔ انہی حکام کے ایمان پر دشمن نے ہمارے ملک کے سب سے بڑے شہر میں ذہنی عیاشی کے سامان پھیلائے ہیں۔ اس اخلاقی تباہ کاری کو فروغ صرف اس لئے حاصل ہوا ہے کہ ہماری انتظامیہ کے وہ حکام جنہیں اس تخریب کاری کو روکنا تھا وہ اسے پھیلانے میں شریک ہیں۔ دشمن انہیں اُجرت دے رہا ہے جب کسی قوم کے سربراہ اور حکمران دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنے لگتے ہیں اس قوم کا یہی حشر ہوتا ہے۔ ہماری فوج سوڈان کے ظالم صحرا میں بکھری ہوئی لڑ رہی ہے، کٹ رہی ہے، سپاہی بھوکے اور پیاسے مر رہے ہیں اور ہمارے حاکم ان کی کمک رسد اور ہتھیار روکے بیٹھے ہیں۔ کیا یہ دشمن کی سازش نہیں جسے ہمارے اپنے بھائی کامیاب کر رہے ہیں؟ اس سے دشمن ایک فائدہ یہ اٹھا رہا ہے کہ تقی الدین اور اس کے وہ عسکری جو جذبۂ جہاد سے لڑ رہے ہیں وہ مر رہے ہیں اور نوبت ہتھیار ڈالنے تک آ گئی ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ ہماری قوم کو بتایا جائے گا کہ یہ دیکھو تمہاری فوج شکست کھا گئی ہے کیونکہ یہ اسی قابل تھی۔ ہمارے بعض بھائی مصر کی امارت پر قابض ہونے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ وہ سب سے پہلے فوج کو قوم کی نظروں میں رسوا اور ذلیل کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ من مانی کر سکیں۔ مجھے امارت کے ساتھ چپکے رہنے کی کوئی خواہش نہیں۔ اگر میرے مخالفین میں سے کوئی مجھے یہ یقین دلا دے کہ وہ میرے عزم کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے گا تو میں اس کی فوج میں سپاہی بن کر رہوں گا مگر ایسا کون ہے؟ یہ لوگ اپنی باقی زندگی بادشاہ بن کر گزارنا چاہتے ہیں خواہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر کے بادشاہی ملے اور میں اپنی زندگی میں قوم کو اُس مقام پر لانا چاہتا ہوں جہاں وہ اپنے دین کے دشمنوں کے سر پر پاؤں رکھ کر بادشاہی کرے۔ ہمارے ان لالچی اور غدار حاکموں کی نظر اپنے حال پر، اپنے آج پر ہے۔ میری نظر قوم کے مستقبل پر ہے۔"

اُس نے بولتے بولتے توقف کیا اور کہا۔ "میرا گھوڑا فوراً تیار کرو"۔۔۔ اُس نے اُن افراد کے نام لیے جنہیں اُس کے ساتھ جانا تھا۔ اُس نے کہا۔ "نہایت خاموشی سے ان سب کو بلاؤ اور انہیں قاہرہ چلنے کے لیے کہو۔ میرا خیمہ یہیں لگا رہنے دو تاکہ کسی کو شک نہ ہو کہ میں یہاں نہیں ہوں"۔۔۔ اُس نے گہرا سانس لیا اور کہا۔ "میں آپ کو سختی سے ذہن نشین کراتا ہوں کہ جو فوج بغاوت کے لیے تیار ہے میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ تم میں سے کوئی بھی اس فوج کے خلاف کمر درست نہ رکھے۔ اسی طرح اپنے نوجوانوں کو بھی قابلِ نفرت نہ سمجھنا میں اُن کے خلاف کارروائی کروں گا جو فوج اور قوم کو گمراہ اور ذلیل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ یہی فوج جب اپنے دشمن کے سامنے آئے گی اور دشمن اُس کا تیروں سے استقبال کرے گا تو فوج کو یاد آ جائے گا کہ وہ اللہ کی فوج ہے۔ دماغ سے بغاوت کے کیڑے نکل جائیں گے۔ آپ جب اپنے بچوں کو اپنے دین کا دشمن دکھائیں گے تو اُن کا ذہن از خود جُوئے سے ہٹ کر جہاد کی طرف آ جائے گا۔ میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کی بقا اور وقار فوج کے بغیر ممکن نہیں۔ میں صلیبیوں اور یہودیوں کے عزائم اور ان کے طرزِ جنگ اور ان کی زمین دوز کارروائیوں کو دیکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ اسلام کی فوج کو کمزور کر کے اسلام کا خاتمہ کریں گے۔ جس روز اور جس دور میں کسی بھی مسلمان ملک کی فوج کمزور ہو گئی وہ ملک اپنی آزادی اور اپنا وقار کھو بیٹھے گا۔ کسی بھی دور میں کوئی مسلمان مملکت مضبوط اور باوقار فوج کے بغیر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ ہمارا آج کا غلط اقدام اسلام کے مستقبل کو تاریک کر دے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آنے والی نسلیں ہماری لغزشوں، ناکامیوں اور کامیابیوں سے فائدہ اٹھائیں گی یا نہیں؟"

"امیرِ مصر!"۔۔۔ ایک مشیر نے کہا۔ "اگر ہمارے بھائی غداری کے فن میں ہی مہارت حاصل کرتے رہے تو آنے والی نسلیں غلام ہوں گی۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہو گا کہ آزادی کسے کہتے ہیں اور قومی وقار کیا ہے۔ کیا ہمارے پاس اس کا کوئی علاج ہے؟"

"قوم کا ذہن بیدار کرو"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "قوم کو رعایا نہ کہو۔ قوم کا ہر فرد اپنی جگہ بادشاہ ہوتا ہے۔ کسی بھی فرد کو قومی وقار سے محروم نہ کرو۔ ہمارے امراء اور حاکموں میں چونکہ بادشاہ اور خلیفہ بننے کا جنون سوار ہے، اس لیے وہ قوم کو رعایا بنا کر اسے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو۔ قوم جسموں کا مجموعہ نہیں جسے تم مویشیوں کی طرح ہانکتے پھرو۔ قوم میں دماغ بھی ہے، روح بھی ہے اور قومی وقار بھی ہے۔ قوم کی ان خوبیوں کو اُبھارو تاکہ قوم خود سوچے کہ اچھا کیا اور بُرا کیا ہے۔ اچھا کون اور بُرا کون ہے۔ اگر قوم محسوس کرے کہ صلاح الدین ایوبی سے بہتر امیر موجود ہے جو سلطنتِ اسلامیہ کے تحفظ کے ساتھ اسے سمندروں سے پار بھی وسعت دے سکتا ہے تو قوم کا کوئی بھی فرد مجھے راستے میں روک لے اور جرأت سے کہے کہ صلاح الدین تم یہ مسند خالی کر دو، ہم نے تم سے بہتر آدمی ڈھونڈ لیا ہے۔ قوم میں یہ سوچ بھی ہو اور جرأت بھی اور مجھ میں فرعونیت نہ ہو کہ اپنے خلاف بات کرنے والے کی گردن مار دوں۔ مجھے یہی خطرہ نظر آ رہا ہے کہ ملتِ اسلامیہ ایسے ہی فرعونوں کی نذر ہو جائے گی۔ قوم کو رعایا اور مویشی بنا دیا جائے گا۔ پھر مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے یا برائے نام مسلمان ہوں

گے۔ مذہب تو شاید ان کا یہی رہے مگر تہذیب و تمدن صلیبیوں کا ہوگا۔"

اتنے میں ایک محافظ نے اندر آکر بتایا کہ گھوڑا تیار ہے اور جن تین چار نائب سالاروں کو بلایا گیا تھا وہ بھی آگئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھ چار محافظ لیے۔ باقی محافظ دستے سے کہا کہ وہ اس کے خالی خیمے پر پہرہ دیتے رہیں اور کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ وہ یہاں نہیں ہے۔ اُس نے اپنے ساتھ جانے والے عملے سے کہا کہ وہ خاموشی سے فلاں جگہ پہنچ جائیں وہ ان سے آملے گا۔ اُس نے اپنا قائم مقام مقرر کیا اور باہر نکل گیا۔

☆

صحرا تاریک تھا۔ چودہ گھوڑے سرپٹ دوڑے جا رہے تھے۔ صلاح الدین ایوبی تاریکی چھٹنے سے پہلے قاہرہ پہنچ جانا چاہتا تھا۔ علی بن سفیان کو اُس نے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ اُس کی فوج پڑاؤ میں گہری نیند سو گئی تھی۔ جاگنے والے سنتریوں کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ نکل گیا ہے۔ قاہرہ والوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ سلطان ایوبی مصر میں داخل ہو چکا ہے.... رات کا پچھلا پہر تھا جب سلطان ایوبی کا قافلہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ اسے کسی سنتری نے نہ روکا۔ وہاں کوئی سنتری تھا ہی نہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "یہ ہے بغاوت کی ابتدا۔ شہر میں کوئی سنتری نہیں۔ فوج سوئی ہوئی ہے۔ بے پروا۔ بے نیاز، حالانکہ ہم دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں اور دشمن کے حملے کا خطرہ ہر لمحہ موجود ہے۔"

اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی، ایک لمحہ آرام کیے بغیر اُس نے مصر کے قائم مقام سالارِ اعلیٰ کو بلا لیا۔ الادریس کو بھی بلا لیا جس کے دونوں جوان بیٹوں کو غداروں نے دھوکے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل کرا دیا تھا۔ قائم مقام سالارِ اعلیٰ سلطان ایوبی کو دیکھ کر گھبرا گیا۔ سلطان ایوبی نے الادریس سے افسوس کا اظہار کیا۔ الادریس نے کہا — "میرے بیٹے میدانِ جنگ میں جانیں دیتے تو مجھے خوشی ہوتی۔ وہ دھوکے میں مارے گئے ہیں" — اُس نے کہا — "یہ وقت میرے بیٹوں کے ماتم کرنے کا نہیں، آپ نے مجھے کسی اور مقصد کے لیے بلایا تھا۔ حکم فرمائیں۔"

قائم مقام سالارِ اعلیٰ محبِ اسلام تھا۔ ان دونوں سے سلطان ایوبی نے قاہرہ کے اندرونی حالات کے متعلق تفصیلی رپورٹ لی اور پوچھا کہ ان کی نظر میں کون کون سے حاکم مشتبہ ہیں۔ وہ فوجی حکام کے متعلق خاص طور پر پوچھ رہا تھا۔ اُسے چند ایک نام بتائے گئے۔ اُس نے احکام دینے شروع کر دیے جن میں اہم یہ تھے کہ مشتبہ حکام کو قاہرہ میں مرکزی کمان میں رہنے دیا جائے اور تمام فوج کو سورج نکلنے سے پہلے کوچ کی تیاری میں جمع کر لیا جائے اور بھی بہت سی ہدایات دے کر سلطان ایوبی نے ایک پلان تیار کرنا شروع کر دیا۔ کچھ ہدایات علی بن سفیان کو دے کر اسے فارغ کر دیا۔ کچھ دیر بعد فوج کے کیمپ میں ہڑبونگ مچ گئی۔ فوج کو قبل از وقت جگا لیا گیا تھا۔ فوج اور انتظامیہ کے مشتبہ حکام کو صلاح الدین ایوبی کے ہیڈ کوارٹر میں بلا لیا گیا تھا۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ انہیں اتنا ہی پتہ چلا تھا کہ سلطان ایوبی آگیا ہے۔ انہوں نے اُس کا گھوڑا بھی دیکھ لیا تھا لیکن انہیں سلطان ایوبی نظر نہیں آیا تھا اور سلطان ایوبی انہیں ابھی ملنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے انہیں کوچ تک فوج سے الگ رکھنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ یہی اس کا مقصد تھا۔

ابھی صبح کی روشنی صاف نہیں ہوئی تھی۔ فوج ترتیب سے کھڑی کر دی گئی۔ پیادوں اور سواروں کی صفوں کے پیچھے رسد اور دیگر سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ سلطان ایوبی نے فوج کو یہ ٹریننگ خاص طور پر دی تھی کہ جب بھی نوری کوچ کا حکم ملے فوج ایک گھنٹے کے اندر اندر مع رسد اور دیگر سامان کے قافلے کے ساتھ تیار ہو جائے۔ اسی ٹریننگ اور مشق کا کرشمہ تھا کہ فوج طلوعِ صبح کے ساتھ ہی کوچ کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ مرکز کا قائم مقام سالارِ اعلیٰ بھی تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کو ایک نظر دیکھا اور ایک صف کے سامنے سے گزرنے لگا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور اُس کے منہ سے بار بار یہ الفاظ نکلتے تھے — "آفرین، صد آفرین۔ اسلام کے پاسبانو، تم پر اللہ کی رحمت ہو" — صلاح الدین ایوبی کی شخصیت کا اپنا ایک اثر تھا جسے ہر ایک سپاہی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کی مسکراہٹ اور داد و تحسین کے کلمے سپاہیوں پر اس اثر کو اور زیادہ گہرا کر رہے تھے۔ امیر اور سالارِ اعلیٰ کا سپاہیوں کے اتنی قریب جانا ہی کافی تھا۔

تمام فوج کا معائنہ کر کے سلطان ایوبی نے مکمل طور پر بلند آواز سے فوج سے خطاب کیا۔ اُس وقت کی تحریروں میں اُس کے جو الفاظ محفوظ ملتے ہیں وہ کچھ اس طرح تھے — "اللہ کے نام پر کٹ مرنے والے مجاہدو! اسلام کی ناموس تمہاری تلواروں کو پکار رہی ہے۔ تم نے شوبک کا مضبوط قلعہ جو کُفر کا سب سے زیادہ مضبوط و وسیع تھا ریت کا ٹیلہ سمجھ کر توڑ ڈالا تھا۔ تم نے صلیبیوں کو صحراؤں میں بکھیر کر مارا اور جنت الفردوس میں جگہ بنالی ہے۔ تمہارے ساتھی تمہارے عزیز دوست تمہارے سامنے شہید ہوئے۔ تم نے انہیں اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ اُن چیتا پہاڑ شہیدوں کو یاد کرو جو دشمن کی صفوں کے پیچھے جا کر شہید ہوئے۔ تم ان کا جنازہ نہ پڑھ سکے۔ ان کی لاشیں بھی نہ دیکھ سکے۔ تم تصور کر سکتے ہو کہ دشمن نے اُن کی لاشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ شہیدوں کے یتیم بچوں کو یاد کرو۔ اُن کی بیویوں کو یاد کرو جن کے سہاگ خدا کے نام پر قربان ہو گئے ہیں۔ آج شہیدوں کی روحیں تمہیں للکار رہی ہیں۔ تمہاری غیرت کو اور تمہاری مردانگی کو پکار رہی ہیں۔ دشمن نے کرک کے قلعے کو اتنا مضبوط کر لیا ہے کہ تمہارے کئی ساتھی دیواروں سے پھینکی ہوئی آگ میں جل گئے ہیں۔ تم اگر وہ منظر دیکھتے تو سر کی ٹکروں سے قلعے کی دیواریں توڑ دیتے۔ وہ آگ میں جلتے رہے اور دیواریں شگاف ڈالنے کی کوشش کرتے رہے۔ موت نے انہیں مہلت نہ دی...

"عظمتِ اسلام کے پاسبانو! کرک کے اندر تمہاری بیٹیوں اور تمہاری بہنوں کی عصمت دری ہو رہی ہے۔ بوڑھوں سے مویشیوں کی طرح مشقت لی جا رہی ہے۔ جوانوں کو قید میں ڈال دیا گیا ہے۔ ماؤں کو بچوں سے الگ کر دیا گیا ہے مگر میں کہ جس نے پتھروں کے قلعے توڑے ہیں، مٹی کا قلعہ سر نہیں کر سکا۔ میری طاقت تم ہو۔ میری ناکامی تمہاری ناکامی ہے" — اُس کی آواز اور زیادہ بلند ہو گئی۔ اُس نے بازو اوپر کر کے کہا — "میرا سینہ تیروں سے چھلنی کر دو۔ میں ناکام لوٹا ہوں، مگر میری جان لینے سے پہلے میرے کان میں یہ خوشخبری سنا دو کہ تم نے کرک لے لیا ہے اور اپنی عصمت بریدہ بیٹیوں کو سینے سے لگا لیا ہے۔"

اُس وقت کا ایک وقائع نگار الاسدی لکھتا ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گھوڑے اپنے سواروں کی جذباتی کیفیت کو سمجھتے تھے۔ وہ خاموش تھے لیکن کئی گھوڑے بڑی زور سے ہنہنائے۔ تاریخ نگار کی ہوائیں سنائی

دیں۔ سولہ باگوں کو زور زور سے جھٹک کر اپنی بے تابی اور جذبۂ انتقام کی شدت کا اظہار کر رہے تھے۔ اُن کی زبانیں خاموش تھیں۔ اُن کے چہرے لال سرخ ہو کر ان کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کے الفاظ تیروں کی طرح اُن کے دلوں میں اترتے جا رہے تھے۔ بغاوت کی چنگاریاں بجھ چکی تھیں۔ سلطان ایوبی کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔

"سلطنتِ اسلامیہ کی عصمت کے محافظو! تم کفار کے لیے دہشت بن گئے ہو۔ تمہاری تلواروں کو کُند کرنے کے لیے آج صلیبی اپنی بیٹیوں کی عصمت اور حشیش استعمال کر رہے ہیں۔ تم نہیں سمجھتے کہ صلیبی اپنی ایک بیٹی کی عصمت لٹا کر ایک ہزار مجاہدین کو بیکار کر دیتے ہیں اور اپنے علاقوں میں اپنی ایک بیٹی کے بدلے ہماری ایک ہزار بیٹیوں کو برباد کرتے ہیں۔ تمہارے درمیان ایک فاحشہ عورت بھیج کر ہماری سینکڑوں بیٹیوں کو فاحشہ بنا لیتے ہیں۔ جاؤ اور اپنی بیٹیوں کی عصمتوں کو بچاؤ۔ تم کرک جا رہے ہو جس کی دیواروں کے گھیرے میں قرآن کے ورق بکھرے ہوئے ہیں اور جہاں کی مسجدیں صلیبیوں کے لیے بیت الخلا بن گئی ہیں۔ وہ صلیبی جو تمہارے نام سے ڈرتے ہیں، آج تم پر قہقہے لگا رہے ہیں۔ شوبک تم نے لیا تھا کرک بھی تم ہی لو گے۔"

سلطان ایوبی نے فوج پر یہ الزام عائد نہیں کیا کہ وہ گمراہ ہو گئی ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے۔ اُس نے کسی کے خلاف شک و شبہے کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ اس کی بجائے فوج کے جذبے اور غیرت کو ایسا للکارا کہ فوج جو حیران تھی کہ اسے آنی سویر سے کیوں جگایا گیا ہے، اب اس پر حیران تھی کہ اُسے کرک کی طرف کوچ کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ تمام تر فوج مشتعل ہو گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے اعلیٰ اور ادنیٰ کمانڈروں کو بلایا اور انہیں کوچ کے متعلق ہدایات دیں۔ کوچ کے لیے کوئی اور راستہ بتایا۔ یہ راستہ اُس راستے سے بہت دور تھا جس پر محاذ کی فوج آ رہی تھی۔ کوچ کرنے والی فوج کے ساتھ سلطان ایوبی نے اپنے وہ کمانڈر بھیج دیئے جنہیں وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ انہیں اُس نے خفیہ طور پر ہدایات دے دی تھیں۔ فوج کو جب کوچ کا حکم ملا تو سپاہیوں کے نعرے قاہرہ کے در و دیوار کو ہلانے لگے۔ سلطان ایوبی کا چہرہ جذبات کی شدت سے دمک رہا تھا۔

جب فوج اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو اُس نے ایک قاصد کو پیغام دے کر اُس پڑاؤ کی طرف روانہ کر دیا جہاں محاذ سے آنے والی فوج رکی ہوئی تھی۔ قاصد کو بہت تیز جانے کو کہا گیا۔ پیغام یہ تھا کہ پیغام ملتے ہی فوج کو قاہرہ کے لیے کوچ کرا دیا جائے۔ فاصلہ آٹھ دس میل تھا۔ قاصد جلدی پہنچ گیا۔ اُسی وقت کوچ کا حکم مل گیا۔ غروبِ آفتاب کے بعد فوج کے ہراول دستے قاہرہ میں داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے باقی فوج بھی آ گئی۔ اُسے رہائش کے لیے وہی جگہ دی گئی جہاں گزشتہ رات تک کوچ کر جانے والی فوج قیام پذیر تھی۔ سپاہیوں کو کمانڈروں نے بتانا شروع کر دیا کہ پہلی فوج کو محاذ پر بھیج دیا گیا ہے۔ آنے والی فوج بھرتی کی ہوئی تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں ٹھنڈا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے دانشمندی سے فوجی بغاوت کا خطرہ بھی ختم کر دیا اور خانہ جنگی کا امکان بھی نہ رہنے دیا۔ اُس نے اعلیٰ کمانڈروں کو بلا لیا اور اُس فوجی حاکم کو بھی بلایا جو سرحدی دستوں کا ذمہ دار تھا۔ اُس نے یہ معلوم کر کے کہ سرحد پر کتنے دستے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، اتنی ہی نفری

کے دستے تیار کر کے فی الفور مفادیہ جگہوں پر بھیجنے کا حکم دیا۔ اُسے بتایا جا چکا تھا کہ سرحدی دستے نکسے نکالے اور فوجی ضروریات کا دیگر سامان باہر بھیجنے میں دشمن کی مدد کر رہے ہیں۔ سلطان ایوبی نے ان دستوں کے کمانڈروں کو خصوصی احکامات دیئے اور سرحد سے واپس آنے والے پرانے دستوں کے متعلق اُس نے حکم دیا کہ انہیں قاہرہ آنے کی بجائے باہر سے ہی محاذ پر بھیج دیا جائے۔

☆

سعدیہ دونوں وقت مسجد میں امام کو کھانا دینے جاتی تھی۔ محمود بن احمد شاگرد کی حیثیت سے مذہب کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہ اُس چراگاہ میں بھی پایا جایا کرتا تھا جہاں سعدیہ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ وہاں ٹیلے بھی تھے۔ جگہ سرسبز تھی کیونکہ وہاں پانی تھا۔ جگہ گاؤں سے ذرا دور تھی۔ سعدیہ اب محمود کو اپنا محافظ سمجھنے لگی تھی اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ محمود اُسے کافروں کے قبضے میں جانے سے بچائے گا۔ مگر محمود اُس کی یہ بات نہیں مانتا تھا کہ اُسے فوراً گاؤں سے لے جائے۔ سعدیہ نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُسے اپنے گاؤں چھوڑ آئے اور یہاں آ کر تعلیم مکمل کرے۔ محمود اُسے بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا گاؤں سفر کے دوسرے سرے پر ہے جہاں وہ اتنی جلدی نہیں جا سکتا۔ اُس نے اپنے جاسوسی کے فن کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ سعدیہ دشمن کی آلۂ کار نہیں۔ اگر محمود کے راستے میں فرض حائل نہ ہوتا تو وہ کبھی کا سعدیہ کو وہاں سے لے جا چکا ہوتا۔ فرض کے علاوہ امام مسجد اسی کے لگے کا انسر تھا۔ جس کی موجودگی میں وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کر سکتا تھا۔ امام نے اُسے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ رہے۔ اُس کا کہنا حکم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ایک روز اچانک گاؤں میں رونق آ گئی۔ کچھ اجنبی صورتیں نظر آنے لگیں۔ ہر کسی کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا۔ "وہ آ رہا ہے۔ وہ آسمان سے آیا ہے.... مرے ہوؤں کو زندہ کرنے والا آ رہا ہے"۔ گاؤں کا ہر فرد بہت ہی خوش تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی مرادیں پوری کرنے والا آ رہا ہے۔ سعدیہ دوڑتی آئی اور محمود بن احمد سے کہا۔ "تم نے بھی سنا ہے کہ وہ آ رہا ہے؟ تم جانتے ہو میں اُس سے کیا مانگوں گی؟ میں اسے کہوں گی کہ محمود مجھے فوراً یہاں سے لے جائے۔ پھر تم مجھے لے جاؤ گے۔"

محمود کچھ بھی جواب نہ دے سکا۔ اُس نے ابھی تک اس پُراسرار آدمی کو نہیں دیکھا تھا جسے لوگ پیغمبر تک کہتے تھے.... محمود کی ڈیوٹی کے علاقے میں وہ پہلی بار آ رہا تھا۔ اُس کی کرامات اور معجزوں کی کہانیاں اس علاقے میں کبھی کی پہنچ رہی تھیں۔ محمود باہر نکل گیا تو اجنبی لوگوں میں اُسے اپنے دو ساتھی جاسوس نظر آئے۔ ان کا عقیدہ کوئی اور تھا۔ محمود نے ان سے پوچھا کہ وہ اس کے علاقے میں کیوں آ گئے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اس غیب دان کو دیکھنے آئے ہیں مگر وہ جاسوسوں کی حیثیت سے نہیں آئے تھے بلکہ اس سے پوری طرح متاثر تھے۔ انہوں نے اس کی کرامات کسی جگہ دیکھی تھیں، جو انہوں نے محمود کو ایسے انداز سے سنائیں کہ وہ مرعوب ہو گیا۔ یہ دونوں اس غیب دان کو برحق سمجھنے لگے تھے۔ محمود نے سوچا کہ علی بن سفیان کے تربیت یافتہ جاسوس جس سے متاثر ہو جائیں وہ برحق ہو سکتا ہے۔

محمود اُس سرسبز جگہ کی طرف چلا گیا جہاں سعدیہ بکریاں اور اونٹنی چرانے کے بہانے اسے ملا کرتی تھی مگر وہاں کچھ اور ہی گہما گہمی تھی۔ اُسے دُور ہی دو آدمیوں نے روک دیا اور کہا کہ خدا کا بھیجا ہُوا پیغمبر آرہا ہے۔ یہ جگہ اس کے لیے مات کی جارہی ہے۔ وہ یہیں قیام کرے گا۔ اُس نے دُور سے دیکھا کہ ایک ٹیلے میں غار سا بنایا جارہا تھا اور جگہ ہموار کی جارہی تھی۔ اب وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ گاؤں کے لوگ کام دھندا چھوڑ کر وہاں جمع ہو رہے تھے۔ اجنبی آدمی جو اُس جگہ صفائی وغیرہ کا کام کرتے تھے، باری باری آکر لوگوں کو اس کے معجزے سناتے تھے۔ لوگ مسرور اور مسحور ہوتے جارہے تھے۔ رات کو بھی لوگ وہاں کھڑے رہے۔ ان کی عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ مسجد میں کوئی بھی نہ گیا۔ دوسرے دن کی ابھی صبح طلوع ہوئی تھی کہ لوگ پھر وہاں پہنچ گئے۔ انہیں دُور ہی روک لیا گیا۔ رات کے دوران اجنبی چہروں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ لوگ وہاں کڑھے بھی کھود رہے تھے۔ اُن کے ساتھ چند اونٹ تھے جن پر بہت سارا سامان لدا ہُوا تھا۔ یہ سامان کھولا جانے لگا تو انہیں بہت سے خیمے نظر آئے جو کھول کر نصب کیے جارہے تھے۔

شام گہری ہونے لگی۔ راتیں تاریک ہُوا کرتی تھیں۔ چاند رات کے پچھلے پہر اُبھرتا تھا۔ اس غیب دان کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ صرف تاریک راتوں میں لوگوں کو اپنا آپ دکھاتا ہے۔ شام کے بعد بھی گاؤں کے لوگ وہاں موجود رہے۔ ایک طرف گاؤں کی عورتیں بھی کھڑی تھیں جن میں سعدیہ بھی تھی۔ جو جگہ آنے والے کے لیے مات کی جا رہی تھی وہاں شعلیں جل رہی تھیں۔ دو آدمی ان چند لڑکیوں کے پیچھے سے آئے جن میں سعدیہ تھی۔ لڑکیاں انہیں دیکھ نہ سکیں۔ سامنے سے تین چار آدمی آئے۔ یہ اجنبی لوگوں میں سے تھے۔ لڑکیوں کے قریب آکر انہوں نے لڑکیوں سے کہا — "تم یہاں سے بھاگتی کیوں نہیں؟" — اور وہ لڑکیوں کو ڈرانے کے لیے ان کی طرف دوڑے لڑکیاں بھاگ اٹھیں اور بکھر گئیں۔ کسی نے پیچھے سے سعدیہ کے اوپر کمبل پھینکا۔ دو مضبوط بازوؤں نے اُسے کمر سے دبوچ لیا۔ ایک ہاتھ سے کسی نے اُس کا منہ بند کر دیا۔ اُسے کندھے پر اٹھا کر کوئی دوڑ پڑا۔ ایک تو تاریکی تھی، اور دوسرے لڑکیاں بھاگ گئی تھیں۔ اس لئے کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ سعدیہ کو کوئی اٹھائے لیے جا رہا ہے۔

دوسری صبح جیسے طوفان آگیا ہو۔ گاؤں کے لوگ چراگاہ کی طرف دوڑ پڑے۔ ایک ہجوم چلا آرہا تھا۔ اس کے آگے آگے سولہ سترہ اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر نہایت خوبصورت پالکی تھی۔ ہر پالکی کے پردے گرے ہوئے تھے۔ "وہ" ان میں سے کسی پالکی میں تھا۔ آگے آگے دف اور شہنائیاں بج رہی تھیں۔ بعض لوگ وجد آفریں گونج میں کچھ گنگناتے آرہے تھے۔ اونٹوں کی گردنوں سے لٹکتی ہوئی بڑی بڑی گھنٹیوں کا ترنم اسی موسیقی کا حصہ معلوم ہوتا تھا۔ ہجوم میں کوئی شور شرابا نہیں تھا۔ ہر کسی پر تقدس کا رعب طاری تھا۔ یہ مریدوں اور عقیدت مندوں کا جلوس تھا جو معلوم نہیں کہاں کہاں سے اس کے ساتھ چلے آرہے تھے۔ ایسی فضا پیدا ہو گئی تھی جیسے پالکیوں والے اونٹ آسمان سے اُتر رہے ہوں۔ یہ قافلہ سرسبز جگہ چلا گیا۔ وہاں ٹیلے زیادہ تھے۔ ایک جگہ بہت سے خیمے نصب کر دیئے گئے تھے۔ ان میں ایک خیمہ خاصا بڑا تھا۔ تمام لوگوں کو دُور ہٹا دیا گیا۔ پھر کوئی نہ دیکھ سکا کہ پالکیوں میں سے کون کون نکلا اور کہاں غائب ہو گیا۔ عقیدت مندوں کا ہجوم دُور ہٹ کر بیٹھ گیا۔ سعدیہ کے گاؤں کے لوگ ان سے اس

مقدس انسان کی باتیں سننے لگے۔ انسانی فطرت کی یہ خاصیت ہے کہ انسان جس قدر گنوار اور پسماندہ ہوتا ہے وہ اتنا ہی سنسنی پسند ہوتا ہے۔ وہ باتوں میں سنسنی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی کیفیت وہاں پیدا ہو گئی تھی۔

امام بھی اس ہجوم کو دیکھ رہا تھا اور محمود بھی۔ وہ ابھی کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں قاہرہ سے یہ ہدایت ملی تھی کہ سرحدی علاقے میں کوئی نیا عقیدہ پھیلایا جارہا ہے، اس کے متعلق تفصیلات معلوم کر کے بتاؤ کہ یہ کیا ہے اور اس کی پشت پناہی میں کون لوگ ہیں۔ قاہرہ کو ابھی کوئی تفصیلی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ ان علاقوں میں یہ پُراسرار آدمی جا چکا تھا وہاں کے جاسوس بھی اس کے معجزوں سے مرعوب ہو گئے تھے۔ وہ اُس کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالنے سے ڈرتے تھے۔ سرحدی دستوں نے بھی ایسا ہی اثر قبول کیا تھا۔ اب اس امام کی باری تھی۔ اُسے دیکھنا تھا کہ یہ سب کوئی ڈھونگ ہے، شعبدہ بازی ہے یا کیا ہے۔ اُس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ لوگ اُس کی صرف باتیں سُن سُن کر اتنے متاثر اور مرعوب ہو گئے تھے کہ انہوں نے مسجد میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اُس کی جھلک دیکھنے کو اُس جگہ کے گرد بیٹھے تھے جہاں وہ اونٹ سے اُتر کر کسی خیمے میں غائب ہو گیا تھا۔

امام اور محمود وہاں کھڑے تھے۔ سعدیہ کا باپ ان کے پاس آن رُکا۔ اس نے پریشانی کے عالم میں بتایا کہ سعدیہ رات سے نائب ہے۔ لڑکیوں نے اُسے بتایا تھا کہ انہیں چند آدمیوں نے سامنے سے آکر ڈرایا اور وہاں سے بھگا دیا تھا۔ ایک لڑکی نے بتایا کہ اُس نے وہاں سے پیچھے دو آدمی دیکھے تھے۔ اس سے آگے کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ باپ سعدیہ کی تلاش میں چل پڑا۔ محمود بھی اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہاں اُسے سعدیہ کہاں مل سکتی تھی مگر وہ باپ تھا۔ بے چینی سے اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ محمود اس کے ساتھ رہا۔ انہیں ایک اجنبی نے روک لیا اور پوچھا — "کیا تم لوگ کسی کو ڈھونڈ رہے ہو؟" — سعدیہ کے باپ نے اُسے بتایا کہ گذشتہ رات اُس کی لڑکی لاپتہ ہو گئی ہے۔

"مجھے ابھی ابھی کسی نے بتایا ہے کہ تم اس لڑکی کے باپ ہو" — اجنبی نے سعدیہ کا حلیہ بتا کر کہا۔ "اگر تم اس لڑکی کو ڈھونڈ رہے ہو تو وہ تمہیں یہاں نہیں ملے گی۔ اب تک وہ نصر کی سرحد سے باہر اور بہت دُور جا چکی ہو گی۔ گذشتہ شام میں نے ایک گھوڑا دیکھا تھا۔ ایک جوان اور بڑی خوبصورت لڑکی دوسری لڑکیوں سے ہٹ کر گھوڑے کے پاس گئی۔ سوار گھوڑے کے قریب کھڑا تھا۔ لڑکی نے اُس کے ساتھ کچھ باتیں کیں۔ سوار گھوڑے پر سوار ہو کر چند قدم پرے چلا گیا۔ لڑکی اِدھر اُدھر دیکھتی اُس کے پیچھے گئی۔ آگے جا کر وہ خود ہی سوار کے آگے گھوڑے پر بیٹھ گئی۔ سوار گھوڑا دوڑا لے گیا۔ میں دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی کون ہو سکتی ہے جو ایک سوار کے ساتھ اپنی مرضی سے چلی گئی ہے۔ آج کسی نے بتایا ہے کہ وہ تمہاری بیٹی تھی۔ اُسے اب ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرو۔"

وہ آدمی چلا گیا۔ سعدیہ کے باپ کے آنسو نکل آئے۔ محمود کا تدبر عمل کچھ اور تھا۔ وہ جاسوس تھا۔ اُس نے یہ سوچا کہ یہ آدمی سفید جھوٹ بول گیا ہے۔ اس کی اطلاع اور تمام تر بیان جھوٹ تھا۔ کوئی اُسے کیسے بتا سکتا تھا کہ اس شخص کی بیٹی ایک سوار کے ساتھ بھاگ گئی ہے جب اسے دیکھنے والا یہ اکیلا شخص تھا۔ جاسوسوں کو یہ ٹریننگ خاص طور پر

دی جاتی تھی کہ کسی کی بات پر فوراً اعتبار نہ کرو اور ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھو۔ محمود نے اس اجنبی کا پیچھا کیا۔ وہ ہجوم میں سے ہوتا ہوا ٹیلوں کے پیچھے چلا گیا اور خیموں میں کہیں غائب ہو گیا۔ محمود کو یقین ہو گیا کہ سعدیہ انہی خیموں میں ہے اور اُس کے اغوا میں اس آدمی کا ہاتھ ہے۔ یہ سعدیہ کے خریداروں میں سے ہو سکتا ہے جنہوں نے سودا نہ ہونے پر سعدیہ کے باپ کو لڑکی کے اغوا کی دھمکی دی تھی۔ سعدیہ کے باپ نے اسے نہیں پہچانا تھا۔ یہ اجنبی سعدیہ کے باپ کو یہ جھوٹا بیان دے کر گمراہ کرنے آیا تھا تاکہ باپ اپنی بیٹی کو یہاں تلاش نہ کرے۔

محمود بن احمد کے دل میں سعدیہ کی اتنی شدید محبت تھی کہ اُس نے سعدیہ کو وہاں سے نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اُس نے امام کو جا کر یہ ساری بات سنائی۔ امام سراغرسانی کے شعبے کا ذہین حاکم تھا۔ اُس نے بھی یہی رائے دی کہ اس غریب باپ کو دھوکا دیا جا رہا ہے کہ اس کی بیٹی کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ محمود نے امام کے ان دونوں جاسوسوں سے جو گاؤں میں موجود رہتے تھے ذکر کیا اور کہا کہ وہ سعدیہ کو وہاں سے نکالے گا اور اُسے ان کی مدد کی ضرورت ہے، مگر یہ کام آسان نہیں تھا۔ ٹیلوں کے اندر اب کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

☆

نورالدین زنگی نے کرک کے محاصرے میں اپنی فوج لگا دی تھی اور قلعہ توڑنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔ اُس نے پہلے روز ہی اپنے کمانڈروں سے کہہ دیا تھا کہ جو قلعہ صلاح الدین ایوبی سر نہیں کر سکا، وہ تم بھی آسانی سے سر نہیں کر سکو گے۔ صلاح الدین تو ناممکن کو ممکن کر دکھانے والا آدمی ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے تفصیل سے بتا دیا تھا کہ یہاں کون کون سے طریقے آزما چکا ہے۔ یہ بھی بتایا تھا کہ قلعے کے اندر کیا کیا ہے۔ رسد اور جانور کہاں ہیں اور آبادی کس طرف ہے۔ اُسے یہ معلومات جاسوسوں نے دی تھیں۔ وہ اندر آگ پھینکنا چاہتا تھا مگر اُس کی منجنیقیں چھوٹی تھیں۔ اس کے علاوہ صلیبیوں کے پاس بڑی کمانیں تھیں جن کے تیر بہت دُور تک چلے جاتے تھے۔ یہ تیر منجنیقوں کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ اسی لیے قلعے کے دروازے پر بھی آگ نہیں پھینکی جا سکتی تھی۔ مجاہدین کہیں سے قلعے کی دیوار توڑنے کی کوشش کرتے تھے تو اوپر سے صلیبی جلتی ہوئی لکڑیاں اور دہکتے کوئلوں کے ڈرم انڈیل دیتے تھے۔

نورالدین زنگی نے اپنے نائبین کا اجلاس بلا کر انہیں کہا — "صلاح الدین ایوبی نے مجھے کہا تھا کہ وہ بڑی منجنیقیں بنوا کر اندر آگ پھینک سکتا ہے لیکن اندر مسلمانوں کی آبادی بھی ہے۔ اگر ایک بھی مسلمان جل گیا تو یہ ساری عمر کا پچھتاوا ہو گا۔ میں اب ایوبی کی سوچ کے خلاف فیصلہ کر رہا ہوں۔ میں نے اتنی بڑی منجنیقیں بنانے کا انتظام کر لیا ہے جن کی پھینکی ہوئی آگ اور وزنی پتھر دُور تک جا سکیں گے۔ آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ آپ کی پھینکی ہوئی آگ سے اندر چند ایک مسلمانوں کو بھی نقصان پہنچے گا۔ میرے دوستو! اگر تم اندر کے مسلمانوں کی حالت جانتے ہو تو کہو گے کہ وہ مر ہی جائیں تو اچھا ہے۔ وہاں کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں۔ مسلمان بچیاں صلیبیوں کے پاس ہیں اور مرد کھلے قید خانے میں پڑے بیگار کر رہے ہیں۔ وہ تو دعائیں مانگ رہے ہوں گے کہ خدا انہیں موت دے دے۔ آپ کا محاصرہ جس قدر لمبا ہوتا جائے گا اندر کے مسلمانوں کی

اذیت بھی اسی قدر زیادہ اور اذیتوں کی مدت لمبی ہوتی جائے گی اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ ہر ایک مسلمان جل مرے گا۔ اگر چند ایک مر گئے تو ہمیں یہ قربانی دینی ہی پڑے گی۔ آپ بھی تو مرنے کے لیے آئے ہیں۔ اسلام کو زندہ رکھنا ہے تو ہم میں سے کئی ایک کو جانیں قربان کرنی ہوں گی۔ میں آپ کو یہ اطمینان اس لیے دلا رہا ہوں کہ آپ میں سے بعد میں کوئی یہ الزام عائد نہ کرے کہ میں نے ایک قلعہ سر کرنے کے لیے بے گناہ مسلمانوں کو جلا دیا ہے۔"

"ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں سوچے گا" — ایک سالار نے کہا — "ہم یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنے نہیں آئے۔ فلسطین مسلمانوں کا ہے۔ ہم یہاں اپنے رسولؐ کی بادشاہی بحال کرنے آئے ہیں۔ قبلۂ اوّل ہمارا ہے۔ صلیبیوں اور یہودیوں کا نہیں۔"

"ہم یہودیوں کے اس دعوے کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ فلسطین یہودیوں کا وطن ہے" — ایک اور نے کہا — "ہم سب جل مرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

نورالدین زنگی نے جو نوجوانوں پر ایسی مسکراہٹ آئی جس میں مسرت نہیں تھی۔ اُس نے کہا — "تم جانتے ہی ہو گے کہ فلسطین کو اپنا وطن بنانے کے لیے یہودی کس میدان میں لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی دولت اور اپنی بیٹیوں کی عصمت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے اور انہیں ہمارے خلاف لڑا رہے ہیں۔ اپنی دولت اور اپنی لڑکیوں کے ہی ذریعے ہماری صفوں میں غدار پیدا کر رہے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا نشانہ صلاح الدین اور اس کی فوج ہے۔ مصر بھر کے بڑے بڑے شہروں میں فاحشہ عورتوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ سب یہودی عورتیں ہیں۔ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ ہمارے مسلمان امراء اور دولت مند تاجر یہودیوں کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ ان میں نفاق اور تفرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اب کفار انہیں آپس میں لڑائیں گے۔ اگر ہم ہوش میں نہ آئے تو یہودی ایک نہ ایک دن فلسطین کو اپنا وطن بنا کر قبلۂ اوّل کو اپنی عبادت گاہ بنا لیں گے اور مسلمان مملکتیں آپس میں لڑتی رہیں گی۔ انہیں محسوس تک نہ ہو گا کہ ان کی آپس کی چپقلش کے پیچھے یہودیوں اور صلیبیوں کا ہاتھ ہے۔ یہ ہو گا دولت، عورت اور شراب کا کرشمہ جو شروع ہو چکا ہے۔ اگر ہمیں آنے والی نسلوں کو باوقار زندگی دینی ہے تو ہمیں آج کی نسل کے کچھ بچے قربان کرنے پڑیں گے۔ میں نیا چاند نکلنے تک کرک لے لینا چاہتا ہوں، خواہ مجھے اس کے کھنڈر ملیں اور اندر مسلمانوں کی جلی ہوئی لاشیں ملیں۔ ہم انتظار نہیں کر سکتے۔ ہمیں صلیبیوں اور یہودیوں کو بحیرۂ روم میں ڈبونا ہے۔ یہ کام ہمیں اپنی زندگی میں کرنا ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہمارے بعد اسلام کا پرچم غداروں اور صلیب نوازوں کے ہاتھوں میں آ جائے گا۔"

نورالدین زنگی نے کاریگروں کی بھی ایک فوج ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ اُس نے متعلقہ کاریگروں کو بتا دیا تھا کہ کھجوروں کے بہت لمبے لمبے درخت کاٹ کر منجنیقیں تیار کریں۔ اُس نے کاریگروں کے مشوروں سے کچھ اور قسم کے بھی درخت کٹوا لیے تھے اور حکم دیا کہ ان کے تنے اور ٹہن خشک ہونے سے پہلے کام میں لائے جائیں تاکہ ان میں لوہے والی سختی پیدا نہ ہو جائے۔ کاریگر دن رات مصروف رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے

وزنی پتھروں کے ڈھیر لگوا دیئے تھے۔ اُس کے پاس سلاح الدین ایوبی کا بھیجا ہوا آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھی تھا۔ بہت سا سیال مادہ زنگی اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اُس نے آگ کے گولے تیار کر لیے تھے۔ اسی دوران مصر سے سلطان ایوبی کی بھیجی ہوئی فوج بھی پہنچ گئی۔ نورالدین زنگی کو اس فوج کے متعلق بتایا گیا تھا کہ بغاوت کے لیے تیار ہے لیکن زنگی نے جب اس کا معائنہ کیا تو اُسے بغاوت کا شائبہ تک نظر نہ آیا۔ زنگی سلطان ایوبی کی طرح دانشمند اور دُور اندیش انسان تھا۔ اُس نے اِس فوج کو چند ایک پُرجوش الفاظ سے اس سے زیادہ بھڑکا دیا جتنا سلطان ایوبی نے بھڑکا کر بھیجا تھا۔

ایک روز سورج غروب ہو چکا تھا۔ صلیبی حکمران اور اعلیٰ فوجی کمانڈ نفے کے اندر ایک کانفرنس میں بیٹھے تھے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں کسی امر کے متعلق کوئی پریشانی نہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ چل چکا تھا کہ سلطان ایوبی مصر جا چکا ہے اور نورالدین زنگی آ گیا ہے۔ کانفرنس والے دن کی صبح انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ مصر سے تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ اس صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے یہ سب اکٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی بات شروع کی ہی تھی کہ دھماکے کی طرح آواز سنائی دی اور ملبہ گرنے کا شور بھی اٹھا۔ صلیبی کمانڈر اور حکمران دوڑتے باہر نکلے۔ ساتھ والے کمرے کی منڈیر بیچ گئی تھی اور وہاں ایک وزنی پتھر پڑا تھا۔ دیوار میں شگاف نہیں ہوا تھا۔ زناٹہ سا سنائی دیا جو قریب آ کر دھماکہ بن کر خاموش ہو گیا۔ اسی جگہ کے قریب ایک اور پتھر گرا۔ صلیبی وہاں سے بھاگے۔ وہ سمجھ گئے کہ مسلمان منجنیقوں سے پتھر پھینک رہے ہیں۔ وہ قلعے کی دیوار پر گئے مگر شام اندھیری ہو چکی تھی۔ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

یہ نورالدین زنگی کی تیار کرائی ہوئی ایک منجنیق تھی جسے تجرباتی طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ یہ منجنیق کے عین مطابق دورِ مار تھی مگر اسے چلانا بہت مشکل تھا۔ ایک لمبے تنے کے وسط میں مضبوط رسے باندھے گئے تھے جنہیں گھوڑوں کے زور سے کھینچ کر خم دیا جاتا، اور خم کی جگہ پتھر رکھا جاتا تھا۔ انتہائی خم میں لے جا کر رسّہ تلواروں سے کاٹ دیا جاتا تھا۔ اس طریقے سے نقصان یہ ہوتا تھا کہ رسّہ کٹ جاتا اور اسے گانٹھ دے کر دوبارہ استعمال کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔ دوسری تکلیف یہ ہوتی تھی کہ جب آٹھ گھوڑوں کا کھینچا تنا ہوا رسّہ کٹتا تو گھوڑے دُور آگے کو اس طرح چلے جاتے تھے جیسے کسی بے پناہ قوت نے دھکا دیا ہو۔ دو تین بار یوں ہوا کہ دو گھوڑے آگے جا کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور پیچھے گھوڑے ان کے اوپر گرے۔ دو سوار ایسے زخمی ہوئے کہ محاذ کے قابل نہ رہے۔ زنگی نے پھر بھی آدھی رات کے بعد تک یہ عمل جاری رکھا جس سے یہ نقصان ہوا کہ صلیبیوں کے ہیڈ کوارٹر کی دو چھتیں گر پڑیں اور چند ایک کمروں کی دیواروں میں لمبے چوڑے شگاف پڑ گئے۔ یہ نقصان کچھ زیادہ تو نہیں تھا لیکن صلیبیوں کی حوصلہ شکنی کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ چند ایک دیواروں کے شگافوں نے ہیڈ کوارٹر کے محافظوں اور دیگر عملے کو وہاں سے بھگا دیا تھا اور صبح تک اُس دُور کی پہلی "بمباری" کی دہشت ناک خبر سارے شہر میں پھیل گئی تھی۔

مگر آدھی رات کے بعد نورالدین زنگی کی پہلی دُور مار منجنیق بیکار ہو گئی تھی۔ پتھر پھینکنے والا حصہ جسے خم دیا جاتا تھا زیادہ استعمال سے یا کسی اور وجہ سے ٹوٹ گیا۔ آدھی رات تک اسے اندر لانے کی مہم سے بچے باہر لگا۔ زنگی نے اگلا پتھر پھینکنے سے روک دیا۔ تاہم یہ قبضہ ناکام نہیں تھا۔ کمانڈروں میں دو خاص لوگ تھے۔ انہوں نے زیادہ اموں دیکھ لیا تھا۔ اس سول پر انہیں کامیابی ہو گی تھی۔ انہوں نے اس پر غور کرنا شروع کر دیا کہ رسّے کاٹ بغیر پتھر پھینکے، اور اگر رسّے کاٹنے کی بجائے ان سے بندھے ہوئے رسّوں سے آزاد کر دیئے جائیں تو کیا ہو گا۔ نورالدین زنگی نے انہیں کہا کہ وہ جو کچھ بھی کریں وقت ضائع نہ کریں۔ دن رات سوچیں اور کام کریں۔ انہوں نے کام شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی زنگی نے تیر کمان بنانے والے کاریگروں سے کہا کہ وہ دُور مار کمانیں تیار کریں۔ اُس نے اپنے کمانڈروں سے کہا کہ اپنے دستوں میں سے غیر معمولی طور پر پھرتیلے سپاہی منتخب کریں جو بڑی کمانوں سے تیر پھینک سکیں۔

☆

سعد یہ کے گاؤں کے باہر جمال، وہ کنیز یال چراتی اور محمود بن احمد سے ملاکرتی تھی ایک ایسی دنیا آباد ہو گئی جس کی رونق وہاں سے لوگوں کے لیے روح زمین کی نہیں آسمان سے اتری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ بہت دیر گزری سورج غروب ہو چکا تھا۔ رات تاریک تھی۔ لوگوں کو ٹیلوں کے اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن انہیں ایک طرف بٹھا دیا گیا تھا۔ کسی کو کسی ٹیلے کے اوپر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لوگوں کو جہاں بٹھایا وہاں سے کسی کو اٹھنے کی اجازت نہیں تھی۔ انہیں کوئی حکم نہیں دیا جا رہا تھا بلکہ اُس سے ڈرایا جا رہا تھا۔ کہتے تھے کہ وہ کسی کی ذرا سی بھی حرکت سے ناراض ہو گیا تو سب پر مصیبت نازل ہو گی۔ لوگ دم بخود بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ ان سے کچھ دور بڑی خوبصورت دیواریں اور ان پر دو تین تکونے بنے ہوئے تھے۔ نیچے لمبے بانس لٹکے ہوئے تھے جن پر ستارے سے چمکتے تھے۔ یہ چمک اُن مشعلوں اور قندیلوں سے پیدا ہوتی تھی جو ایک خاص ترکیب سے رکھی جل رہی تھیں۔ پردوں کے نیچے خوبصورت نیلا تھا جس کے دامن میں اجنبی لوگ ناچ رہے تھے۔ اس ٹیلے کے نیچے کچھ جگہ ہموار تھی۔ وہاں رنگا رنگ نیچے نصب تھے۔

تماشائیوں پر ایسا رعب طاری تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ یہ رات اُس سے اگلی تھی جس رات سعد یہ اغوا ہوئی تھی۔ سامنے لٹکے ہوئے پردے آہستہ آہستہ ہٹنے لگے۔ ستارے آسمان کے ستاروں کی طرح ٹمٹمانے لگے اور ایسے سازوں کا ترنم سنائی دینے لگا جن کے نام سے بھی کوئی واقف نہیں تھا۔ یہ ایک گونج سی تھی جس میں ملکوتی سا تاثر تھا۔ صحرا کی خاموش رات میں یہ تاثر روحوں تک اترتا محسوس ہوتا تھا۔ یہ احساس بھی ہوتا تھا جیسے اس ترنم کی لہریں لوگوں کے اوپر سے گزر رہی ہوں جنہیں وہ دیکھ سکیں گے، چھو بھی سکیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ بار بار اوپر اور ادھر اُدھر دیکھتے تھے لیکن انہیں نظر کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ سازوں کے ترنم میں ایک اور گونج شامل ہو گئی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی نغمہ گنگنا رہے ہیں۔ اس میں لڑکیوں کی آواز بھی تھی۔ اس کے ساتھ جب ٹیلے کے سامنے اتنے لمبے پردے ہٹنے تو یوں لگا جیسے رات، خدا اور ماحول پر وجد طاری ہو گیا ہو۔

لوگ پوری طرح سجدہ میں گئے تو کہیں سے گونج دار آواز اٹھی — "وہ آگیا ہے جسے خدا نے آسمان سے اتارا ہے۔ اپنے دل اور دماغ خیالوں سے خالی کرو۔ وہ تمہارے دلوں اور دماغوں میں خدا کی سچی باتیں اتارے گا۔"

پردوں میں جنبش ہوئی۔ پردوں میں سے ایک انسان نمودار ہوا۔ وہ تھا تو انسان ہی لیکن اس مترنم اور مرعوب ماحول میں اور ان روشنیوں میں وہ کسی بلند و بالا جہان کی مخلوق لگتا تھا۔ اُس کے سر کے بال بھورے ریشمی اور لمبے تھے جو اُس کے شانوں پر پڑتے تھے۔ بالوں میں چمک تھی۔ چہرہ بھرا بھرا اور سرخ و سپید، داڑھی سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ یہ بھی بھورے رنگ کی تھی۔ جسم گٹھا ہوا اور اس پر سبز چغہ تھا۔ چغے پر پردوں کی طرح ستارے تھے جو روشنیوں میں چمکتے تھے۔ ایسی ہی چمک اُس کی آنکھوں میں تھی۔ اُس کے سراپا میں ایسا تاثر تھا جس نے لوگوں کو مبہوت کر دیا۔ اُس کے ساتھ سازوں کا گونجدار ترنم اور بہت سی آوازوں کے گنگنانے کی گونج۔ مگر جس نے لوگوں کو دم بخود کیا تھا وہ اُن کہانیوں کا اثر تھا جو وہ کبھی سے سن رہے تھے۔ ان معجزاتی کہانیوں کی سنسنی خیزی نے ان کی سوچوں پر غلبہ پا رکھا تھا۔ اُس رات اُسے اپنے سامنے دیکھ کر انہوں نے پہلے تو سر جھکائے پھر ہاتھ اس طرح پیٹ پر باندھ لیے جس طرح نماز میں باندھے جاتے ہیں۔

اُس نے پردوں کے سامنے کھڑے ہو کر بازو اوپر کو پھیلائے اور کہا — "تم پر اس خدا کی رحمت نازل ہو جس نے تمہیں دنیا میں اتارا، جس نے تمہیں آنکھیں دیں کہ دیکھ سکو، جس نے تمہیں کان دیئے کہ سن سکو، جس نے تمہیں دماغ دیا کہ سوچ سکو، جس نے تمہیں زبان دی کہ بول سکو مگر تم ہی بیٹے انسانوں نے جن کی آنکھیں تمہاری طرح ہیں، زبانیں تمہاری طرح ہیں تمہیں غلام بنا کر خدا کی نعمتوں سے اور دنیا کی آسائشوں سے محروم کر دیا ہے۔ اب تمہارا یہ حال ہے کہ تمہاری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں مگر تمہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ تمہارے کان سن سکتے ہیں مگر تم سچی بات نہیں سنتے۔ تمہارا دماغ سوچ سکتا ہے مگر اس میں وہم اور جھوٹے قصے بھرے ہوئے ہیں، تمہاری زبانیں بول سکتی ہیں مگر ان کے خلاف ایک کلمہ نہیں کہہ سکتیں جنہوں نے تمہیں غلام بنا لیا ہے۔ انہوں نے تمہیں، تمہارے گھوڑے اور اونٹوں کو اور تمہارے جوان بیٹوں کو خرید لیا ہے۔ وہ تمہارے بیٹوں کو اس طرح لڑاتے ہیں جس طرح کتوں کو لڑایا جاتا ہے۔ وہ تمہارے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیروں اور برچھیوں سے چھلنی کروا کے مرواتے ہیں۔ تمہارے بیٹوں کو مروا کر ریگستانوں میں پھینک دیتے ہیں جہاں انہیں مُردے کھانے والے پرندے اور درندے کھا جاتے ہیں.... میں وہ آنکھ ہوں جو آنے والے وقت کو دیکھ سکتی ہے، اور دیکھ سکتی ہے کہ انسانوں کے دلوں میں کیا ہے۔ میں وہ کان ہوں جو خدا کی آواز سن سکتا ہے۔ میں وہ دماغ ہوں جو بنی نوع انسان کی بھلائی کی سوچتا ہے اور میں وہ زبان ہوں جو خدا کا پیغام سناتی ہے۔ میں خدا کی زبان ہوں۔"

"یا تُو لافانی ہی ہے جسے موت نہیں آئے گی؟" — مجمعے میں سے ایک آواز اٹھی۔ لوگ دم بخود ہو گئے۔ بعض ڈر بھی گئے کہ اس شخص نے اس مقدس انسان کی بات کاٹ کر اُس مہیبت کو آواز دی ہے جو غاروں پر نازل ہوگی۔

"تم آزما لو" — اُس نے کہا — "میرے سینے میں تیر مارو۔"

اُس کی آواز میں اور انداز میں بلا کا اثر تھا۔ اس نے پھر کہا — "یہاں کوئی تیر انداز ہے تو میرے سینے پر

تیر چلائے" — ہجوم پر سناٹا طاری ہو چکا تھا۔ اُس نے تفصیل اور بلند آواز سے کہا — "میں حکم دیتا ہوں کہ یہاں جس کسی کے پاس تیر و کمان ہے وہ سامنے آجائے۔"

چار تیر انداز جو سعدیہ کے گاؤں کے رہنے والے نہیں تھے آہستہ آہستہ آگے آئے۔ وہ ڈرے سہمے ہوئے تھے — اُس نے کہا — "تیس قدم گن کر چاروں میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ" — انہوں نے تیس قدم گنے اور اُس کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔

"کمانوں میں تیر ڈالو۔"

چاروں نے ترکشوں میں سے ایک ایک تیر نکال کر کمانوں میں ڈال لیا۔

"میرے دل کا نشانہ لے لو۔"

انہوں نے کمانیں سیدھی کر کے نشانہ لے لیا۔

"یہ سوچے بغیر کہ میں مر جاؤں گا پوری طاقت سے کمانیں کھینچو اور تیر چلا دو۔"

انہوں نے کمانیں جھکا لیں۔ انہوں نے یہی سوچا تھا کہ وہ مر جائے گا۔

"میرے دل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ" — اُس نے گرج کر کہا — "ورنہ جہاں کھڑے ہو وہیں شعلے بن کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

تیر اندازوں نے اپنی موت کے ڈر سے فوراً کمانیں اوپر کر لیں اور اُس کے دل کا نشانہ لیا۔ دیکھنے والا ہجوم اس طرح خاموش تھا جیسے وہاں کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔ سازوں کا ترنم اس سکوت میں کچھ زیادہ ہی سحر آگیں اور پُرسوز ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے انسانوں کی مترنم گونج پھر اُبھری جو گنگنا نہیں آتے تھے — اس سحر آگیں موسیقیت میں چار کمانوں کی "ٹنگ، ٹنگ" کی آوازیں بڑی صاف سنائی دیں۔ چار تیر اُس مقدس انسان کے دل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔ وہ کھڑا رہا۔ اُس کے بازو اوپر اور کچھ دائیں بائیں پھیلے ہوئے تھے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"چار خنجروں والے آگے آجائیں" — اُس نے کہا — "تیر انداز چلے جائیں۔"

تیر انداز حیران و پریشان چلے گئے اور چار آدمی ایک طرف سے سامنے آئے۔ اس حکم پر کہ خنجر ہاتھ میں لے لو اور مجھ سے پندرہ قدم گن کر میرے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ وہ اُس سے پندرہ قدم دُور جا کھڑے ہوئے اُس نے پوچھا — "تم نشانے پر خنجر پھینکنا جانتے ہو؟" — چاروں نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں۔ اُس نے کہا — "چاروں اکٹھے میرے سینے میں خنجر مارو۔"

چاروں نے پوری طاقت سے خنجر اُس پر پھینکے۔ چاروں خنجر اس کے سینے میں لگے اور وہیں رہے۔ خنجروں کی نوکیں اُس کے سینے میں اُتری ہوئی تھیں اور وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ہجوم سے آوازیں سنائی دینے لگیں — "آفریں.... اس کے قبضے میں موت کے فرشتے ہیں۔"

"کیا اسے جواب مل گیا ہے جس نے پوچھا تھا کہ میں لافانی ہوں؟" — اُس نے پوچھا۔

ایک آدمی جو معمرائی لباس میں تھا، دوڑتا ہوا گیا اور اس کے قدموں میں جھک گیا۔ اس نے گھٹنوں کے بل آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "باجتھ پیر خدا کی نعمت ہو۔"

"تو پھر تو مردے میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔" ایک بوڑھے دیہاتی نے آگے آکر کہا۔ "خدا نے مجھے ایک ہی بیٹا دیا تھا وہ جوانی میں مر گیا ہے۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ تو مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ میں اپنے بیٹے کی لاش اٹھا کر بہت دور سے آیا ہوں۔ میرے بڑھاپے پر رحم کر، اسے زندہ کر دے۔" — بوڑھا دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

چار آدمی کفن میں لپٹی ہوئی ایک لاش آگے لائے۔ لاش درخت کی ٹیڑھی میڑھی ٹہنیوں کے بنے ہوئے سٹریچر پر پڑی تھی۔ انہوں نے لاش اس کے آگے رکھ دی۔ اس نے کہا۔ "ایک مشعل لو۔ لاش کو اٹھاؤ اور تمام لوگوں کو دکھاؤ۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ پہلے ہی زندہ تھا۔"

لاش سب کے سامنے سے گزاری گئی۔ اس کے منہ سے کفن ہٹا دیا گیا تھا۔ ایک آدمی ہاتھ میں مشعل لئے ساتھ ساتھ تھا۔ سب نے دیکھا کہ اس کا چہرہ لاش کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں آدھی کھلی ہوئیں اور منہ بھی آدھا کھلا ہوا تھا۔ سب نے لاش دیکھ لی تو اسے اس مقدس انسان کے سامنے رکھ دیا گیا۔ موسیقی کی لے بدل گئی اور پہلے سے زیادہ پُرسوز ہو گئی۔ اس نے بازو آسمان کی طرف کئے اور بلند آواز سے پکارا۔ "زندگی اور موت تیرے ہاتھ میں ہے۔ میں تیرے بیٹے کا بیٹا ہوں۔ تو نے اپنے بیٹے کو سولی سے اتارا اور مجھے صلیب کا تقدس عطا کیا تھا۔ اگر تیرا بیٹا اور اس کی صلیب سچی ہے تو مجھے قوت دے کہ میں اس بدنصیب بوڑھے کے بیٹے کو زندگی دے سکوں۔" — اس نے جھک کر لاش کے کفن پر ہاتھ پھیرا، منہ سے کچھ بڑبڑایا۔ پھر لاش کے اوپر ہوا میں اس طرح دونوں ہاتھ پھیرے کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کفن پھڑپھڑانے لگا۔ مقدس انسان ہوا میں اس پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ کفن اور زور سے پھڑپھڑایا۔ بعض لوگ اس قدر ڈر گئے کہ ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ عورتوں میں سے کسی عورت کی چیخ بھی سنائی دی۔ یہ منظر اس لیے بھی بھیانک بن گیا تھا کہ مُردے کو زندہ کرنے والے کے پیچھے میں چار تیر اور چار خنجر اترے ہوئے تھے۔

کفن میں کچھ اور ہی حرکت ہوئی۔ لاش بیٹھ گئی۔ اس نے ہاتھ کفن سے باہر نکالے۔ ہاتھوں سے کفن میں سے چہرہ ننگا کیا اور آنکھیں مل کر کہا۔ "کیا میں عالمِ پاک میں پہنچ گیا ہوں؟"

"نہیں!" اسے زندہ کرنے والے نے سہارا دے کر اٹھایا اور کہا۔ — "تم اسی دنیا میں ہو جہاں تم پیدا ہوئے تھے۔ چلو اپنے باپ کے سینے سے لگ جاؤ۔"

باپ نے دوڑ کر اپنے بیٹے کو بازوؤں میں لے لیا۔ بے تابی سے اس کا منہ چوم چوم کر اس نے زندہ کرنے والے کے آگے سجدہ کیا۔ لوگ جو بیٹھے ہوئے تھے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ آپس میں کھسر پھسر کر رہے تھے۔ ان کے سامنے کفن میں لپٹی ہوئی لاش اپنے پاؤں پر چل رہی تھی۔ مُردہ زندہ ہو گیا تھا۔ باپ نے اسے سارے ہجوم کے سامنے سے گزارا تاکہ سب دیکھ لیں کہ وہ زندہ ہو گیا ہے۔

"لیکن میں اور کسی مُردے کو زندہ نہیں کروں گا۔" اس نے کہا۔ "زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تم لوگوں کو صرف یہ دکھانے کے لیے کہ میں خدا کا ایلچی بن کر آیا ہوں، ابھی ابھی خدا سے اجازت لی ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے طاقت دے دے۔ کہ میں مرے ہوئے انسان میں جان ڈال سکوں۔ خدا نے مجھے طاقت دے دی۔"

"کیا تم جنگ میں مرے ہوئے سپاہی کو زندہ کر سکتے ہو؟" — مجمعے میں سے کسی نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "جنگ میں مرنے والوں سے خدا اتنا ناراض ہوتا ہے کہ انہیں دوسری زندگی نہیں دیتا۔ اگلے جہان وہ انہیں دوزخ کی آگ میں پھینک دیتا ہے۔ مرد کسی کو قتل کرنے کے لیے پیدا نہیں کیا گیا بلکہ اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اسے ایک باپ نے پیدا کیا ہے اسی طرح وہ بھی کسی کا باپ بنے۔ اسی لیے تمہیں کہا گیا ہے کہ چار چار بیویاں رکھو۔ مرد اور عورت کا یہی کام ہے کہ بچے پیدا کریں اور جب بچے بڑے ہو جائیں تو ان سے بچے پیدا کرائیں۔ یہی عبادت ہے۔"

☆

جس وقت وہ معجزے دکھا رہا تھا اس وقت دو آدمی ٹیلے کے پیچھے اس جگہ چھپے ہوئے تھے جہاں رنگ برنگ خیمے نصب تھے۔ کسی خیمے میں سے لڑکیوں کی باتیں اور ہنسی سنائی دے رہی تھی۔ یہ دو آدمی امام اور محمود دین احمد تھے۔ محمود کو یقین تھا کہ سعدیہ یہیں کہیں ہے۔ محمود میں اتنی مذہبی سوجھ بوجھ نہیں تھی۔ وہ خدا کے اس ایلچی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے قابل نہیں تھا۔ امام نے کہا تھا کہ کوئی انسان مرے ہوئے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اس نے آیۃ حجہ ہی نہیں دی تھی کہ یہ پُراسرار آدمی لوگوں کو کیا کچھ کر کے دکھا رہا ہے۔ اس نے اس سے یہ فائدہ اٹھایا تھا کہ لوگ اس کی کرامات دیکھنے میں مگن ہیں اس لیے نیچے جا کر یہ دیکھا جائے کہ اس میں راز کیا ہے۔ اس کی توجہ صرف سعدیہ پر تھی۔ محمود صرف سعدیہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔ خیموں کی جگہ اندھیرا تھا۔ صرف تین خیموں میں روشنی تھی۔ تینوں کے پردے دونوں طرف سے بند تھے۔ وہاں پہرے کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ دو تین مرد کہیں باتیں کر رہے تھے۔ یہ خطرہ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ دونوں کسی کو نظر آ گئے تو وہ زندہ نہیں رہیں گے۔ ٹیلے کی دوسری طرف سے "اُس" کی آواز سنائی دے رہی تھی اور سازوں کا ترنم بھی سنائی دے رہا تھا لیکن یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ساز اور سازندے کہاں ہیں۔

امام اور محمود نے روشنی والے ایک خیمے کے قریب جا کر لڑکیوں کی باتیں سننے کی کوشش کی۔ ان کی باتوں نے ان کا حوصلہ بڑھا دیا۔ ایک نسوانی آواز کہہ رہی تھی — "یہاں بھی تماشہ کامیاب رہا ہے۔" — ایک اور لڑکی نے کہا — "بڑی ہی جاہل قوم ہے۔"

"مسلمان کو تباہ کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اسے شعبدے دکھا کر توہم پرست بنا دو۔" — یہ ایک اور عورت کی آواز تھی۔

"معلوم نہیں وہ کس حال میں ہے؟"

"کون؟"

"نئی چڑیا!" ایک لڑکی نے کہا — "تم سب کو ماننا پڑے گا کہ وہ ہم سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔"

"وہ آج دن کو بھی روتی رہی تھی۔" کسی لڑکی نے کہا۔

"آج رات اُس کا رونا بند ہو جائے گا" — ایک لڑکی نے کہا — "اُسے خدا کے بیٹے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔"

لڑکیوں کا قہقہہ سنائی دیا۔ ایک نے کہا — "خدا بھی کیا یاد کرے گا کہ ہم نے اُسے کیسا بیٹا دیا ہے۔ کمال انسان ہے۔"

اس کے بعد لڑکیوں نے آپس میں فحش باتیں شروع کر دیں۔ امام اور محمود سمجھ گئے کہ نئی چڑیا سعدیہ ہی ہو سکتی ہے۔ انہیں بہرحال یقین ہو گیا کہ یہ سب شعبدہ بازی ہے اور یہ ڈھونگ پسماندہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے رچایا جا رہا ہے۔ امام نے محمود کے کان میں کہا — "ان لڑکیوں کی عریاں باتیں اور شراب کی بُو بتا رہی ہے کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہ کیا ہو رہا ہے.... ہم ویسے ہی نہیں بھٹک رہے۔"

وہ دونوں بڑے خیمے کے قریب چلے گئے۔ یہ خیمہ ایک ٹیلے کے ساتھ تھا اور یہ ٹیلا تقریباً عمودی تھا۔ ٹیلے اور خیمے کے پچھلے دروازے کے درمیان ایک آدھ گز فاصلہ تھا۔ انہوں نے اس جگہ جا کر دیکھا۔ خیمے کے پردے درمیان سے رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک آنکھ سے اندر جھانکنے کی جگہ تھی۔ انہوں نے جھانکا تو اُن کے شکوک رفع ہو گئے۔ اندر ایک لمبی مسند تھی جس پر خوشنما مسند پوش بچھا ہوا تھا۔ فرش پر قالین بچھا تھا اور دو قندیلیں جل رہی تھیں۔ ایک طرف شراب کی صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ اندر کی سجاوٹ اور شان و شوکت سے پتہ چلتا تھا کہ اس مشتبہ قافلے کے سردار کا خیمہ ہے۔ سعدیہ کے پاس ایک عورت اور ایک مرد تھا۔ سعدیہ کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا۔

"آج دن تم روتی رہی ہو"۔ عورت اُسے کہہ رہی تھی — "تھوڑی دیر بعد تم ہنسو گی اور اپنے آپ کو پہچان بھی نہیں سکو گی۔ تم خوش نصیب ہو کہ اُس نے جو خدا کی طرف سے زمین پر اُترا ہے تمہیں پسند کیا ہے۔ وہ صرف تمہارے لیے یہاں آیا ہے۔ اُس نے تمہیں بیس روز کی مسافت جتنی دُور سے غیب کی آنکھ سے دیکھا تھا تمہارے گاؤں میں اُسے خدا لایا ہے۔ اگر یہ نہ آتا تو تم کسی صحرائی گڈریئے کے ساتھ بیاہ دی جاتیں یا تمہیں بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا۔"

سعدیہ پر ان باتوں کا جادو سوار ہوتا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے سُن رہی تھی۔ محمود جوش میں آ چلا تھا۔ امام نے اُسے روک لیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ سعدیہ کو کس کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیلے کی دوسری طرف سے کسی نے اعلان کیا — "وہ جو خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہے اور جس کے ہاتھ میں ہم سب کی زندگی اور موت ہے اور جس کی آنکھ غیب کے بھید دیکھ سکتی ہے، تاریک رات میں آسمان پر جا رہا ہے، جس کے ستارے خدا کی آنکھ کی طرح روشن ہیں۔ تم میں سے کوئی آدمی اُس طرف نہ دیکھے جہاں خیمے لگے ہوئے ہیں۔ ٹیلوں کے اوپر کوئی نہ جائے۔ جس کسی نے اُس طرف جانے یا دیکھنے کی کوشش کی وہ ہمیشہ

کے لیے اندھا ہو جائے گا۔ کل رات وہ تم سب کی مرادیں سُنے گا۔"

امام اور محمود وہیں کھڑے رہے۔ خیمے کے اندر جو مرد عورت تھے انہوں نے سعدیہ کو ایک بار پھر نصیحت کی کہ وہ آرام سے، اُس کے سامنے کوئی بے تمیزی نہ کرنا... وہ آگیا۔ وہ سامنے کی طرف سے خیمے میں داخل ہوا۔ امام اور محمود یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ "اُس" کے سینے میں چاندی کا تیر اور چاندی کا خنجر اُترے ہوئے تھے۔ سعدیہ نے تیر اور خنجر دیکھے تو اُس نے خوف سے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ اس کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔ مقدس انسان مسکرایا اور بولا — "ڈرو مت لڑکی! یہ معجزہ مجھے خدا نے دیا ہے کہ میں تیروں اور خنجروں سے مر نہیں سکتا" — وہ سعدیہ کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔

"میں نے یہ شعبدہ ایک بار قاہرہ میں دیکھا تھا۔" امام نے محمود کے کان میں کہا — "تم بھی ڈرنا نہ جانا۔ میں جانتا ہوں تیر اور خنجر کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

وہ" اٹھا اور خیمے کا پردہ رسیوں سے باندھ دیا۔ ادھر محمود اور امام نے اپنی طرف سے خیمے کا پردہ کھول دیا۔ انہوں نے نتائج کی پروا نہ کی۔ دبے پاؤں اندر گئے۔ جونہی وہ شخص پیچھے مڑا وہ امام اور محمود کے شکنجے میں آ چکا تھا۔ محمود نے دبی آواز میں سعدیہ سے کہا — "جس پر تم بیٹھی ہو اس کا کپڑا اس کے اوپر ڈال دو۔"

سعدیہ تو جیسے سُن ہو گئی تھی۔ اُس نے مسند پوش اتار کر اُس آدمی پر ڈال دیا۔ اس کا جسم طاقتور نظر آتا تھا مگر امام اور محمود نے اُسے بُری طرح جکڑ لیا تھا۔ پھر اُس کے اوپر کپڑا ڈال کر باندھ دبا گیا۔ قندیلیں بجھا دی گئیں۔ امام کے کہنے پر پہلے سعدیہ باہر نکلی۔ اپنے قیدی کو محمود نے اپنے کندھوں پر پھینک لیا۔ امام ہاتھ میں خنجر لیے آگے آگے چلا۔ وہ سب جس طرف سے خیمے میں داخل ہوئے تھے اسی طرف سے باہر نکل گئے۔ پکڑے جانے کا خطرہ ہر قدم پر تھا لیکن انہوں نے ایسا راستہ اختیار کیا جو انہیں فوراً خطرے سے باہر لے گیا۔ اندھیرے نے اُن کی بہت مدد کی۔

☆

انہیں دُور کا چکر کاٹ کر گاؤں میں داخل ہونا پڑا۔ وہ مسجد میں چلے گئے۔ حجرے میں لے جا کر اس شعبدہ باز کو کھولا گیا۔ ابھی تک تیر اور خنجر اس کے سینے میں اُترے ہوئے تھے۔ اسے اٹھانے کی وجہ سے وہ نیم مُردہ ہو گئے تھے۔ سعدیہ کو بھی انہوں نے حجرے میں ہی رکھا کیونکہ خطرہ تھا کہ لڑکی کی گمشدگی کا پتہ چل گیا تو وہ لوگ اس کے باپ پر آ حملہ کریں گے۔ دراصل حملہ کرنے والے اب یہ دیکھنے کی حالت میں بھی نہیں تھے کہ اُن کے "خدا" کا بیٹا کہاں ہے۔ وہ کامیاب جشن منا کر شراب اور بدکاری میں بدمست ہو گئے تھے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اُن کا آقا بمع نئی چڑیا کے اغوا بھی ہو سکتا ہے۔

امام اور محمود نے اُسے چغہ اتارنے کو کہا۔ اُس نے پہلے تیر اور خنجر کھینچ کر نکالے۔ چغہ اتارا پھر اُس سے اندر والے کپڑے بھی اُتروا لیے گئے۔ ان کپڑوں میں کارک کی طرح نرم لکڑی چھپی ہوئی تھی جس پر چمڑہ لگا ہوا تھا۔ یہ لکڑی کچھ دوہری ہو جاتی تھی اور اتنی لمبی چوڑی تھی جس سے اس کا سینہ ڈھک جاتا تھا۔ تیر اور خنجر

اس میں اُترے ہوئے تھے۔ اُس نے امام اور محمود سے کہا ــــ "اپنی قیمت بتاؤ۔ سونے کی صورت میں گھوڑوں اور اونٹوں کی صورت میں، ابھی ادا کردوں گا، مجھے ابھی آزاد کردو۔"

"تم اب آزاد نہیں ہوسکو گے۔" امام نے کہا ــــ "ہم بھی لوگوں کی طرح تمہارے انتظار میں بیٹھے تھے۔"

امام نے محمود سے کہا ــــ "تمہیں معلوم ہوگا کہ قرہ چوکی کہاں ہے۔ وہاں کے پورے دستے کو ساتھ لے آؤ۔" اُس نے چوکی کا فاصلہ اور سمت بتائی اور وہ خفیہ الفاظ بھی بتلائے جن سے امام سراغرساں اور جاسوس کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ اپنے دو جاسوسوں کے نام اور ٹھکانہ بتاکر محمود سے کہا ــــ "انہیں میرے پاس بھیجتے جانا۔"

محمود نے امام کے گھوڑے پر زین ڈالی اور سوار ہوکر نکل گیا۔ اسے امام کے دونوں جاسوس مل گئے۔ انہیں مسجد میں جانے کو کہہ کر وہ چوکی کی سمت روانہ ہوگیا۔ گاؤں سے کچھ دُور جاکر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت تھی۔ مگر وہ شش و پنج میں مبتلا تھا۔ وہ اس چوکی کے کمانڈر کو جانتا تھا۔ وہ لالچی آدمی تھا۔ صلیبیوں اور سوڈانیوں نے اُسے رشوت دے دے کر اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ محمود نے قاہرہ کو اس کی رپورٹ بھیج رکھی تھی مگر ابھی تک اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی۔ محمود کو یہی نظر آرہا تھا کہ وہ اپنے دستے کو اُس کے ساتھ نہیں بھیجے گا یا وقت ضائع کرے گا تاکہ دشمن نکل جائے۔ محمود سوچ رہا تھا کہ اگر چوکی سے اُسے دستہ نہ ملا تو وہ کیا کرے گا۔ صبح سے پہلے دستے کو گاؤں میں پہنچنا ضروری تھا۔ دستہ نہ ملنے کی صورت میں امام اور ان کے جاسوسوں کی جانیں خطرے میں آسکتی تھیں کیونکہ اس شعبدہ باز کے ساتھ بہت سارے آدمی تھے۔ اس کے مریدوں کا ہجوم بھی اُسی کا حامی تھا۔

امام کے پاس خنجر تھا۔ اُس کے جاسوس بھی اُس کے پاس آگئے تھے۔ وہ بھی خنجروں سے مسلح تھے انہوں نے شعبدہ باز کو گرفتار کیے رکھا۔ وہ رہائی کی اتنی زیادہ قیمت پیش کررہا تھا جو امام اور اس کے جاسوس خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ امام نے اُسے کہا ــــ "میں مسجد میں بیٹھا ہوں۔ یہ اسی خدا کا گھر ہے جس نے تمہیں سچا دین دے کر زمین پر اتارا ہے۔ کیا یہ ہے تمہارا سچا دین؟.... دیکھو دوست! میں قاہرہ کی حکومت کا اہلکار ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا اور میں ایمان بھی نہیں بیچ سکتا۔"

محمود بن احمد چوکی کے خیموں میں داخل ہوا تو کمانڈر کے خیمے میں اُس نے روشنی دیکھی۔ گھوڑے کے نتھنوں کی آواز سُن کر کمانڈر باہر آگیا۔ محمود نے اپنا تعارف کرایا اور کمانڈر کے ساتھ خیمے میں چلا گیا۔ محمود کے لیے یہ کمانڈر اجنبی تھا۔ اُسے کمانڈنے بتایا کہ گزشتہ شام پرانے دستے کو یہاں سے بھیج دیا گیا ہے اور یہ دستہ نیا آیا ہے۔ یہ تبدیلی صلاح الدین ایوبی کے حکم سے کی گئی تھی۔ تمام پرانے سرحدی دستوں کو وہاں سے ہٹاکر اُس فوج کے دستے بھیج دیئے گئے تھے جو سلطان ایوبی کے ساتھ محاذ سے آئی تھی۔ محمود نے کمانڈر کو تفصیل سے بتایا کہ انہوں نے بہت بڑا شکار پکڑا ہے اور اس کے تمام گروہ کو پکڑنے کے لیے چوکی کے پورے دستے کی فوری طور پر ضرورت ہے تاکہ ان لوگوں کو رات ہی رات میں گھیرے میں لے لیا جائے۔

کمانڈر نے فوراً پورے دستے کو جس کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی گھوڑوں پر سوار ہونے کا حکم دیا۔ اُن کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں اور ان میں تیر انداز بھی تھے۔ آٹھ دس سپاہیوں کو پیچھے رہنے کا حکم دیا گیا۔ یہ دستہ کرک کے محاصرے سے آیا تھا۔ جنگ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ کمانڈر نے سرپٹ گھوڑے دوڑا دیئے۔ محمود راہنمائی کررہا تھا۔ منزل کے قریب جاکر گھوڑوں کی رفتار سست کردی گئی تاکہ مجرموں کو خبر نہ ہونے پائے۔ مجرم خبر ہونے کی حالت میں نہیں تھے۔ شراب اور زمیند نے انہیں بے ہوش کررکھا تھا۔ کمانڈر نے محمود کی راہنمائی میں گھیرا مکمل کرلیا اور کامیابی کی حد تک ملتوی رکھی۔ محمود نے امام کو اطلاع دے دی کہ دستہ آگیا ہے۔ سعدیہ ابھی امام کے حجرے میں ہی تھی۔ امام نے ایک جاسوس بھیج کر سعدیہ کے باپ کو بھی بلا لیا۔

☆

جو معتقد، مرید اور زائرین بڑی دُور دُور سے "اُس" کی زیارت کو آئے تھے وہ رات کے حجرے دیکھ کر کھلے آسمان تلے سو گئے تھے۔ اُن کے مقدس انسان نے انہیں کہا تھا کہ اگلی رات وہ ان کی مرادیں سُنے گا۔ یہ ہجوم صبح اُس وقت جاگ اٹھا جب اجالا ابھی دُھندلا تھا۔ اس دُھندلکے میں انہیں بہت سے گھوڑے نظر آئے۔ اُن پر سوار جو تھے وہ فوجی لگتے تھے۔ لوگ کچھ بھی نہ سمجھ سکے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جو مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے وہ مسجد کے حجرے میں ہاتھ پاؤں بندھے بیٹھا ہے۔ وہ اب مسلمانوں کے سچے خدا کی گرفت میں آچکا تھا۔ دستے کا کمانڈر دمشق کا رہنے والا رشید بن مُسلم جس کا عہدہ معمولی تھا لیکن سر پر آکر اُس نے اپنے دستے سے کہا تھا ــــ "ساری سلطنت صرف تمہارے بھروسے پر سوتی ہے۔ صلاح الدین ایوبی ہر وقت تمہارے ساتھ ہے۔ اگر وہ تمہیں نظر نہیں آتا تو اُسے میری آنکھوں میں دیکھ لو۔ ہم سب سلطان صلاح الدین ایوبی ہیں۔ اگر کسی نے یہاں پرانے دستے کے آدمیوں کی طرح ایمان فروخت کیا تو میں اُس کے پاؤں باندھ کر گستاخی میں زندہ پھینک دوں گا۔ میں اس سزا کا حکم قاہرہ سے نہیں لوں گا۔ میں خدا سے حکم لیا کرتا ہوں۔"

رُشید بن مسلم نے صبح کے وقت دیکھا کہ خیموں کے اندر کوئی حرکت نہیں تھی۔ اندر والے اتنی جلدی اٹھنے والے نہیں تھے۔ رُشد نے لوگوں سے کہا کہ وہ دُور پیچھے ہٹ جائیں اور وہیں موجود رہیں۔ انہیں مقدس انسان قریب سے دکھایا جائے گا۔ لوگوں کو دُور ہٹاکر رُشد نے تین چار سوار مختلف ٹیلوں کے اوپر کھڑے کردیئے تاکہ مجرموں میں سے کوئی بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ باقی سواروں کو اُس نے گھوڑوں سے اتار کر چاروں طرف سے پیدل اندر جانے کو کہا اور حکم دیا کہ کوئی مزاحمت کرے تو اُسے فوراً ہلاک کردو۔ کوئی بھاگے تو اُسے تیر مار دو.... وہاں بھاگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ رُشد ننگی تلوار ہاتھ میں لیے پہلے خیمے میں داخل ہوا تو اندر اُسے ایک نیم برہنہ لڑکی اور دو آدمی گہری نیند سوتے ہوئے نظر آئے۔ اُس نے تلوار کی نوک چبھو کر تینوں کو جگایا۔ جاگنے کی بجائے انہوں نے جگانے والے کو گالیاں دیں اور کروٹ بدل کر سوتے رہے۔ تلوار کی نوک اب کے اُن کی کھال میں اُتر گئی۔ تینوں ہڑبڑا کر اٹھے۔ انہیں باہر نکال لیا گیا۔ دوسرے خیموں میں بھی جو لڑکیاں اور مرد ملے وہ اسی حالت میں تھے۔ خیموں میں بے شمار سامان تھا۔ ایک خیمے میں بہت سے ساز پڑے تھے۔

سب کو باہر لے جا کر ان پر پہرہ کھڑا کر دیا گیا۔ ان کے اونٹوں اور تمام تر سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ امام رُشد بن مسلم کے ساتھ تھا۔ وہ اُس آدمی کو اپنے حُجرے میں سے لے آیا جو اپنے آپ کو خدا کے بیٹے کا بیٹا کہتا تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے تھے۔ اُسے اُسی جگہ کھڑا کیا گیا جہاں رات اُس نے معجزے دکھائے تھے۔ پیچھے پردے لگے ہوئے تھے۔ اُس کے گُروہ کو اُس کے سامنے بٹھا دیا گیا۔ ان سب کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے گئے تھے۔ وہ سازاُن کے قریب رکھ دیئے گئے جو ایک خیمے سے برآمد ہوئے تھے۔ امام نے لوگوں کو آگے آنے کو کہا۔ ہجوم آگے آیا تو امام نے کہا ــــ "اسے کہو کہ یہ خدا کا ایلچی ہے یا اس کا بیٹا ہے تو اپنے ہاتھ رسّیوں سے آزاد کرلے۔ یہ مرے ہوؤں کو زندہ کرتا ہے۔ میں اس کے گروہ کے ایک آدمی کو ہلاک کروں گا۔ تم اسے کہو کہ اُسے میرے ہاتھ سے چھڑا لے یا وہ مر جائے تو اُسے زندہ کر دے" ــــ امام نے اس کے گروہ کے ایک آدمی کو اٹھایا اور رُشد کی تلوار لے کر اُس کی طرف بڑھا تو وہ آدمی چلّا اٹھا ــــ "مجھے بخش دو۔ یہ آدمی مجھے زندہ نہیں کر سکے گا۔ یہ بہت بڑا پاپی ہے۔ خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرنا"

لوگوں نے یہ تماشا دیکھا مگر اُن کے دہم ابھی دُور نہیں ہوئے تھے۔ امام اس آدمی کا کچھ اور کپڑے بھی ساتھ لے آیا تھا۔ نرم لکڑی بھی ساتھ تھی۔ امام نے یہ کپڑے پہن لیے۔ کسی کو دکھائے بغیر لکڑی اندر رکھ لی۔ اوپر کچھ پہن لیا۔ اس نے رُشد سے کہا کہ اپنے چار تیر انداز میرے سامنے لاؤ۔ تیر انداز آئے تو اُس نے انہیں کہا ــــ "تیس قدم دُور کھڑے ہو کر میرے دل کا نشانہ لو اور تیر چلاؤ" ــــ تیر اندازوں نے رُشد بن مسلم کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ رات کو محمود نے رُشد کو تیروں اور خنجروں کے سینے میں اُترنے کی حقیقت بتا دی تھی۔ رُشد نے اپنے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ وہ تیر چلا دیں۔ انہوں نے نشانہ لے کر تیر چلا دیئے۔ چاروں تیر امام کے دل کے مقام میں پیوست ہو گئے۔ امام نے کہا ــــ "اب آگے آ کر میرے سینے پر چار خنجر پوری طاقت سے پھینکو" ــــ خنجر پھینکے گئے جو امام کے سینے میں جا کر اٹک گئے۔

امام نے تیر اندازوں سے کہا "ایک ایک تیر اور کمانوں میں ڈالو" ــــ اُس نے "مقدس انسان" کو ذرا آگے کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا ــــ "یہ شخص اپنے آپ کو لافانی کہتا ہے۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ یہ اصل میں کیا ہے" ــــ اُس نے تیر اندازوں سے کہا ــــ "اس کے دل کا نشانہ لے کر تیر چلاؤ"

جونہی کمانیں اوپر اُٹھیں وہ آدمی دوڑ کر امام کے پیچھے ہو گیا۔ وہ موت کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہا تھا اور بھکاریوں کی طرح جان کی بخشش مانگ رہا تھا۔ امام نے اُسے کہا ــــ "آگے آؤ اور لوگوں کو بتاؤ، کہ تم صلیبیوں کے بھیجے ہوئے تخریب کار ہو اور تم شعبدہ باز ہو" ــــ امام نے تلوار کی نوک اس کے پہلو سے لگا دی۔

"لوگو!" اُس آدمی نے آگے جا کر بلند آواز سے کہا ــــ "میں لافانی نہیں ہوں۔ میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ مجھے صلیبیوں نے بھیجا ہے کہ تمہارا ایمان خراب کروں۔ اس کی مجھے اجرت ملتی ہے"

"اور شمعون کی بیٹی سعدیہ کو اسی نے اغوا کرایا تھا" ــــ امام نے کہا۔ "ہم نے لڑکی رہا کرا لی ہے"

امام نے چُغہ اتارا۔ اندر کے کپڑے اتارے۔ لکڑی الگ کی اور رُشد کے ایک سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا

کہ یہ تمام کپڑے میں جلا دو۔ امام نے لوگوں سے کہا کہ تیر اور خنجر اس کرامت کی وجہ سے نہیں لگے ہیں ــــ تمام لوگوں نے یہ بھید دیکھ لیا تو انہیں آگے جا کر کہا گیا کہ ہر جگہ گھومو اور ہر ایک چیز دیکھو۔ لوگ دوڑتے ہوئے ہر جگہ پھیل گئے۔ پردوں کے پیچھے ایک غار بنایا گیا تھا۔ وہاں رات کو ساز دے بیٹھ کر ساز بجاتے تھے ..... لوگ خیموں میں گئے تو وہاں شراب کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ ہر جگہ گھوم پھر چکے تو انہیں ایک جگہ بٹھا کر بتایا گیا کہ یہ سب ڈھونگ کیا تھا۔ امام نے معلوم کر لیا تھا کہ جسے اُس نے رات کو زندہ کیا تھا وہ کون ہے۔ وہ اسی کے گروہ کا ایک آدمی تھا جو رسّیوں میں بندھا ہُوا قیدیوں میں بیٹھا تھا۔ اُسے لوگوں کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ ایک اور آدمی لوگوں کو دکھایا گیا، جو رات کو بوڑھے کا بہروپ دھار کر اس آدمی کا باپ بنا تھا۔ چار تیر انداز بھی سامنے آ گئے جنہوں نے رات تیر چلائے تھے۔ وہ بھی اسی گروہ کے آدمی تھے۔ غرض تمام تر ڈھونگ لوگوں کو دکھایا گیا۔

"اسلام کے بیٹو! غور سے سنو" امام نے لوگوں سے کہا ــــ "یہ سب صلیب کے پجاری ہیں اور تمہارا ایمان خراب کرنے آئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ کوئی انسان کسی انسان کو زندہ نہیں کر سکتا۔ خود خدا کسی مرے ہوئے کو زندہ نہیں کرتا کیونکہ خدائے ذوالجلال اپنے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے۔ اس کی ذات واحد ہے، اس کا شریک نہیں ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا نہیں۔ یہ صلیبی اسلام کی آواز کو دبانے کے لیے یہ ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ یہ باطل کے پجاری تمہارے ایمان اور جذبے سے اور تمہاری تلوار سے ڈرتے ہیں۔ تم ان کا مقابلہ میدان میں نہیں کر سکتے، اس لیے یہ دلکش طریقے اختیار کر کے تمہارے دلوں میں وہم اور وسوسے ڈال رہے ہیں تاکہ تم اسلام کے تحفظ کے لیے صلیب کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ۔ اسی فرعون نے اپنے آپ کو خدا کہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی خدائی کو دریائے نیل میں ڈبو دیا تھا۔ اپنی عظمت کو پہچانو میرے دوستو! اپنے دشمن کو بھی اچھی طرح پہچان لو"

لوگ جو سب کے سب مسلمان تھے مشتعل ہو گئے۔ وہ چونکہ پسماندہ اور علم سے بے بہرہ تھے اس لیے انتہا پسند تھے۔ انہوں نے گناہگار انسان کی شعبدہ بازی دیکھ کر اُسے "خدا کا بیٹا" تسلیم کر لیا اور جب اس کے خلاف باتیں سنیں تو ایسے مشتعل ہوئے کہ خون و غضب سے نعرے لگاتے اُس آدمی پر اور اس کے گروہ پر ٹوٹ پڑے۔ امام ان مجرموں کو زندہ قاہرہ لے جانا چاہتا تھا لیکن اتنے بڑے ہجوم سے انہیں زندہ لے جانا ناممکن ہو گیا۔ رُشد نے تشدد سے ہجوم پر قابو پانے کا مشورہ دیا جو امام نے تسلیم نہیں کیا۔ اُس نے کہا کہ تمہاری تلواروں سے یہ سیدھے سادے مسلمان کٹ جائیں گے۔ انہیں اپنے ہاتھوں ان لوگوں کو ہلاک کرنے دو تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ جس نے خدا کا ایلچی اور بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ ایک گناہگار انسان ہے جسے کوئی بھی انسان قتل کر سکتا ہے۔

امام، رُشد بن مسلم اور محمود ایک طرف ہٹ گئے۔ رُشد نے ایک ٹیلے پر جا کر اپنے سپاہیوں کو للکارا اور کہا ــــ "تم جہاں ہو وہیں رہو۔ ان لوگوں کو مت روکو"

تھوڑی ہی دیر بعد وہاں امام، محمود، رُشد بن مسلم اور اُس کے دستے کے سپاہی رہ گئے۔ تمام ہجوم غائب ہو چکا تھا۔ رات جہاں شعبدے دکھائے گئے تھے وہاں شعبدہ باز اور اُس کے گروہ کی لاشیں پڑی

تھیں۔ لڑکیوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ کوئی لاش پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ سب خیمہ جل چکی تھیں۔ لوگ خیمے، پردے اور تمام تر سامان لوٹ لے گئے تھے۔ مجرم گروہ کے اونٹ بھی لوگ کھول لے گئے اور رُشد کے دستے کے نو گھوڑے بھی لاپتہ ہو گئے۔ اُن کے سوار پیادہ تھے اور گھوڑوں سے دُور۔ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ یہ اپنی فوج کے گھوڑے ہیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آندھی آئی ہے اور سب کو اپنے ساتھ اڑا لے گئی ہے۔

"ہمیں اب قاہرہ چلنا پڑے گا۔" امام نے رُشد اور محمود سے کہا۔ "یہ واقعہ حکومت کے سامنے رکھنا ہوگا۔"

☆

اِن چند ہی دنوں میں صلاح الدین ایوبی نے جو احکام نافذ کیے اور جو اقدام کیے وہ انقلابی تھے۔ انتظامی انقلابی کہ اس کے تیز رو دوست اور مرید بھی چونک اٹھے۔ اُس نے سب سے پہلے اُن افسروں کے گھروں پر چھاپے مروائے اور تلاشی لی جو علی بن سفیان اور عنایات بلبیس کی مشتبہ فہرست میں تھے۔ ان میں دو تین مرکزی کمان کے اعلیٰ حاکم تھے۔ اُن کے گھروں سے زر و جواہرات، دولت اور بڑی خوبصورت غیر ملکی لڑکیاں برآمد ہوئیں۔ بعض کے گھروں میں ایسے ملازم تھے جو سوڈان کے تجربہ کار جاسوس تھے اور بھی کئی ایک ثبوت مل گئے۔ ان سب کو سلطان ایوبی نے عہدے اور رتبے کا لحاظ کیے بغیر غیر معینہ مدت کے لیے قید خانے میں ڈال دیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ اخلاقی مجرموں جیسا سلوک کیا جائے۔ اس اقدام سے اس کی مرکزی کمان اور مجلسِ مشاورت کی چند ایک اہم آسامیاں خالی ہو گئیں۔ اُس نے ذرہ بھر پروانہ کی۔

سلطان ایوبی نے دوسرا حملہ اُس گروہ پر کیا جو اپنے آپ کو مذہب کا اجارہ دار بنائے ہوئے تھا۔ سلطان ایوبی کو مشیروں نے خلوصِ نیت سے مشورہ دیا کہ مذہب ایک نازک معاملہ ہے۔ لوگ مسجدوں کے اماموں کے مرید ہیں۔ رائے عامہ خلاف ہو جائے گی۔ سلطان ایوبی نے پوچھا — "اِن میں کتنے ہیں جو مذہب کی روح کو سمجھتے ہیں؟ لوگ اُن کے مرید صرف اس لیے بن گئے ہیں کہ اُن کی ساری کوششیں اسی پر مرکوز ہیں کہ لوگ اُن کے مرید بن جائیں۔ میں جانتا ہوں یہ امام اپنی عظمت قائم کرنے کے لیے لوگوں کو اصل مذہب سے بے بہرہ رکھتے ہیں۔ قوم کی بہترین درسگاہ مسجد ہے۔ مسجد کی چار دیواری میں بٹھا کر کسی کے کان میں ڈالی ہوئی کوئی بات رُوح تک اُتر جاتی ہے۔ یہ مسجد کے تقدس کا اثر ہے، مگر یہاں مسجد کا استعمال غلط ہو رہا ہے۔ مسجدوں میں امام پیر اور مرشد بنتے جا رہے ہیں۔ اگر میں نے مسجدوں میں باعمل عالم نہ رکھے تو کچھ عرصے بعد لوگ اماموں، پیروں اور مرشدوں کی پرستش کرنے لگیں گے۔ یہ بے علم اور بے عمل عالم اپنے آپ کو خدا اور اُس کے بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ بنا لیں گے اور اسلام کے زوال کا باعث بنیں گے۔"

سلطان ایوبی نے اپنے ایک مفکر اور باعمل عالم زین الدین علی بن نجاالوعظ کو مشورے کے لیے بلایا۔ اس عالم نے اپنا جاسوسی کا ایک ذاتی نظام قائم کر رکھا تھا اور ایک بار اُس نے صلیبیوں کی ایک بڑی ہی خطرناک سازش بے نقاب کر کے بہت سے آدمی گرفتار کرائے تھے۔ وہ مذہب کو اور مذہب میں جو تخریب کاری ہو رہی ہے اسے بہت اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے یہ کہہ کر سلطان ایوبی کا حوصلہ بڑھا دیا کہ اگر آج آپ مذہب کو

تخریب کاری سے آزاد نہیں کریں گے تو کل آپ کو یہ حقیقت قبول کرنی پڑے گی کہ قوم آپ کی راہنمائی اور حکم کو تبول کرنے سے پہلے نام نہاد مذہبی پیشواؤں سے اجازت لیا کرے گی۔ اس وقت تک مسیحی مسلمانوں کے مذہبی نظریات میں توہم پرستی اور رسم و رواج کی ملاوٹ کر چکے ہیں۔۔۔۔ سلطان ایوبی نے فوری طور پر تحریری حکم نافذ کر دیا کہ زین الدین علی بن نجاالوعظ کی زیرِ نگرانی ملک کی تمام مسجدوں کے اماموں کی علمی اور سماجی جانچ پڑتال ہوگی اور نئے امام مقرر کیے جائیں گے۔ نئے اماموں کے تقرر کے لیے سلطان ایوبی نے جو شرائط لکھیں اُن میں امام کا عالم ہونے کے علاوہ فوجی یا سابق فوجی یا عسکری تربیت یافتہ ہونا ضروری قرار دے دیا۔ سلطان ایوبی مذہب، جہاد اور عسکری جذبے کو مذہب اور مسجد سے الگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے ملک میں ایسے تمام کھیل تماشے اور تفریح کے ذرائع اور طریقے جُرم قرار دے دیئے جن میں جُوئے بازی اور تخریبی سکون کا پہلو نکلتا تھا۔ اُس کے حکم سے علی بن سفیان کے محکمے نے تفریح گاہوں اور اُن کے زیرِ زمین حصوں پر چھاپے مارے جہاں سے اٹلی کے مصوروں کی بنائی ہوئی ننگی تصویریں برآمد ہوئیں۔ بہت سے لوگ گرفتار کیے گئے جنہیں ملک دشمنی اور دشمن کا آلۂ کار بننے کے الزام میں تمام عمر کے لیے قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ اس کی بجائے سلطان ایوبی نے تیغ زنی، تیر اندازی، گھوڑ سواری، بغیر ہتھیار لڑائی، کشتی جیسے جسمانی آزمائش کہتے تھے اور ایسے ہی چند ایک کھیلوں کے مقابلوں کا سرکاری انتظام کر دیا۔ پہلے مقابلے میں خود گیا اور اوّل آنے والوں کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے تک انعام میں دیئے۔ اُس نے درس گاہوں اور مسجدوں میں تعلیمی مقابلوں کا اہتمام کیا۔

سرحدی دستوں پر اُس نے زیادہ توجہ دی تھی۔ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ شہروں اور دارالحکومت سے دُور رہنے والے لوگ نظریاتی تخریب کاری کا شکار جلدی ہوتے ہیں اور وہی سب سے پہلے دشمن کے حملے یا سرحدی جھڑپوں کی زد میں آتے ہیں۔ ان لوگوں کے نظریاتی اور جسمانی تحفظ کے لیے اُس نے خصوصی انتظام کیے۔ اس نے سرحدوں پر جو دستے بھیجے تھے، اُن کے کمانڈروں کو اُس نے خود ہدایات دیں اور بڑے ہی سخت احکام دیئے تھے۔ یہ تمام کمانڈر جذبے اور ذہانت کے لحاظ سے ساری فوج میں منتخب کیے گئے تھے۔ رُشد بن مُسلم انہی میں سے تھا جسے محمود کا اشارہ ملا کہ ایک تخریب کار پکڑا ہے تو وہ پورے کا پورا دستہ لے کر اُٹھ دوڑا تھا۔ اگر پرانا کمانڈر ہوتا تو اُس وقت صلیبیوں یا سوڈانیوں کی دی ہوئی شراب میں بدمست ہوتا اور تخریب کار اپنے سرغنہ کی رہائی کے لیے گاؤں میں تباہی پھیلا کر غائب ہو چکے ہوتے۔

اب رُشد بن مُسلم، محمود بن احمد اور امام جس کا نام یوسف بن آذر تھا اُس کے کمرے میں بیٹھے اس شعبدہ باز کی کہانی سُن رہے تھے جسے لوگ قتل کر چکے تھے۔ علی بن سفیان بھی موجود تھا۔ اُس نے تینوں سے ساری واردات سُن لی تھی اور سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ سلطان ایوبی خوش تھا کہ اتنی خطرناک نظریاتی یلغار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے، مگر علی بن سفیان نے کہا — "صرف یلغار ختم ہوئی ہے۔ اس کے اثرات ختم کرنے کے لیے لمبا عرصہ درکار ہے۔ مجھے جو تفصیل معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ سرحدی دیہات سے بہیں

فوجی بھرتی نہیں مل رہی۔ سرحد کے ساتھ ساتھ رہنے والے لوگ سوڈانیوں کے دوست بن گئے ہیں۔ وہ امارتِ مصر کے خلاف ہو گئے ہیں۔ جہاد کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ لوگ غلّہ اور مویشی بھی نہیں دیتے سوڈانیوں کو بخوشی دیتے ہیں۔ مسجدیں ویران ہو گئی ہیں۔ لوگ تو ہم پرست ہو کر شعبدہ باز پیروں وغیرہ کی پرستش کرنے لگے ہیں۔ ہمیں ان لوگوں کے ذہنوں کو اپنے صحیح رستے پر واپس لانے کے لیے باقاعدہ مہم شروع کرنے پڑے گی۔ اگر اس صلیبی شب و باز کو اُس کے گروہ کو لوگ تسلی نہ کر دیتے تو ہم اسے سامنے نہ آنے میں گھماتے پھراتے۔"

سلطان ایوبی نے اپنے انتقامی اقدامات میں سرحدی علاقوں کو خاص طور پر شامل کر رکھا تھا۔ اب اُس نے اس طرف اور زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ کیا۔ اُس کے لیے سب سے زیادہ شدید سردردی یہ تھی کہ تقی الدین اور اُس کی فوج کو سوڈان سے نکالنا تھا۔ قاہرہ پہنچتے ہی وہ منصوبہ بندی میں مصروف ہو گیا تھا۔ راتوں کو سوتا بھی نہیں تھا۔ وہ خود سوڈان کے محاذ پر نہیں جا سکتا تھا کیونکہ مصر کے اندرونی حالات اُس کی توجہ کے محتاج تھے۔ اُس نے قاہرہ میں آ کر تقی الدین کو یہ اطلاع دینے کے لیے کہ وہ قاہرہ آ گیا ہے، ایک قاصد بھیج دیا تھا۔ قاصد واپس آ چکا تھا۔ اُس نے بتایا تھا کہ تقی الدین کا جانی نقصان خاصا ہو چکا ہے اور کچھ نفری دشمن کے جھانسے میں آ کر یا جنگ کی صورتِ حال سے گھبرا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئی ہے۔ قاصد نے بتایا کہ تقی الدین اپنی باقی ماندہ فوج کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے مگر دشمن اُس کے سر پر موجود رہتا ہے۔ تقی الدین کو جوابی حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اُسے اتنی سی مدد کی ضرورت ہے کہ دشمن پر حملے کرنے کے لیے چند دستے مل جائیں تاکہ وہ اپنی فوج کو واپس لا سکے۔

سلطان ایوبی نے اسی وقت اپنے تین چار چھاپہ مار دستے اور چند ایک وہ دستے جنہیں جوابی حملہ کرنے اور دشمن پر عقب سے حملے کرنے کی خصوصی مشق کرائی گئی تھی سوڈان بھیج دیئے تھے۔ وہ ہر حملہ دشمن کے عقب میں جا کر کرتے اور دشمن کا نقصان کر کے اور اُسے بکھیر کر اِدھر اُدھر ہو جاتے تھے۔ چھاپہ ماروں نے دشمن کو زیادہ پریشان کیا۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ دشمن کو تقی الدین کے تعاقب سے ہٹایا جائے۔ وہ خلافِ توقع بہت جلدی کامیاب ہو گئے۔ ان کی اہلیت اور شجاعت کے علاوہ ان کی کامیابی کی وجہ یہ بھی تھی کہ دشمن کی فوج تھکی ہوئی تھی اور صحرا بڑا ہی دشوار اور گرم تھا۔ گھوڑے اور اونٹ جواب دے رہے تھے۔

سوڈان کا حملہ بُری طرح ناکام ہوا۔ کامیابی صرف یہ ہوئی کہ تقی الدین کو، اُس کی مرکزی کمان کے سالاروں وغیرہ اور دستوں کو اور بچی کھچی فوج کو ایسی تباہی سے بچا لیا گیا جو اُن کی قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔ تقی الدین جب مصر کی سرحد میں داخل ہوا تو اُسے پتہ چلا کہ وہ سوڈان میں آدھی فوج ضائع کر آیا ہے۔

☆

اُدھر کرک میں۔ ابھی نورالدین زنگی کے کاریگروں نے ضرورت کے مطابق دُور مار منجنیقیں بنالی تھیں، جن سے قلعے کے اندر پتھر کم اور آگ زیادہ پھینکی جا رہی تھی۔ صلاح الدین ایوبی اندر کے چند ایک حدث بتا آیا تھا۔ اُن میں رسد کا ذخیرہ بھی تھا۔ آگ کے پہلے گولے قلعے کی اُس طرف پھینکے گئے جس طرف سے رسد کا ذخیرہ ذرا

تریب تھا۔ خوش قسمتی سے گولے گودام کے پیچھے جا گرے۔ اندر سے شعلے بلند ہوئے۔ انہوں نے زنگی کی فوج کا حوصلہ بڑھا دیا۔ مسلمانوں نے دُور مار تیر و کمان بھی تیار کر لیے تھے۔ انہیں استعمال کرنے کے لیے فیصلہ کن موقع کا انتظار تھا۔ پہلی استعمال کیے جا رہے تھے لیکن آٹھ دس تیر پھینک کر سپاہی بے حال ہو جاتا تھا۔ زنگی نے ایک اور دلیرانہ کارروائی کی۔ اُس نے نہایت دلیر سپاہی چُن لیے اور انہیں حکم دیا کہ قلعے کے دروازے پر ٹوٹ پڑیں۔ انہیں دروازہ توڑنے کے موزوں اوزار دیئے گئے۔

جانبازوں کا یہ دستہ دروازے کی طرف دوڑا تو اوپر سے صلیبیوں نے تیروں کا مینہ برسا دیا۔ کئی جانباز شہید اور زخمی ہو گئے۔ زنگی نے دُور مار تیر انداز کو وہاں اکٹھا کر لیا اور عام تیر اندازوں کا بھی ایک ہجوم جو لیا۔ ان سب کو مختلف زاویوں پر مورچہ بند کر کے دروازے کے اوپر والے دیوار کے حصے پر مسلسل تیر پھینکنے کا حکم دیا۔ حکم کی تعمیل شروع ہوئی تو اتنے تیر برسنے لگے جن کے پیچھے دیوار کا بالائی حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ جانبازوں کی ایک اور جماعت دروازے کی طرف دوڑی۔ زنگی نے تیروں کی بارش اور تیز کرا دی۔ دیوار پر للکار سنائی دی۔ ذرا دیر بعد دیوار پر لکڑیوں سے بندھے ہوئے ڈرم نظر آئے۔ یہ جلتی لکڑیوں اور کوئلوں سے بھرے ہوئے تھے۔ جونہی انہیں باہر کو اٹھانے والوں کے سر نظر آئے وہ سر تیروں کا نشانہ بن گئے۔ ایک دو ڈرم باہر گرے باقی دیوار پر ہی اُلٹے ہو گئے۔ وہاں سے شعلے اٹھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ آگ پھینکنے والے اپنی آگ میں جل رہے ہیں۔

زنگی کے کسی کمانڈر نے زنگی کے حملے کا یہ طریقہ دیکھ لیا۔ وہ گھوڑا سرپٹ دوڑا کر قلعے کے پچھلے دروازے کی طرف چلا گیا اور وہاں کے کمانڈر کو بتایا کہ سامنے والے دروازے پر کیا ہو رہا ہے۔ ان دونوں کمانڈروں نے وہی طریقہ پچھلے دروازے پر آزمانا شروع کر دیا۔ پہلے تو تین مجاہدین کا جانی نقصان زیادہ ہوا، لیکن جوں جوں مجاہدین گرتے تھے اُن کے ساتھی قہر بن کر دروازے کی طرف دوڑتے تھے۔ تیر اندازوں نے صلیبیوں کو اوپر سے آگ نہ پھینکنے دی۔ زنگی نے حکم دے دیا کہ منجنیقیں قلعے کے اندر آگ پھینکیں۔ زنگی کی فوج نے دونوں دروازوں پر دلیرانہ حملے دیکھے تو فوج کسی کے حکم کے بغیر دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ قلعے کے سامنے چلا گیا اور دوسرا پچھلی دروازے کی طرف۔ دونوں طرف دیوار پر تیروں کی ایسی بارش برسائی گئی کہ اوپر کی مزاحمت ختم ہو گئی۔ دونوں دروازے توڑ لیے گئے۔ زنگی کی فوج اندر چلی گئی۔ شہر میں خونریز جنگ ہوئی۔ وہاں کے باشندوں میں بھگدڑ مچ گئی۔

اس بھگدڑ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صلیبی حکمران اور کمانڈر قلعے سے نکل گئے۔ شام تک صلیبی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ زنگی نے قیدی مسلمانوں کو کھلے اور بند قید خانوں سے نکالا۔ پھر صلیبی حکمرانوں کو سارے شہر میں تلاش کیا مگر کوئی ایک بھی نہ ملا۔

یہ ۱۱۷۲ء کی آخری سہ ماہی تھی جب کرک کا مضبوط قلعہ سر کر لیا گیا اور مسلمانوں کو بیت المقدس نظر آنے لگا۔

☆

جب خزانہ مل گیا

صلیبیوں کی یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی ہنگامہ خیز کانفرنس تھی۔ وہ ہر شکست کے بعد، ہر فتح کے بعد، ہر پسپائی اور ہر کامیاب پیش قدمی کے بعد مل بیٹھتے تھے۔ تبادلۂ خیالات کرتے اور شراب پیتے تھے۔ عورت اور شراب کے بغیر وہ سمجھتے تھے کہ جنگ جیتی ہی نہیں جا سکتی۔ اپنی بیٹیوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں جاسوسی، تخریب کاری اور مسلمان حکام کی کردار کشی کے لیے بھیج دیتے تھے اور خود اپنے قبضے میں لیے ہوئے علاقوں سے مسلمان لڑکیاں اغوا کر کے انہیں تفریح کا ذریعہ بناتے تھے۔ جاسوسوں نے جب انہیں یہ بتایا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ صلیبی عصمتوں کے پجاری اور مسلمان عصمتوں کے محافظ ہیں تو صلیبی حکمران اور کمانڈر بہت ہنسے تھے۔ ان میں سے کسی نے سلطان ایوبی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ شخص اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتا کہ جس طرح صلیب کے بیٹے سپاہی بن کر اپنا جسم استعمال کرتے ہیں اسی طرح صلیب کی بیٹیاں بھی مسلمانوں کو بیکار کرنے کے لیے اپنا جسم استعمال کرتی ہیں۔ کسی اور نے کہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو ابھی تک احساس نہیں ہوا کہ اس کی قوم کے بیشمار چھوٹے چھوٹے حکمرانوں، قلعہ داروں اور سالاروں کو ہماری ایک ایک لڑکی اور سونے کے سکوں کی ایک ایک تھیلی ایسی شکست دے چکی ہے جس پر وہ لوگ فخر کر رہے ہیں اور اس شکست سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی ہم سے اسلام کی عصمت کس طرح بچائے گا؟

یہ صلیبیوں کی پہلی کانفرنسوں کی باتیں ہیں مگر ۱۱۸۲ء کے آخر میں بیت المقدس میں صلیبی سربراہ اکٹھے ہوئے تو ان پر کچھ اور ہی موڈ طاری تھا۔ انہوں نے سلطان ایوبی کا مذاق نہ اڑایا۔ کسی کے ہونٹوں پر جھوٹے سے بھی مسکراہٹ نہ آئی اور کسی کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ جب مل بیٹھتے ہیں تو شراب کا دور بھی چلا کرتا ہے۔ کرک سے وہ بڑے ہی شرمناک طریقے سے پسپا ہوئے تھے۔ ان میں رینالڈ بھی تھا جو کرک کا قلعہ دار بلکہ مالک تھا۔ وہ جنگجو تھا، فنِ حرب و ضرب کا ماہر تھا، سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ اس نے اپنے زرہ پوش لشکر سے متعدد بار لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس محفل میں ریمانڈ بھی تھا جس نے کرک کے محاصرے کے دوران سلطان ایوبی کی فوج کو محاصرے میں لے لیا تھا۔ ان دونوں نے ایسا پلان بنایا تھا جس کے متعلق وہ بجا طور پر خوش فہمیوں میں مبتلا تھے، مگر سلطان ایوبی نے کرک کا محاصرہ قائم رکھا، ریمانڈ کا محاصرہ ایسے انداز سے توڑا کہ ریمانڈ کا لشکر محاصرے میں آ گیا۔ اس کی رسد تباہ ہو گئی اور اس کی فوج اپنے زخمی گھوڑوں اور اونٹوں کو مار مار کر کھاتی رہی۔ آخر اس

کی آدھی سے زیادہ فوج کٹ گئی، کچھ گرفتار ہوئی اور باقی پسپا ہو گئی۔

یہ بیچارا خوش نصیب تھا کہ نورالدین زنگی کے سرفروشوں نے قلعہ سر کر لیا تو اندر کی بھگدڑ میں یہ بیچارا بچ کر نکل گیا، ورنہ وہ اس کانفرنس میں شمولیت کے لیے زندہ نہ ہوتا۔ اس محفل میں صلیبیوں کے اُن جنگجو سرداروں کی تعداد بھی خاصی تھی جنہیں "نائٹ" کہا جاتا تھا۔ یہ ایک خطاب تھا جو بادشاہ کی طرف سے عطا کیا جاتا اور اس کے ساتھ سر سے پاؤں تک زرہ بکتر دی جاتی تھی۔ اس کانفرنس میں عکرہ کا پادری بھی تھا جسے حافظِ صلیبِ اعظم کا رتبہ دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ گے آف لوزینان اور اس کا بھائی آمالرک بھی تھا اور ان میں مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن فلپ آگسٹس بھی تھا۔ ٹاٹوں اور دیگر کمانڈروں کے ساتھ ساتھ اس کانفرنس میں صلیبیوں کی متحدہ اٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن اور اس کے دو تین معاون بھی تھے۔ ابتدا میں اس ہجوم پر خاموشی چھائی رہی جیسے وہ ایک دوسرے کے سامنے بات کرتے گھبراتے ہوں۔ آخر فلپ آگسٹس نے زبان کھولی جس سے محفل میں زندگی کے آثار نظر آنے لگے۔ اُس نے "حافظِ صلیبِ اعظم" کو کانفرنس کی صدارت پیش کر کے اسی سے درخواست کی کہ وہ خطاب کرے۔

"ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہو رہی ہے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں، عہد توڑے اور بیت المقدس میں زندہ اور تندرست آ بیٹھے۔" عکرہ کے پادری نے کہا۔ "میں یسوع مسیح کے آگے شرمسار ہوں اور میں صلیب کو دیکھتا ہوں تو میری نظریں جھک جاتی ہیں۔ کیا تم سب نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلفیہ عہد نہیں کیا تھا کہ اس کے دشمنوں کا خاتمہ کرو گے خواہ اس میں تمہیں جانیں بھی قربان کرنی پڑیں؟ کیا تم نے حلف نہیں اٹھایا تھا کہ اسلام کا نام و نشان مٹانے کے لیے جان اور مال کی اور اپنے جسموں کے اعضا کی قربانی دینے سے گریز نہیں کرو گے؟ تم میں کتنے ہیں جن کے جسموں پر ہلکی سی خراشیں بھی آئی ہوں؟ کوئی ایک بھی نہیں۔ تم شوبک مسلمانوں کو دے کر بھاگ آئے ہو۔ میں اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں کہ جو میدان میں اترتے ہیں، وہ شکست بھی کھا سکتے ہیں۔ دو فتوحات کے بعد ایک شکست کوئی معنی نہیں رکھتی مگر یکے بعد دیگرے دو شکستیں اور دو پسپائیاں مجھے یقین دلا رہی ہیں کہ صلیب یورپ میں نیند ہو گئی ہے اور وہ وقت بھی آنے والا ہے جب یورپ کے کلیساؤں میں مسلمانوں کی اذانیں گونجیں گی۔"

"ایسا کبھی نہیں ہوگا"۔۔۔ فلپ آگسٹس نے کہا۔ "صلیبِ اعظم کے محافظ! ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ شکست کے کچھ اسباب تھے جن پر ہم غور کر چکے ہیں اور اب آپ کی موجودگی میں مزید غور کریں گے۔"

"اور شاید تم اس پر غور نہ کرو کہ اب مسلمانوں کی منزل بیت المقدس ہوگی"۔۔۔ صلیبِ اعظم کے محافظ نے کہا۔ "کیا تم اس حقیقت سے بے خبر ہو کہ صلاح الدین ایوبی بیت المقدس لینے کی قسم کھا چکا ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے جس کی خاطر وہ اپنے بچوں تک کو ذبح کرا ڈالیں گے؟"

"ہم نے مسلمانوں میں غداری کا بیج ڈال دیا ہے"۔۔۔ فلپ آگسٹس نے کہا۔۔۔ "ہم نے مسلمانوں میں اتنے غدار پیدا کر لیے ہیں جو صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کو بیت المقدس کے راستے پر ڈال کر

انہیں راستے میں ہی پسپا یا مار ڈالیں گے۔"

"پھر یہ کون سے مسلمان ہیں جنہوں نے تم سے دو اتنے مضبوط قلعے لے لیے ہیں؟" صلیبِ اعظم کے محافظ نے کہا۔ "اس حقیقت کو مت بھولو کہ مسلمان انتہا پسند قوم ہے۔ مسلمان غداری پر آتا ہے تو اپنے بھائیوں کی گردن پر چھری چلا دیتا ہے مگر اس میں جب قومی جذبہ بیدار ہو جاتا ہے تو اپنی گردن کاٹ کر گرنا بھی کارنامہ ادا کر دیا کرتا ہے۔ مسلمان اگر غدار بھی ہو جائے تو اس پر اعتماد نہ کرو۔ دھوکہ نہ جاؤ۔ گزشتہ بیس سالوں کے واقعات پر نظر ڈالو۔ اسلام کے غداروں نے تمہیں کتنے علاقے دلوائے ہیں؟ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ مصر میں قدم رکھو تو آج مسلمان فلسطین میں بیٹھے ہیں۔ کل تمہارے سینے پر بیٹھے ہوں گے۔ یاد رکھو میرے دوستو! اگر صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی نے تم سے بیت المقدس لے لیا تو وہ تم سے یورپ بھی لے لے گا لیکن سوال فلسطین اور یورپ کا نہیں، سوال زمین کے ٹکڑوں کا نہیں، اصل مسئلہ صلیب اور اسلام کا ہے۔ یہ دو مذہبوں اور دو نظریوں کی جنگ ہے۔ دونوں سے ایک کو ختم ہونا ہے۔ کیا تم صلیب کا خاتمہ پسند کرو گے؟"

"نہیں مقدس باپ! ایسا کبھی نہیں ہوگا"۔۔۔ محفل میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اتنی زیادہ مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔

"پھر تم ان وجوہات پر غور کرو جو تمہاری پسپائی کا باعث بنی ہیں"۔۔۔ حافظِ صلیبِ اعظم نے کہا۔۔۔ "میں تمہیں جنگ کے متعلق کوئی سبق نہیں دے سکتا۔ میں فلسطین کے محاذ کا سپاہی ہوں۔ میں کلیسا کا محافظ ہوں۔ مجھے کیسا کی تین لڑائیوں کی قسم دس کروڑ مسلمان میرے سامنے لے آؤ، انہیں صلیب کا پجاری بنا لوں گا۔ ذرا اس پر غور کرو کہ تمہارے اتنے بڑے بڑے لشکر جو زرہ پوش ہیں، مسلمانوں کی تقریباً ننگی فوج کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے؟ تمہارے پانچ سو سواروں کو ایک سو پیادہ مسلمان کیوں شکست دے دیتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ مسلمان مذہب کے جنون سے لڑتے ہیں۔ وہ تمہارے مقابلے میں آتے ہیں تو قسم کھا لیتے ہیں کہ فتح یا موت۔ میں نے سنا ہے کہ ان کے بچے پیچھے مار تمہارے عقب میں چلے جاتے ہیں اور تمہاری کمر توڑ کر تمہارے تیروں سے گھائل ہو جاتے ہیں یا نکل جاتے ہیں۔ ذرا سوچو کہ دس دس بارہ بارہ آدمی تمہارے ہزاروں کے لشکر میں کس طرح گھس آتے ہیں؟ یہ محض مذہبی جنون ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا بھی ان کے ساتھ ہے اور خدا کا رسول بھی ان کے ساتھ ہے۔ ایسی دلیرانہ کارروائیوں میں وہ اپنے کمانڈروں سے نہیں قرآن سے حکم لیتے ہیں۔ میں نے قرآن کا مطالعہ بہت غور سے کیا ہے۔ ہمارے خلاف جنگ کو قرآن جہاد کہتا ہے اور ہر مسلمان پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ یہی کہ جہاد کو نماز یعنی عبادت پر فوقیت حاصل ہے۔۔۔۔ تم بھی جب تک اپنے آپ میں یہی جنون پیدا نہیں کرو گے اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

☆

کچھ ایسے ہی جذباتی اور حقیقی الفاظ تھے جن سے عکرہ کے پادری نے اپنے شکست خوردہ حکمرانوں اور کمانڈروں کو بھڑکانے اور ان میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور وہ یہ کہہ کر چلا گیا کہ اب آپس میں بحث

مباحثہ کرو کہ تمہاری شکست کے اسباب کیا تھے اور اس کی ذمہ داری کس کس پر عائد ہوتی ہے اور اس شکست کو فتح میں کس طرح بدلنا ہے۔ بیت المقدس کو زندگی اور موت کا مسئلہ بنالو۔ صلاح الدین ایوبی فرشتہ نہیں۔ تمہاری طرح ایک انسان ہے۔ اُس کی طاقت صرف اس میں ہے کہ ایمان کا پکا ہے۔

پادری کے جانے کے بعد کانفرنس میں جو گرما گرمی پیدا ہوئی وہ اس لحاظ سے تاریخی نوعیت کی تھی کہ اس میں کچھ فیصلے کیے گئے۔ ان میں ایک فیصلہ یہ تھا کہ جوابی حملہ نہ کیا جائے بلکہ ایوبی اور زنگی کے لیے انگیجمنٹ پیدا کی جائے کہ وہ پیش قدمی کریں اور حملے جاری رکھیں۔ انہیں مستقر سے دور لایا جائے اور کثیر کمک بھیج کر لڑایا جائے۔ اس طرح اُن کی رسد کے راستے لمبے اور غیر محفوظ ہو جائیں گے۔ اس کے ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور فرینکوں کو فوری طور پر تیار کیا جائے کہ سمندر کی طرف سے مصر پر بحری حملہ کریں، اور ساحل پر فوج اتار کر مصر کے شمال مشرق کے اتنے سے علاقے پر قبضہ کر لیں جسے مضبوط مستقر (اڈہ) بنا لیا جائے۔ اسے فلسطین کے دفاع اور مصر پر جارحیت کے لیے استعمال کیا جائے گا۔ اہم فیصلہ یہ ہوا کہ اسلامی علاقوں میں اخلاق کی تخریب کاری تیز کر دی جائے اور نظریاتی حملے اور شدید کر دیے جائیں۔

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ مصر میں صلیبیوں کی ایک مہم تباہ کر دی گئی تھی جو سرحدی علاقے میں توہمات پیدا کرنے کے لیے عروج پر پہنچ گئی تھی۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں سے آکر اطلاع دے دی تھی کہ وہ مہم ناکام ہو چکی ہے اور جن مسلمانوں کو زیرِ اثر لے لیا گیا تھا انہوں نے ہی مہم کے افراد کو ہلاک کر دیا ہے.... اس کانفرنس میں یہ انکشاف پیش کیا گیا کہ مقبوضہ علاقوں میں مسلمانوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی ہے۔ وہ مجبور ہو کر قافلوں کی صورت میں ترکِ وطن کرتے ہیں تو راستے میں اُن کے قافلے لُوٹ لیے جاتے ہیں۔ مال اور مویشی چھین لیے جاتے ہیں اور لڑکیوں کو اغوا کر لیا جاتا ہے۔ کانفرنس میں اس اقدام کو ضروری سمجھا گیا۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کا یہ بھی ایک اچھا طریقہ تھا۔ یہ نسل کُشی کی مہم تھی جو صلیبیوں نے بہت عرصے سے جاری کر رکھی تھی۔ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کی کمسن اور خوبصورت بچیوں کو اغوا کر کے صلیبی انہیں بے حیائی اور چرب زبانی کی تربیت دے کر انہیں پالتے پوستے اور جب وہ جوان ہو جاتیں انہیں مسلمانوں میں غداری کے جراثیم پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے لیے بے شمار دولت کی ضرورت تھی جو خرچ تو کی جا رہی تھی لیکن کچھ دشواریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ایک یہ تھی کہ رقم اونٹوں کے ذریعے بھیجی جاتی تھی۔ کئی بار ایسے ہوا کہ مصر کے کسی سرحدی دستے نے پکڑ لیا یا اونٹ لوٹ لیے گئے۔ ضرورت یہ محسوس کی گئی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ مل جائے جس سے رقم اور انعامات کی دیگر قیمتی اشیاء اسی ملک سے دستیاب ہو جائیں جہاں استعمال کرنی ہوں۔ کئی عرصے سے اس مسئلے پر سوچ و بچار ہو رہا تھا۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا کمانڈر ہرمن۔ علی بن سفیان کی طرح غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ اُس نے کہا کہ مصر کی زمین اپنے اندر اس قدر خزانے چھپائے ہوئے ہے جس سے ساری دنیا کو خریدا جا سکتا ہے مگر ان خزانوں تک پہنچنا آسان

سے ستارے توڑ لانے کے برابر تھا۔ یہ خزانے فرعونوں کے مدفنوں میں محفوظ تھے۔ تاریخ فرعونوں کی اس رسم سے کبھی بھی بے خبر نہیں رہی کہ جب کوئی فرعون مرتا تھا تو اس کے ساتھ شاہانہ ضروریات کا تمام سامان اس کے ساتھ دفن کر دیا جاتا تھا۔

مرے ہوئے فرعون کی قبر چند گز چوڑی نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ زمین کے نیچے ایک محل تعمیر ہو جاتا تھا۔ فرعون اپنی زندگی میں اپنا مدفن تیار کرایا کرتے تھے اور جگہ ایسی منتخب کرتے تھے جس تک اُس کی موت کے بعد کوئی رسائی حاصل نہ کر سکے۔ مرنے کے بعد مدفن کو اس طرح بند کر دیا جاتا تھا کہ معماروں کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اسے کھولا کس طرح جا سکتا ہے۔ مرنے والے کے واقعتین معماروں کو قتل کر دیا کرتے تھے۔ فرعونوں کا ایک عقیدہ تو یہ تھا کہ وہ خدا ہیں اور دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد انہیں نئی جاہ و جلال حاصل ہوگا۔ چنانچہ پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر اور پھر پہاڑ کے نیچے زمین کی کھدائی کر کے محل جیسے ہال اور دیگر کمرے بنوا کر اس محل میں زیادہ سے زیادہ ہیرے جواہرات رکھوا دیئے جاتے تھے اس کے علاوہ بگھیاں بمع گھوڑوں اور گھریلو سامان کے اور کشتیاں بمع ملاحوں کے اندر رکھ دی جاتی تھیں۔ خدمت کے لیے کنیزیں اور غلام اور بیویاں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ اس طرح صورت حال یہ بن جاتی تھی کہ ایک انسان کی لاش کے ساتھ جہاں بے اندازہ مال و دولت دفن ہو جاتا تھا وہاں بہت سے انسان زندہ اندر بھیج کر باہر سے مدفن کا منہ بند کر دیا جاتا تھا۔ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دم گھٹنے سے کس طرح مرتے ہوں گے۔ فرعونوں کی لاشوں کو مسالے وغیرہ لگا کر محفوظ کیا جاتا تھا۔ ہزاروں سال گزر جانے کے بعد آج بھی ان کی لاشیں محفوظ ہیں، جن میں کچھ لندن کے عجائب خانے میں پڑی ہیں۔

فرعونوں کا دور ختم ہوا تو مصر کی حکومت جس کے بھی ہاتھ آئی اُس نے فرعونوں کے مدفن تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہ مہم ناممکن کی حد تک مشکل ثابت ہوئی۔ مدفنوں کو تلاش کرنا ہی ایک مسئلہ تھا۔ اس کے بعد آج تک یہ مہم جاری ہے۔ مصر نے تاریخ میں بہت سی بادشاہیاں دیکھیں۔ ہر بادشاہ نے مدفن تلاش کیے جسے جو ہاتھ لگا لے اُڑا۔ سب سے زیادہ حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا کیونکہ انگریزوں نے وہاں موجودہ دور میں اپنا اثر قائم کیا تھا جب سائنس ترقی کر چکی تھی۔ سائنس نے اور کھدائی کے مشینی طریقوں نے انگریزوں کی بہت مدد کی۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ مصر کی زمین فرعونوں کے خزانوں سے ابھی تک مالا مال ہے اور مصر کی تاریخ میں اگر غور سے جھانکیں تو اس میں ایسے پُراسرار اور خوفناک واقعات ملتے ہیں کہ رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔ کچھ ذاتی طور پر کسی فرعون کے مدفن کی تلاش میں نکلے۔ ان میں سے بعض مدفن میں داخل ہو بھی گئے مگر معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں غائب ہو گئے۔ ان میں سے جو بچ کر نکلے وہ دوسروں کے لیے سراپا عبرت بن گئے۔ اسی لیے یہ عقیدہ آج بھی قائم ہے کہ فرعون خدا تو نہیں تھے لیکن اُن کے پاس مر کر بھی کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو اُن کے مدفنوں میں جانے والوں کو عبرتناک سزا دیتی ہے۔ لوگوں نے اس عقیدے کو اس لیے تسلیم کیا ہے کہ جس بادشاہ نے بھی کسی فرعون کے مدفن میں ہاتھ ڈالا اس کی بادشاہی کو زوال آیا۔ بعض نے

فرعونوں کو نحوست کا حامل کہا ہے۔

مفتاح الدین ایوبی کے دور سے پہلے ہی صلیبیوں کو معلوم تھا کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہ وجہ بھی تھی کہ وہ مصر پر قابض ہونا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو شکست دینا آسان نظر نہ آیا تو انہوں نے یہ حربہ شروع کر دیا کہ ان مذہبوں کی نمائش مذہبوں سے کرائی جائے اور خزانے منگوا کر استعمال کیے جائیں۔ انہیں کسی ذریعہ سے پتہ چل گیا تھا کہ مصری حکومت کے پرانے کاغذات میں ایسی تحریریں درنقشہ وجود ہیں جن میں بعض مذہبوں کے متعلق معلومات درج ہیں۔ ان کاغذات تک پہنچنا آسان نہیں تھا۔ صلیبیوں نے مصر میں بڑے ذہین جاسوس بھیجے تھے جو صرف یہ معلوم کر سکے تھے کہ یہ کاغذات کہاں ہیں اور کس طرح اڑائے جا سکتے ہیں مگر اس شعبے کے سربراہ کو اپنی کامیابی میں یقین نہ تھا۔ اُن دنوں جب سلطان ایوبی شوبک اور کرک کی جنگوں میں اُلجھا ہوا تھا اور اُس کی نیم حاضری میں مصر سازشوں کی زد میں تھا اور بغاوت کا آتش فشاں بن چکا تھا، صلیبیوں کے ماہر سربراہ ہرمن نے کامیابی حاصل کر لی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج کے ایک اعلیٰ کمانڈر امیر درویش کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ امیر سوڈانی تھا۔ اس کے خلاف کوئی ایسی شکایت نہیں تھی کہ وہ غدار ہے۔ سلطان ایوبی کو اس پر اعتماد تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی زیر کمان لڑائیاں لڑی تھیں اور کمانڈروں کی صف میں نام پیدا کیا تھا۔

بعد کے نشانات سے معلوم ہوا کہ یہ کمال میریا ایستھینا نام کی ایک صلیبی لڑکی کا تھا کہ اُس نے احمد کے دماغ میں سوڈان کی محبت، سلطان ایوبی کی مخالفت اور مصر کے سرحدی علاقے میں سے کچھ حصے کی خود مختار ریاست کا لالچ پیدا کیا تھا۔ وہ تھا تو مسلمان لیکن صلیبیوں نے اُس کے دماغ میں ڈال دیا تھا کہ وہ پہلے سوڈانی اور بعد میں مسلمان ہے۔ اب جبکہ نورالدین زنگی نے کرک کا قلعہ توڑ لیا تھا اور سلطان ایوبی مصر میں غداروں کا قلع قمع کر رہا تھا، امیر درویش نے صلیبی جاسوسوں کے ساتھ کئی ایک ملاقاتیں کر لی تھیں۔ اُس نے کسی کو شک تک نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ دشمن کے ساتھ ساز باز کر رہا ہے۔ اُس نے مرکزی دفاتر میں اتنا اثر و رسوخ پیدا کر رکھا تھا کہ وہ پرانی دستاویزات تک بسہولت پہنچ گیا۔ وہاں سے اُس نے جو کاغذات چوری کرائے اُن میں نقشہ ہرمن کا بنایا ہوا پرانا سا نقشہ تھا۔ دراصل یہ کاغذات نہیں کپڑے اور کاغذ کے درمیان کی کوئی چیز تھی۔ ایسے ہی چند ایک اور کپڑے یا کاغذ تھے جن پر فرعونوں کے وقتوں کی عجیب و غریب تحریریں تھیں جنہیں پڑھنا اور سمجھنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ یہ کسی کو دکھائی بھی نہیں جا سکتی تھیں۔ بہرحال کسی طرح ان تحریروں کے معانی واضح کر لیے گئے۔ انکشاف یہ ہوا کہ قاہرہ سے تقریباً اٹھارہ کوس دور ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو خوفناک ہے، بڑا ہے اور جس کے اندر شاید درندے بھی نہیں جاتے ہوں گے۔ اس کے اندر کہیں ایک فرعون کا دفن ہے۔

یہ نہیں بتایا جا سکتا تھا کہ یہ تحریر کہاں تک صحیح اور بامعنی ہے۔ اس میں نمبروں میں ہاتھ سے بنی ہوئی چند ایک تصویریں بھی تھیں۔ کہانی کا کچھ حصہ ان تصویروں میں چھپا ہوا تھا۔ احمد نے قسمت آزمائی کا فیصلہ

کر لیا تھا۔ اس فرعون کا نام رعمیس دوم تھا۔ اس کے مدفن کی تلاش اور کھدائی کے لیے صلیبیوں نے قاہرہ میں چند ایک ہوشیار، دانشمند اور جفاکش جاسوس بھیج دیئے تھے۔ ان کا سربراہ مارکونی اطالوی تھا جسے سیاحت اور کوہ پیمائی کا تجربہ تھا۔ انہوں نے ان آدمیوں کو کامیابی سے بہروپ پہنا دیئے تھے کہ قاہرہ میں کوئی پہچان نہیں سکتا تھا۔ دو کو تو اُس نے اپنے گھر میں ملازم رکھ لیا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ منصوبہ پیدا ہوا تھا کہ وہ مدفن سے زر و جواہرات نکالے، انہیں اپنے پاس رکھے۔ سلطان ایوبی کے خلاف تخریب کاری میں استعمال کرے، فدائیوں کو منہ مانگی اجرت دے۔ سلطان ایوبی کو قتل کرائے اور جب مصر صلیبیوں یا سوڈانیوں کے قبضے میں آ جائے گا تو اُسے ایک خود مختار ریاست بنا دی جائے گی جس میں کچھ حصہ سوڈان کا اور کچھ حصہ شامل ہوگا۔ اسے یہ بھی کہا گیا تھا کہ اس کوشش کے دوران اگر سلطان ایوبی صلیبیوں پر یا سوڈانیوں پر حملہ کرے تو امیر اپنے زیر کمان دستوں کو سلطان ایوبی کی جنگی چالوں کے الٹ استعمال کرے۔

امیر درویش کا دماغ اتنے بڑے جال کے جادو کی گرفت میں آ چکا تھا اور اُس سے کوئی کوتاہی صلیبیوں کے ساتھ جو اُس نے گزروں کے بہروپ میں اُس کے گھر میں تھے نقشہ دے کر مدفن کی تلاش کی مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ ایک جاسوس کی واپسی سے اُس نے ہرمن کو اطلاع بھیج دی تھی کہ تلاش شروع ہو چکی ہے۔ ہرمن نے اس کانفرنس میں صلیبی حکمرانوں وغیرہ کو بتا دیا تھا کہ یہ مدفن بے نقاب ہو گیا تو اس سے برآمد ہونے والی دولت سے مصر کی بڑی مہمات کے اخراجات پورے کیے جا سکیں گے۔

☆

۱۱۷۴ء کی پہلی سہ ماہی کے آخری دن تھے۔ قاہرہ سے اٹھارہ کوس دور ایک نوجوان اونٹ کو دوڑائے جا رہا تھا۔ ہر اونٹ پر ایک آدمی سوار تھا۔ ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک سوار نے چلتے چلتے اندر سے ایک گول کیا ہوا چھوٹا سا کاغذ نکالا۔ اُسے کھول کر غور سے دیکھا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ مگر یہاں سب اس کے اشارے پر تینوں اونٹ آگے چل پڑے۔ دو ٹیلے آمنے سامنے دیواروں کی طرح کھڑے تھے۔ ان کے درمیان ایک اونٹ گزرنے کا راستہ تھا۔ تینوں ایک تنگ درے میں چلے گئے۔ اندر کی پہاڑیوں کی شکل و صورت ایسی تھی جیسے کوئی بہت ہی وسیع عمارت ہو جس کی چھتیں غائب ہوں۔ ریت کے لامحدود سمندر میں یہ پہاڑی علاقہ تین چار میلوں میں پھیلا ہوا تھا۔ باہر ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ان کے نیچے سخت مٹی کی پہاڑیاں اور ان کے نیچے ٹوٹی پھوٹی دیواروں کی طرح پہاڑیاں تھیں جن میں بعض بہت چوڑے اور گول ستونوں کی طرح ایک ہزار فٹ بلندی تک گئی ہوئی تھیں۔ سورج غروب ہونے کے بعد جب شام ابھی گہری نہیں ہوئی تھی یہ علاقہ بہت سے بھوتوں کی طرح نظر آیا کرتا تھا۔ اس کے اندر جانے کی کسی نے کبھی جرأت نہیں کی تھی۔ کوئی جرأت کرتا بھی تو کیوں کرتا۔ اندر جانے کی کسی کو کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ صرف کے مسافروں کی ضرورت صرف پانی ہوا کرتی تھی۔ ایسے خشک پہاڑوں اور چٹانوں کے اندر جو دن کے وقت دور سے شعلوں کی طرح نظر آتے تھے پانی کا ذرا سا

دھوکہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ جگہ کسی راستے میں بھی نہیں پڑتی تھی۔ میلوں دُور سے نظر آنے لگتی تھی۔ لوگ اس کے متعلق کچھ ڈراؤنی سی کہانیاں سنایا کرتے تھے جن میں ایک یہ تھی کہ یہ شیطان بدروحوں کا مسکن ہے۔ خدا نے جب آسمان سے شیطان کو دھتکارا تھا تو شیطان یہیں اُترا تھا۔ اس علاقے کی چونکہ فوجی اہمیت بھی نہیں تھی اس لیے فوجوں نے بھی کبھی اس کے اندر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ایسے علاقے کے اندر ریت، موت اور صحرائی درندوں کے سوا اور رہ ہی کیا سکتا تھا۔ اس ہولناک خطے کی تاریخ میں غالباً یہ پہلے تین انسان تھے، جو اس کے اندر چلے گئے تھے۔ انہیں وہیں جانا تھا کیونکہ ہزاروں سال پرانا نقشہ اسی جگہ کی نشاندہی کر رہا تھا۔ صرف ایک لکیر شک پیدا کرتی تھی۔ یہ ایک ندی کی لکیر تھی مگر وہاں کوئی ندی نہیں تھی۔ اس کی جگہ اب ایک بڑا ہی نما نشیب نظر آتا تھا۔ جس کی چوڑائی بارہ چودہ گز تھی۔ اس کے اندر کی ریت کی شکل و صورت بتاتی تھی، کہ صدیوں پہلے یہاں سے پانی گزرتا رہا ہے۔ اسی نشیب نے جو قریب ہی کہیں ختم ہونے کی بجائے دریائے نیل کی طرف چلا گیا تھا، ستر سواروں کو یقین دلایا تھا کہ وہ جس جگہ کی تلاش میں ہیں وہ یہی ہے۔

ان سواروں میں ایک مارکونی اطالوی تھا اور دو اس کے ساتھی زمینوں مصلیبی تھے۔ انہیں سلطان ایوبی کے ایک کمانڈر امیر درویش نے فرعون رمسیس دوم کے مدفن کی تلاش کے لیے بھیجا تھا۔ نقشے کے مطابق وہ صحیح جگہ پر آ گئے تھے۔ اب اندر جا کر یہ دیکھنا تھا کہ یہ جگہ کس حد تک صحیح ہے۔ مارکونی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اپنے آپ کو خدا سمجھنے والے فرعون اپنی آخری آرام گاہ ایسے جہنم میں بنانے کی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ امیر درویش نے بھی ایک بیکار آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اُس کے ساتھیوں نے اُسے اپنا کمانڈر سمجھتے ہوئے کوئی مشورہ نہ دیا۔ وہ حکم کے پابند تھے۔ مارکونی سخت جان صلیبی تھا۔ ہمت ہارنے کا قائل نہ تھا۔ وہ آگے آگے چلتا رہا۔ وہ جوں جوں اندر جا رہے تھے چٹانوں کی شکلیں بدلتی جا رہی تھیں۔ ان کا رنگ گہرا بادامی بھی تھا، کتھئی بھی اور کہیں کہیں ان کا رنگ ٹمیالا لال بھی تھا۔ ان میں ریتلی سلوں کی چٹانیں تھیں اور مٹی کے سیدھے کٹے ٹیلے بھی۔ ڈھلانوں سے ریت بہتی نظر آتی تھی۔

بہت آگے جا کر یہ وادی بند ہو گئی۔ مارکونی نے دائیں طرف دیکھا۔ ایک ٹیلا درمیان سے اس طرح پھٹا ہوا تھا جیسے زلزلے نے دیوار میں شگاف کر دیا ہو۔ شگاف میں سے جھانکا۔ یہ ایک گلی تھی، جو دُور تک چلی گئی تھی۔ اونٹ کا گزرنا مشکل نظر آتا تھا۔ مارکونی نے اپنا اونٹ شگاف کی گلی میں داخل کر دیا۔ اس کے گھٹنے دونوں طرف ٹیلوں کی دیواروں سے لگتے تھے۔ اُس نے ٹانگیں سمیٹ کر اونٹ کی کوہان پر رکھ دیں۔ پچھلے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اونٹوں کے پہلو دائیں بائیں لگتے تھے تو مٹی نیچے گرتی تھی۔ ٹیلا دو حصوں میں کٹ کر دُور اوپر تک چلا گیا تھا۔ اونٹوں کے ہچکولوں سے یوں لگتا تھا جیسے ٹیلے کے دونوں حصے ہل رہے ہوں اور دونوں مل کر اونٹوں کو سواروں سمیت پیس ڈالیں گے۔ آگے جا کر اوپر دیکھا تو دُور اوپر ٹیلے کے دونوں حصوں کی چوٹیاں آپس میں مل گئی تھیں۔ آگے اندھیرا سا تھا لیکن دُور آگے روشنی سی نظر آتی تھی جس سے اُمید بندھ گئی کہ گلی وہاں ختم ہو جائے

گی اور آگے جگہ فراخ ہے۔

گلی نے اب سُرنگ کی صورت اختیار کر لی تھی جس میں اونٹوں کے پاؤں کی آوازیں ڈراؤنی سی گونج پیدا کرتی تھیں۔ مارکونی بڑھتا گیا۔ وہاں یہی ایک راستہ تھا اس لیے ٹٹولنے کا امکان کم تھا۔ سامنے روشنی کا پھیلاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ سرنگ ختم ہو رہی تھی .... اور جب وہ سُرنگ کے دہانے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اونٹ سوار سیدھے نہیں گزر سکیں گے۔ سوار اونٹوں کی گردنوں پر آ کر پھسلے کیونکہ پہلوؤں سے نہیں اترا جا سکتا تھا۔ اونٹوں کو بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔ آگے دیکھا تو چاروں طرف کسی پرانے قلعے کی بڑی ہی بلند دیواریں نظر آئیں مگر یہ قلعہ قدرتی تھا۔ پہاڑیوں کی شکل ایسی تھی کہ تین چار سو گز تک ڈھلان تھی اور وہاں سے پہاڑیاں سیدھی اوپر کو اٹھ گئی تھیں۔ بعض اونچی تھیں، بعض کم بلند۔ معلوم ہوتا تھا جیسے یہ جگہ ہر طرف سے بند ہو۔ گھوم پھر کر دیکھا تو ایک پہاڑی کے ساتھ اتنی جگہ تھی جس پر پیدل چلا جا سکتا تھا۔

مارکونی نے اونٹوں کو وہیں بٹھا دیا اور پیدل چل پڑے۔ پہاڑی گولائی میں ہو گئی تھی۔ پاؤں جما کر رکھنا پڑتا تھا کیونکہ ریت اور مٹی تھی جس سے پاؤں ڈھلان کی طرف ہو کر گرا سکتا تھا۔ یہ دراصل کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا چلنے کی صرف جگہ تھی۔ زمین اور ٹیلے بتا رہے تھے کہ صدیوں سے یہاں کسی انسان نے قدم نہیں رکھا۔ یہ چلنے کی جگہ یا راہ آگے گئی تو مارکونی اور اس کے ساتھیوں کے دل اُچھل کر حلق تک آ گئے۔ ڈھلان سخت ہو گئی تھی اور نیچے جا کر کسی بڑی ہی اونچی دیوار کی منڈیر بن گئی تھی۔ دائیں طرف پہاڑی تھی جس کے پہلو میں وہ قدم جما جما کر چل رہے تھے مگر بائیں طرف زمین دُور نیچے چلی گئی تھی۔ یہ ایک بڑی وسیع اور بہت ہی گہری کھائی تھی۔ وہاں سے گرنے کا نتیجہ صرف موت تھا۔ کھائی کے دوسرے کناروں پر اسی طرح کے پہاڑ تھے جس کے ساتھ ساتھ وہ چل رہے تھے۔

ایسے خطرناک مقام پر آ کر مارکونی کے ایک ساتھی نے اُس سے پوچھا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ رمسیس فرعون کا جنازہ اس جگہ سے گزارا گیا ہوگا؟"

"امیر درویش نے یہی راستہ بتایا ہے"۔ مارکونی نے کہا۔ "جہاں تک میں نقشے کو سمجھ سکا ہوں، ہمارے گزرنے کا راستہ یہی ہے۔ رمسیس کا تابوت کسی اور طرف سے گزارا گیا تھا۔ ہمیں وہ راستہ معلوم کرنا ہے۔ وہ کوئی خفیہ راستہ تھا جو صدیوں کی آندھیوں اور زمین کی تبدیلیوں نے بند کر دیا ہوگا۔ اگر وہ راستہ مل گیا تو ہم مدفن تک پہنچ جائیں گے۔"

"اگر زندہ رہے تو!"

"میں اس کے متعلق یقین تو نہیں دلا سکتا"۔ مارکونی نے کہا۔ "یہ یقین دلا سکتا ہوں کہ مدفن مل گیا تو تم دونوں کو مالا مال کر دوں گا۔"

راستہ چوڑا ہو گیا اور کھائی ختم ہو گئی۔ اب وہ دو ایسی پہاڑیوں کے درمیان جا رہے تھے جن کے دامن ملے ہوئے تھے مگر کچھ ہی دور آگے پہاڑیاں مل گئی تھیں۔ وہ وہاں تک پہنچے تو انہیں بائیں طرف اوپر چڑھنا پڑا۔

کوئی ایک سو گز اور اوپر جا کر انہیں ایک گلی سی نظر آئی جو نیچے کو جا رہی تھی۔ وہاں سے ارد گرد دیکھا تو دُور دُور تک پہاڑیوں کے ستون اوپر کو گئے ہوئے تھے۔ منظر ہیبت ناک تھا۔ وہ نیچے اترنے گئے۔ یہ گلی کئی ایک موڑ مڑ کر انہیں ایک فراخ جگہ لے گئی جو گولائی میں تھی۔ یہاں کی گرمی ناقابلِ برداشت تھی چوٹیوں کے قریب پہاڑیوں میں چمک سی تھی۔ وہاں کی مٹی میں کسی دھات کی آمیزش تھی۔ اسی کی تپش سے گرمی زیادہ تھی۔ ہر طرف پہاڑیاں تھیں۔ سوائے چند گز جگہ کے۔ وہاں گئے تو خوف سے نیچے بیٹھ آئے۔ وہ بہت گہرا نشیب تھا۔ دھات بھی زیادہ تھی اس کی تہ پر ریت چمک رہی تھی اور سورج کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ ریت سے دھواں سا اٹھتا اور لرزتا نظر آتا تھا۔ اس سے اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔

اس اتنے گہرے نشیب کے آمنے سامنے کناروں کو ایک قدرتی دیوار ملاتی تھی۔ یہ نیچے سے اوپر تک تھی۔ یہ دراصل مٹی اور ریت کا دیوار نما ٹیلا تھا جو نیچے سے بھی اتنا ہی چوڑا تھا جتنا اوپر سے۔ اس کی چوڑائی ایک گز سے کم تھی۔ کہیں سے گولائی میں تھی جس پر چلنا خطرناک تھا۔ اگر مارکونی کو پار جانا ہی تھا تو یہی ایک راستہ تھا جو پُل صراط کی مانند تھا۔ اس کی لمبائی پچاس گز سے زیادہ ہی تھی۔ مارکونی کے ایک ساتھی نے اُسے کہا "میرا خیال ہے اس دیوار پر چلنے کی بجائے تم خودکشی کا کوئی بہتر طریقہ اختیار کرو گے۔"

"ہمارے راستے میں پڑے نہیں ملا کرتے۔" مارکونی نے کہا "ہمیں اسی راستے سے پار جانا ہے۔"

"اور پھسل کر نیچے جہنم کی آگ میں گرنا ہے" ۔ دوسرے ساتھی نے کہا۔

"کیا ہم نے صلیب پر ہاتھ رکھ کر حلف نہیں اٹھایا کہ صلیب کی عظمت اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے جانیں قربان کر دیں گے؟" مارکونی نے کہا۔ "کیا میدانِ جنگ میں ہمارے ساتھی صلیب پر جانیں قربان نہیں کر رہے؟ میں بزدلوں کی طرح یہیں سے واپس ہو کر امیر درویش کو یقین دلا سکتا ہوں کہ اتنی مہمات گزر جانے کے بعد اب تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ جہاں نرمی تھی وہاں چٹانیں ہیں اور جہاں نقشہ چٹانیں دکھاتا ہے وہاں کچھ بھی نہیں ہے مگر میں بزدل نہیں بنوں گا۔ جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرے دل پر خوف طاری ہو چکا ہے۔ میں اس کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ میرے خوف میں اضافہ نہ کرو دوستو! اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو صلیب سے دھوکہ کرو گے اور اس کی سزا بڑی اذیت ناک ہو گی۔ میں تمہارے آگے آگے چلتا ہوں۔ جہاں پھسلنے کا خطرہ محسوس کرو وہاں اس طرح بیٹھ جانا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں پھر آگے سرکتے رہنا۔"

✧

یہ مطالبہ کہ وہ ایک نقاصہ کو اپنے ساتھ رکھے گا کوئی عجیب یا غیر معمولی مطالبہ نہ تھا۔ البتہ قدومی کو اپنے ساتھ لے جانا کچھ عجیب سا تھا۔ قدومی ایک جواں سال نقاصہ تھی جو صرف امراء اور دولت مند افراد کے ہاں جاتی تھی۔ وہ موڈان کی رہنے والی تھی اور مسلمان۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی مگر اُس کے انداز و ادائیں جو جادو رکھتا اُس نے بڑے بڑے لوگوں کے دماغ خراب کر رکھے تھے۔ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ قدومی مارکونی کے ساتھ صحرا میں چل پڑے گی۔ مارکونی اس کے لئے جانے پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔ امیر درویش کو آخر یہ دھندہ کرنا پڑا کہ وہ قدومی کو اس

کے ساتھ بھیج دے گا۔

اُسی روز پچاس آدمیوں کی تلاش شروع ہو گئی۔ قاہرہ میں صلیبی جاسوسوں اور تخریب کاروں کی کمی نہیں تھی۔ مارکونی زیادہ تر آدمی انہی میں سے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اُس کے اعتماد کے آدمی تھے۔ امیر بھی اسی گروہ سے آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہتا تھا۔ سلطان ایوبی کے اس جرنیل نے اپنا ایک تخریب کار گروہ تیار کر رکھا تھا۔ یہ سب سامان تھے۔ اُن کے اغراض و مقاصد صلیبیوں والے تھے۔ امیر درویش نے اپنا ایمان نیلام کر کے اِن چند ایک مسلمانوں کو بھی ایمان فروش بنا دیا تھا۔ یہ سب صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے تھے اور ان کا اٹھنا بیٹھنا حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ شروع ہو گیا تھا۔

قدومی کے پاس مارکونی خود امیر درویش کا پیغام لے کر گیا۔ امیر مولیٰ حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ وہ نوبی حاکم تھا اور مصر پر عملاً فوج کی حکومت تھی۔ ویسے بھی قدومی امیر کے زیرِ اثر تھی۔ اُس نے بادلِ نخواستہ ان کروی لیکن مارکونی نے اُسے یہ بتا کر کہ وہ فرعون کے مدفن میں سے بیش بہا جواہرات نکلنے جا رہا ہے قدومی پر ایسا نشہ طاری کر دیا کہ وہ فوراً روانہ ہونے کو تیار ہو گئی۔ مارکونی منجھا ہوا چالاک اور ہوشیار آدمی تھا۔ اُس نے قدومی کو ملکہ تلوائیرہ بنا دیا۔ قدومی ایک رقاصہ تھی جس کے کوئی جذبات نہیں تھے۔ اُسے اپنے جسم، اپنے حسن، اپنے فن اور زر و جواہرات سے پیار تھا۔ وہ اُن عورتوں میں سے تھی جو اس خوش فہمی میں مبتلا ہوتی ہیں کہ اُن کے حسن و جوانی کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ مارکونی نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ فرعون کے مدفن سے برآمد ہونے والا خزانہ کہاں اور کیوں صرف کیا جائے گا۔

پچاس آدمیوں کی تلاش میں پندرہ بیس دن لگ گئے۔ ان میں زیادہ تعداد صلیبی تخریب کاروں کی تھی باقی مسلمان تھے۔ وہ بھی صلیبیوں کے ہی تخریب کار تھے۔ سب اونٹوں پر سوار ہو کر قاہرہ سے نکل گئے تھے لیکن وہ اکٹھے روانہ نہ ہوئے۔ تین تین چار چار کی ٹولیوں میں مسافروں اور تاجروں کے روپ میں نکلے۔ قدومی کو ہے۔ وہاں چوڑائی اتنی کم تھی کہ کھڑے ہو کر چلا نہیں جا سکتا تھا۔ مارکونی بیٹھ گیا اور گھوڑے کی سواری کی پوزیشن میں ٹانگیں اِدھر اُدھر کر کے آگے کو سرکنے لگا۔ دیوار کی چوڑائی کم اور گول ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نیچے کو سرک گیا۔ اس کے پیچھے اس کا ایک ساتھی بھی آگے چلا گیا۔ اچانک تیسرے ساتھی کی بے حد گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی — "مارکونی مجھے پکڑنا" — مگر اُس تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ وہ ایک طرف لڑھک گیا تھا۔ کوئی سہارا نہ ہونے کی وجہ سے وہ گر پڑا۔ اس کی چیخیں سنائی دیتی رہیں جو دور ہی دور ہوتی گئیں، پھر دھمک کی آواز آئی چیخیں بند ہو گئیں۔ انجام ظاہر تھا۔ مارکونی نے نیچے دیکھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ گر کر مرنے والے کی چیخوں کی گونج ابھی تک اس دہشت ناک ویرانے میں بھٹک رہی تھی۔

"مجھے اپنے ساتھ رکھو مارکونی!" — دوسرے ساتھی نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی — "میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتا۔"

مارکونی نے اُس کا حوصلہ بڑھایا اور آگے بڑھنے لگا۔ دیوار اوپر اٹھ رہی تھی۔ مارکونی بیٹھے بیٹھے آگے

سرکتا گیا۔ رونے کی آوازیں بدستور آرہی تھیں اور ان کے تیسرے ساتھی کی چیخوں کی گونج اس طرح بھٹک رہی تھی جیسے اوپر جا کر اُن کے اوپر منڈلا رہی ہو.... دیوار کچھ چوڑی ہوگئی۔ مارکونی نے گھوم کر اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اوپر کر لیا۔ آگے وہ ذرا اطمینان سے چل سکتے تھے لیکن ہوا کے جھونکے اتنے تیز تھے کہ اُن کے لیے توازن قائم رکھنا ذرا مشکل تھا۔ وہ آہستہ آہستہ بڑھتے گئے اور دیوار ختم ہوگئی۔ آگے زمین اور پہاڑیاں کچھ سخت نہیں۔ دو چٹانوں کے درمیان تنگ سا راستہ تھا۔ وہ اس میں داخل ہوگئے۔ مارکونی کے ساتھی نے اس سے پوچھا

"جیفرے مر چکا ہوگا؟ اُسے بچایا یا دیکھا نہیں جا سکتا؟"

مارکونی نے اُس کی طرف دیکھا۔ آہ بھری اور نفی میں سر ہلایا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اُس نے کچھ کہے بغیر اپنے ساتھی کے کندھے پر تھپکی دی اور آگے چل پڑا۔ یہ بھی ایک گلی سی تھی جو فراخ ہوتی جا رہی تھی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی سے کہا "ہم خوش قسمت ہیں کہ ہم جہاں جاتے ہیں وہاں ایک ہی راستہ ملتا ہے۔ ایک سے زیادہ راستے ہوں تو بھٹک جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔"

یہ گلی ختم ہوگئی۔ آگے جگہ کشادہ ہوتے ہوتے بہت ہی کھل گئی اور زمین اوپر کو اٹھتی گئی۔ ہوا ابھی تک تیز تھی۔ مارکونی کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس ہیبت ناک علاقے میں کتنی دُور اندر پہنچ گیا ہے۔ اُسے صرف یہ احساس رہ گیا تھا، کہ دنیا سے اُس کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے۔ وہ صلیب کے نام پر دیوانہ ہُوا جا رہا تھا۔ فرعون کا مدفن تلاش کرنے کا مقصد اُس کے سامنے یہی تھا کہ اس سے نکلے ہوئے خزانے سے مسلمانوں کو خرید کر انہیں سلطنتِ اسلامیہ کے ہی خلاف استعمال کیا جائے گا اور دنیا میں صلیب کی حکمرانی ہوگی۔ وہ اپنے ڈر سے ہوئے ساتھی کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ ہوا اُسی طرف سے آرہی تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں دائیں اور بائیں کو ہٹ گئی تھیں اور سامنے آسمان نظر آرہا تھا۔ مارکونی چڑھائی چڑھ رہا تھا۔ وہ رک گیا اور ہوا کو سونگھ کر بولا — "تم بھی سونگھو۔ ہوا میں جو بُو ہے وہ صحرا کی نہیں۔"

"تمہارا دماغ جواب دے رہا ہے۔" اُس کے ساتھی نے کہا — "صحرا میں صحرا کی بُو نہیں ہے تو اور کس کی ہے؟ تم اطالوی ہو شاید؟ شاید تمہیں اپنے گھر کی بُو آرہی ہے۔"

مارکونی کے چہرے پر کچھ اور تاثر تھا۔ وہ ہوا کو سونگھ رہا تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا — "تم شاید ٹھیک کہتے ہو۔ میرے دماغ پر صحرا کی مسموبت کا اثر ہو گیا ہے۔ یہاں پانی نہیں ہو سکتا۔ میں شاید خیالوں میں کھجوروں، سبزے اور پانی کی بُو سونگھ رہا ہوں۔ میں اس بُو سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ میرا تجربہ ہے، مگر میرے سونگھنے کی حس مجھے دھوکہ دے رہی ہے۔ اس جہنم میں پانی کی بُوند بھی نہیں ہو سکتی۔"

"مارکونی!" اُس کے ساتھی نے اُس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا اور کہا — "میں بھی ایک بُو سونگھ رہا ہوں، موت کی بُو۔ مجھے موت اپنی طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے۔ آؤ دوست! ادھر سے آئے ہیں اُدھر ہی لوٹ چلیں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ میں بزدل ہوں تو مجھے میدانِ جنگ میں بھیج دو۔ ایک سو مسلمانوں کو کاٹنے سے پہلے نہیں مروں گا۔"

مارکونی زیادہ باتیں کرنے والا آدمی نہیں تھا۔ اُس نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکرا کر کہا — "ہم ایک سو نہیں ایک ہزار مسلمانوں کو کاٹیں گے اور مریں گے نہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ ساتھی کو لے کر چڑھائی چڑھنے لگا۔ چڑھائی زیادہ اونچی نہیں تھی۔ زمین آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ سورج آگے نکل گیا تھا۔ سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ ان دونوں کو تھکن نے پکڑ رکھا تھا.... وہ آگے کو جھکے ہوئے بڑھتے گئے اور اوپر اٹھتی ہوئی انتہائی بلندی تک پہنچ گئے۔ ریت نے اُن کی آنکھیں بھر دی تھیں۔ مارکونی نے آنکھیں مل کر دیکھا۔ آگے ڈھلان تھی اور چھوٹی چھوٹی ٹیکریاں۔ وہ ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس نے اپنے ساتھی کو آواز دی اور بیٹھ گیا۔ اُس نے کہا — "تم اگر ریگستان سے اچھی طرح واقف ہو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ سراب نظر آیا کرتے ہیں۔ سامنے دیکھو اور بتاؤ کہ یہ سراب تو نہیں؟"

اُس کے ساتھی نے دیکھا۔ آنکھیں بند کیں، کھولیں اور غور سے دیکھا۔ اُس نے کہا — "یہ سراب نہیں ہو سکتا۔" وہ واقعی سراب نہیں تھا۔ انہیں کھجوروں کے کئی ایک درختوں کی چوٹیاں نظر آرہی تھیں۔ پتے ہرے تھے۔ درخت نشیبی جگہ میں معلوم ہوتے تھے اور کچھ دُور بھی تھے۔ مارکونی ٹیکری سے آگے چلا گیا۔ وہ اب دوڑ رہا تھا۔ اُس کا ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ وہاں عجیب و غریب شکلوں کی ٹیکریاں تھیں۔ بعض ایسی جیسے کوئی انسان گھٹنوں میں سر دے کے بیٹھا ہو۔ کچھ بڑی تھیں کچھ چھوٹی۔ مارکونی ان میں سے راستہ تلاش کرتا دوڑتا جا رہا تھا۔ سورج پہاڑیوں کی چوٹیوں کے قریب چلا گیا۔ مارکونی کا سانس پھولنے لگا۔ اُس کا ساتھی قدم گھسیٹتا جا رہا تھا۔ مارکونی اچانک رُک گیا اور آہستہ آہستہ یوں پیچھے ہٹنے لگا جیسے اُس نے کوئی ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔ اُس کا ساتھی اُس سے جا ملا اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔

☆

اُن دونوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ انہیں ایک نشیب نظر آرہا تھا۔ یہ کم و بیش ایک میل وسیع اور عریض تھا۔ اس کے ارد گرد مٹی اور ریت کی اونچی اونچی قدرتی دیواریں تھیں۔ گہرائی کا یہ علاقہ سرسبز تھا۔ کچھ اونچا نیچا بھی تھا۔ وہاں کھجوروں کے بہت سے درخت تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں پانی کی بہتات تھی۔ ایسے جہنم میں ایسا سرسبز گوشہ فریبِ نگاہ نہیں تھا۔ وہ اسی خطے کی بُو تھی جو مارکونی نے سونگھی تھی۔ مارکونی کو اس جگہ سے کچھ آگے ایسی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں جو ریت اور مٹی کی نہیں بلکہ پتھروں اور پتھریلی سلوں کی تھیں۔ اُن کا رنگ سیاہی مائل تھا۔ اس جہنمی خطے کے باہر سے یہ پہاڑیاں نظر نہیں آتی تھیں اور اس سرسبز جگہ کا تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مارکونی نے تیزی سے بیٹھ کر اپنے ساتھی کو بھی بازو سے پکڑ کر بٹھا دیا۔ انہیں ایک اور عجیب چیز نظر آگئی تھی۔ یہ وہ انسان تھے جو نشیب میں اسی طرف آرہے تھے۔ وہ سر سے پاؤں تک ننگے تھے۔ اُن کے رنگ گہرے بادامی اور اُن کے چہرے اچھے خاصے تھے۔ کہیں سے ایک عورت نکلی۔ وہ کسی اور طرف جا رہی تھی۔ وہ بھی سر سے پاؤں تک ننگی تھی۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور کمر تک لمبے تھے۔ شکل و صورت سے یہ لوگ حبشی

اور جنگلی نہیں لگتے تھے۔

"یہ بدروحیں ہیں۔" مارکونی کے ساتھی نے کہا۔ "یہ انسان نہیں ہو سکتے۔ مارکونی! سورج غروب ہونے والا ہے۔ اٹھو، پیچھے کو بھاگ چلیں۔ رات کو یہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

مارکونی انہیں بدروحیں سمجھتے ہوئے بھی کہہ رہا تھا کہ یہ انسان ہو سکتے ہیں۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ وہ ہوا میں اڑ نہیں رہے تھے، زمین پر چل رہے تھے۔ دُور انہیں تین بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دوڑتے نظر آئے۔ ان سب کی حرکتیں ایسی تھیں جن سے یقین ہوتا تھا کہ یہ انسان ہیں۔ مارکونی پیٹ کے بل سرکتا آگے چلا گیا۔ اُس کا ساتھی بھی اُس کے پہلو میں جا لیٹا۔ وہ جہاں لیٹ کر دیکھ رہے تھے وہاں کی دیوار ٹوٹی ہوئی نہیں کچھ ڈھلانی تھی اور ریت زیادہ تھی۔ مارکونی کے ساتھی نے غالباً اور آگے ہونے کی کوشش کی یا بانے کیا ہُوا، وہ نیچے کو سرک گیا اور لڑھکتا ہُوا نیچے جا پڑا۔ وہاں سے اوپر آنا ممکن نہیں تھا۔ مارکونی نیچے کو سرک کر ایک ایسی ٹیکری کی اوٹ میں ہو گیا جہاں سے وہ نیچے دیکھ سکتا تھا۔ یہ ڈھلان جہاں سے ملیبی گرا تھا تیس چالیس گز اونچی ہو گی۔ مارکونی نے اپنے ساتھی کو اٹھتے دیکھا۔ وہ ڈھلان پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ مارکونی اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ دو ننگے آدمی جو اسی طرف آ رہے تھے دوڑ پڑے۔ مارکونی نے انہیں اوپر سے دیکھ لیا۔ اُس کے ساتھی نے نہ دیکھا۔ مارکونی اسے آواز نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہاں کوئی اور انسان بھی ہے۔ اُن دو آدمیوں نے مارکونی کے ساتھی کو نیچے سے دبوچ لیا۔ اُس کے پاس خنجر تھا اور ایک چھوٹی تلوار بھی، مگر ہتھیار نکالنے کا موقع نہ ملا۔ اُن آدمیوں نے اُسے نیچے گرا لیا۔ وہ عورت جو کہیں جا رہی تھی دوڑتی آئی۔ اُدھر سے بچے بھی آ گئے۔ انہوں نے اپنی زبان میں کسی کو پکارا۔ معلوم نہیں کہاں سے دس بارہ آدمی جو سب ننگے تھے دوڑتے آئے۔ ایک نے مارکونی کے ساتھی کی کمر سے تلوار نکال لی۔ اُسے گرا لیا گیا اور مارکونی نے دیکھا کہ تلوار سے اس کے ساتھی کی شہ رگ کاٹ دی۔ سب آدمی ناچنے لگے۔ وہ کچھ گا بھی رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔ اتنے میں ایک ضعیف العمر انسان آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں اپنے قد جتنا لمبا عصا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب ایک طرف ہٹ گئے۔

یہ بوڑھا بھی ننگا تھا۔ اُس کے عصا کے اوپر والے سرے پر دو سانپوں کے پھن بنے ہوئے تھے۔ یہ فرمانروائی کا امتیازی نشان ہُوا کرتا تھا۔ بوڑھے نے مارکونی کے ساتھی کے جسم کو ہاتھ لگایا۔ وہ اب تڑپ نہیں رہا تھا، مر چکا تھا۔ بوڑھے نے ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کچھ کہا۔ تمام ننگے انسان جن میں چند ایک عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی سجدے میں گر پڑے۔ بوڑھا ابھی تک کچھ بول رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ نیچے اوپر کیا اور سب سجدے سے سر اٹھا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بوڑھے کو ڈھلان کی طرف اشارے کر کے بتایا جا رہا تھا کہ یہ آدمی اُدھر سے نیچے آیا ہے۔ بوڑھے کے اشارے پر وہ لوگ مارکونی کے ساتھی کی لاش کو اٹھا لے گئے۔

مارکونی کو یہ خطرہ نظر آنے لگا کہ یہ پُراسرار انسان اوپر آ کر ہر طرف دیکھیں گے کہ نیچے گرنے والے کے ساتھی بھی اوپر

ہیں گے۔ وہ کچھ دیر وہیں سے نیچے دیکھتا رہا۔

پھر سورج غروب ہو گیا۔ مارکونی نے موت کو قبول کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ وہ اس جگہ سے کوہ بالے کی کوشش کرے گا۔ اُس نے ایک ہاتھ میں خنجر اور دوسرے ہاتھ میں چھوٹی تلوار لے لی اور اِدھر اُدھر دیکھتا ایک اور سمت چل پڑا۔ شام اندھیری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اُوپر ہی اوپر سے اُس طرف جا رہا تھا جس طرف وہ اُس کے ساتھی کو لے گئے تھے۔ وہاں کوئی آہٹ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ ڈراؤنا سا سکوت تھا۔ وہ دائیں بائیں اور پیچھے دیکھتا آگے ہی آگے چلتا گیا۔ وہ نشیب کی گولائی کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ اُسے دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ جب یہ آوازیں بلند ہوئیں تو وہ ناچنے اور گانے کا ترنم اور ہنگامہ تھا۔ وہ ان آوازوں کی سمت گیا تو اُسے ایک اور منظر نظر آیا۔ بائیں طرف ایک اور نشیبی جگہ تھی۔ کئی مشعلیں جل رہی تھیں۔ وہاں بھی سبزہ تھا جہاں کم و بیش پچیس مرد، عورتیں اور بچے آہستہ آہستہ ناچ اور گا رہے تھے۔ اُن کے درمیان بہت سی آگ جل رہی تھی۔ اُس سے ذرا اوپر ایک انسانی نعش سر اور پاؤں سے باندھ کر زمین کے متوازی لٹکائی ہوئی تھی۔ اُسے گھمایا جا رہا تھا۔ یہ مارکونی کا ساتھی تھا جسے بھونا جا رہا تھا۔ مارکونی یہ ہولناک منظر دیکھتا رہا ــــ اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ بڑھے نے اُس کے ساتھی کے جسم سے گوشت کاٹ کر سب میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔

مارکونی کے دل پر ایسا گہرا اثر ہُوا کہ وہاں سے اُدھر کو واپس چل پڑا جدھر سے آیا تھا۔ اُسے راستہ یاد تھا۔ وہ چوکنا ہو کر چلا جا رہا تھا۔ وہ اُس دیوار پر پہنچا جو قدموں سے زیادہ گہرے نشیب میں کھڑی تھی۔ یہیں اُس کا ایک ساتھی گرا تھا۔ وہ جب دیوار کے درمیان اُس جگہ پہنچا جہاں سے اُس کا ساتھی گرا تھا اُسے دور نیچے غراتے اور بھونکنے کی دبی دبی آوازیں سنائی دیں۔ وہ سمجھ گیا کہ سمرائی کو مڑیاں اُس کے ساتھی کو کھا رہی ہیں۔ اُس کے دوسرے ساتھی کو تو انسان کھا گئے تھے۔ اب ہوا تیز نہیں تھی۔ وہ تاریکی میں سنبھل سنبھل کر چلتا اور سرکتا دیوار سے گزر گیا.... رات کے پچھلے پہر وہ اُس جگہ پہنچا جہاں تین اونٹ بیٹھے تھے۔ اُس نے اتنا بھی انتظار نہ کیا کہ اونٹوں کے ساتھ بندھا ہُوا پانی پی لیتا۔ وہ ایک اونٹ پر بیٹھا۔ دو اونٹوں کو ساتھ لیا اور چل پڑا۔

☆

وہ اگلے دن کی شام تھی جب مارکونی ایک معزز مصری سوداگر کے روپ میں احمر درویش کے گھر میں داخل ہُوا۔ احمر نے اسے دیکھتے ہی پوچھا ــــ "تم اکیلے ہو۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟"

مارکونی جواب دینے کی بجائے بیٹھ گیا۔ اُس کے تو ہوش ہی ٹھکانے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ احمر نے اُسے اپنے سامنے بٹھا لیا، اور اُسے ایک ایک لمحے نے اور ایک ایک قدم کی روئیداد سنائی۔ احمر کو مارکونی کے دو ساتھیوں کے مرنے کا ذرہ بھر افسوس نہ ہُوا۔ اُس نے جب سنا کہ ایک ساتھی کو ننگے آدم خوروں نے کھا لیا ہے تو اُس نے خوشی سے اُچھل کر پوچھا ــــ "کیا تم نے اپنی آنکھوں دیکھا تھا کہ اُن میں سے کسی کے

بھی جسم پر کپڑا نہیں تھا؟.... بوڑھے کے عصا پر دو سانپوں کے پھن تم نے دیکھے تھے؟.... تم نے بھی طرح دیکھا تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے آدمی کا گوشت کھا لیا تھا؟"

"میں خواب کی باتیں نہیں سنا رہا"۔ مارکونی نے جھنجھلا کر کہا۔ "مجھ پر جو بیتی ہے میں وہ سنا رہا ہوں۔ میں نے یہ اپنی آنکھوں دیکھا ہے جو سنا رہا ہوں۔"

"فرعون بھی یہی سنا رہے ہیں جو تم نے سنایا ہے۔" احمر درویش نے اٹھ کر مارکونی کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور اسے مسرت کی شدت سے جھنجھوڑتے ہوئے کہا ــــ "تم نے بھید پا لیا ہے۔ مارکونی! یہی ہیں وہ لوگ جن کی مجھے تلاش تھی۔ یہ قبیلہ سولہ صدیوں سے وہاں آباد ہے۔ یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ زمانہ انہیں انسان کا گوشت کھانے پر مجبور کر دے گا۔ تم یہ تحریریں نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے پڑھ لی ہیں۔ لکھا ہے کہ خزانوں کی حفاظت سانپ کیا کرتے ہیں لیکن میرے مدفن کی حفاظت انسان کریں گے جو صدیوں بعد سانپ اور درندے بن جائیں گے۔ میرے مدفن کی حدود میں کوئی انسان داخل ہوگا اسے میرے محافظ کھا جایا کریں گے۔ وقت اور زمانہ انہیں ننگا کر دے گا لیکن میں نے جہاں اپنا دوسری دنیا کا گھر بنایا ہے وہ جگہ ان کی ستر پوشی کرے گی۔ باہر کا کوئی مرد ان کی عورت پر نظر نہیں ڈال سکے گا۔ جو نظر ڈالے گا وہ وہاں سے زندہ نہیں جا سکے گا۔"

"میں زندہ واپس آگیا ہوں۔" مارکونی نے کہا۔

"اس لیے کہ تم نیچے نہیں گئے۔" احمر نے کہا ــــ "تم نے جن سیاہ رنگ کے پتھریلے پہاڑوں کا ذکر کیا ہے وہ پہاڑ اپنے دامن میں کہیں رسمنیس کی حنوط کی ہوئی لاش اور خزانے چھپائے ہوئے ہیں.... اور یہ ننگے لوگ؟ ــــ ان کے آباؤ اجداد رسمنیس کے وقت سے وہاں پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ مرتے رہے، ان کی نسل آگے بڑھتی رہی اور پندرہ سولہ صدیاں گزر گئیں۔ میں بتا نہیں سکتا کہ وہ زندہ کس طرح رہتے ہیں۔ شاید درندوں کی طرح صحرا کے مسافروں کے شکار میں رہتے اور انہیں بھون کر کھا لیتے ہیں۔ وہاں پانی کی افراط ہے۔ کھجوروں کی کمی نہیں۔ ان کا زندہ رہنا حیران کن نہیں۔ وہ آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہیں۔ اگر ان کے عقیدے ٹوٹ چکے ہوتے تو وہاں نہ ہوتے.... تم نے ان کے پاس کوئی ہتھیار دیکھے تھے؟"

"نہیں!"

"ان کی تعداد کا کچھ اندازہ؟"

"رات کو وہ جب اکٹھے تھے تو پچیس تھے۔"

"وہ اس سے زیادہ ہو بھی نہیں سکتے۔" احمر درویش نے کہا۔

"ہاں!" مارکونی نے کہا ــــ "میں نے ان کے پاس دو اونٹ بھی دیکھے تھے۔ اونٹ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں مگر میں نے صرف دو دیکھے تھے۔"

"پھر وہ باہر آتے ہوں گے۔" احمر درویش نے کہا ــــ "وہ باہر ضرور آتے ہوں گے۔ مسافروں کو پکڑنے کے لیے انہیں باہر آنا ہی پڑتا ہوگا.... سنو مارکونی! غور سے سنو۔ وہاں کوئی ایسا سیدھا راستہ ضرور ہے جس سے وہ

باہر آتے اور اندر جاتے ہوں گے۔ یہ پہاڑوں کا کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔ میں نے تمہیں جو راستہ بتایا تھا، وہ آنے جانے کا ایسا راستہ نہیں جس سے بار بار آیا جایا جا سکے۔ وہاں کوئی اور راستہ ہے جو ہمیں ننگے آدم خوروں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ میں اس کی ترکیب سوچ چکا ہوں۔ ترکیب یہ ہے کہ وہاں باقاعدہ حملہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہے ہمیں اس دیوار نما ٹیلے سے جس سے تمہارا ایک ساتھی گر کر مرا ہے کچھ اور آدمی گرا کر مارنے پڑیں لیکن یہ قربانی ضروری ہے۔ بتاؤ، پچیس تیس سہتے آدمیوں کو جن میں بچے اور عورتیں بھی ہیں مارنے کے لیے اور ان میں دو تین کو زندہ پکڑنے کے لیے تمہیں کتنے آدمی درکار ہیں؟ کم سے کم تعداد بتاؤ۔ تم ان آدمیوں کے راہنما اور سربراہ ہو گے۔"

"میں ترکیب سمجھ گیا ہوں۔" مارکونی نے کہا ــــ "ایک ترکیب میرے دماغ میں بھی آئی ہے۔ ہم انہیں قتل کر سکتے ہیں۔ دو تین کو زندہ پکڑ سکتے ہیں لیکن میں آپ کو یہ یقین نہیں دلا سکتا کہ وہ اس جگہ کے تمام بھید ہمیں بتا دیں گے۔ اپنے قبیلے کو مرتا دیکھ کر وہ بھی مرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے بتائیں گے کچھ نہیں۔ میں ایسی ترکیب کروں گا کہ ان میں سے ایک دو آدمی باہر کو بھاگ اٹھیں اور ان کا تعاقب کیا جائے۔ راستہ معلوم ہو جائیگا۔"

"تم دانشمند ہو مارکونی!" احمر درویش نے کہا ــــ "بتاؤ کتنے آدمی دوں؟"

"پچاس!" مارکونی نے جواب دیا اور کہا ــــ "زیادہ تر آدمی میرے منتخب کیے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں تلاش کروں گا، مگر مہم کے آغاز سے پہلے میں اپنی شرطیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہیں منہ مانگا انعام ملے گا۔" احمر نے کہا۔

"مجھے خزانے سے حصہ ملنا چاہیے۔" مارکونی نے کہا ــــ "اتنی خطرناک مہم میرے فرائض میں شامل نہیں۔ میں جاسوس اور تخریب کار ہوں۔ مجھے خزانے کی تلاش کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ یہ آپ کی ذاتی مہم ہے۔ میں انعام نہیں منہ مانگا حصہ لوں گا۔ اگر آپ کا منصوبہ کامیاب ہو گیا تو آپ کو ایک ریاست کی حکمرانی مل جائے گی۔ میں جاسوس کا جاسوس رہوں گا۔"

"یہ مہم اور یہ منصوبہ ذاتی نہیں۔" احمر درویش نے کہا ــــ "یہ مصر، حلیب اور سوڈان کی حکمرانی کا منصوبہ ہے۔"

مارکونی اپنے مطالبے پر قائم رہا۔ احمر مجبور ہو گیا۔ اسے احساس تھا کہ مارکونی کے سوا رسمنیس کے مدفن تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے مطالبے ماننے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ مارکونی نے کہا ــــ "معلوم نہیں مجھے کتنے دن صحرا میں رہنا پڑے۔ میں ایسی سخت اور خشک خوراک پسند نہیں کروں گا۔ مجھے دو تین اونٹ نافتو دیے جائیں جو میں اور میرے ساتھی بھون کر کھا سکیں اور مجھے تندومی دی جائے۔"

"تندومی؟" احمر درویش نے حیرت سے کہا ــــ "اتنی نازک اور ایسی اعلیٰ درجے کی نقاہہ کو تمہارے ساتھ ایسی خطرناک مہم میں روانہ کر دوں؟ وہ جانے پر بھی راضی نہیں ہوگی۔"

"اسے زیادہ معاوضہ پیش کریں وہ راضی ہو جائے گی۔" مارکونی نے کہا ــــ "میں اس کے لیے ایسا انتظام کروں گا کہ وہ محسوس ہی نہیں کر سکے گی کہ وہ صحرا میں ہے اور کسی خطرناک مہم میں شریک ہے۔ میں اس کی قدر و قیمت

سے واقف ہوں۔"

یہ اُس دور کا واقعہ ہے جب دولت مند تاجر اپنی چہیتی بیویوں کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ اپنی بیویوں میں سے کوئی پسند نہ ہو تو کسی من پسند طوائف یا رنڈی کو منہ مانگا معاوضہ دے کر ہمسفر بنا لیتے تھے۔ فوجوں کے کمانڈر بھی جنگ کے دوران اپنی بیویوں یا کرائے کی خوبصورت عورتوں کو ساتھ رکھا کرتے تھے۔ اس دور میں خوبصورت اور جوان عورت کو سونے سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں اور یہودیوں نے سلطنتِ اسلامیہ کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لیے عورت کو استعمال کیا تھا۔ مارکونی جیسے مہم جو اور تنظر پسند آدمی کا

اچانک گرم ہوا کے جھونکے تیز ہونے لگے۔ ریت اُڑنے لگی اور اس کے ساتھ عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو یا تین عورتیں اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔ مارکونی کے ساتھی گھبرا گئے۔ مارکونی نے کان کھڑے کیے۔ ایک ساتھی نے اسے کہا — "اس دوزخ میں کوئی عورت زندہ نہیں ہو سکتی۔ یہ بدروحیں ہیں۔"

"یہ کچھ بھی نہیں ہے" — مارکونی نے کہا — "بدروحیں بھی نہیں۔ زندہ عورتیں بھی نہیں۔ یہ ہوا کی پیدا کی ہوئی آوازیں ہیں۔ اس علاقے میں بعض ٹیلوں میں لمبے لمبے سوراخ ہیں جو دونوں طرف کھلتے ہیں اور بعض چٹانوں کی شکل ایسی ہے کہ ان سے تیز ہوا کے جھونکے گزرتے ہیں تو اس قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں جو تم سن رہے ہو۔ نیچے اتنی گہری اور اتنی وسیع کھائی ہے۔ اس پر یہ ننگے پہاڑ کھڑے ہیں۔ یہ آوازوں میں گونج پیدا کرتے ہیں۔ یہ گونج ہر طرف بھٹکتی رہتی ہے تو ڈرو نہیں۔"

مگر اُس کے ساتھیوں پر ایسا خوف طاری ہو گیا تھا جس پر وہ قابو نہیں پا سکتے تھے۔ یہ آوازیں ہوا کی نہیں تھیں۔ قریب ہی کہیں عورتیں یا بدروحیں رو رہی تھیں۔ انہوں نے مارکونی کا پیش کیا ہوا فلسفہ تسلیم نہ کیا۔ آوازیں ہی ایسی تھیں۔ ہوا تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ٹیلوں سے اور زمین سے ریت کے ہلکے ہلکے بادل اڑنے لگے تھے جن سے اب زیادہ دور تک نظر نہیں آ سکتا تھا۔ مارکونی نے اس قدرتی دیوار پر پہلا قدم رکھا جو اس بھیانک نشیب میں کھڑی تھی۔ وہاں جگہ اتنی کچی تھی کہ ریت اور مٹی میں پاؤں دھنس گیا۔ اُس نے دوسرا پاؤں آگے رکھا اور نیچے دیکھا۔ گہرائی دیکھ کر وہ سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اب اس گہرائی کی تہ بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ ریت اڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی تہ ہے ہی نہیں۔ مارکونی چند قدم آگے چلا گیا۔ وہاں اس کے دائیں یا بائیں کوئی ٹیلا نہیں تھا۔ وہ تو جیسے ہوا میں کھڑا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکوں نے اس کے جسم کو جھکیل جھکیل کر اُس کا توازن بگاڑ دیا۔ رونے کی آوازیں اور بلند ہو گئیں۔

اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "آرام آرام سے پاؤں جماتے آؤ۔ نیچے بالکل نہ دیکھنا۔ یہ تصور کرتے آنا کہ تم زمین پر چل رہے ہو۔"

اُس کے دونوں ساتھیوں پر پہلے ہی خوف طاری تھا۔ دیوار پر تین چار قدم آگے گئے تو ہوا کی تندی نے اُن کے پاؤں اکھاڑ دیے۔ اُن کے جسم ڈولنے لگے۔ مارکونی اُن کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ وسط میں پہنچ گئے اور وہاں مارکونی نے دیکھا کہ دیوار ٹوٹی ہوئی ہے اور ذرا نیچے چلی گئی

ایک پردہ دار: یوری کے بہروپ میں بھیجا گیا۔ مارکونی اس کا نگران بنا۔ ان دونوں کے ساتھ دو آدمی تھے ایک صلیبی تھا اور دوسرا مسلمان جس کا نام اسماعیل تھا۔ یہ امر کے ناس آذیل میں سے تھا۔ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے ہر جرم کر گزرتا تھا۔ کرائے کے قاتلوں میں سے بھی تھا۔ معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں تھی لیکن حیثیت والے لوگ اُسے سلام کرتے تھے۔ مارکونی بھی اُسے اچھا آدمی جانتا تھا اور اس پر اتنا اُسے قابلِ اعتماد سمجھتا تھا۔ یہ سب الگ الگ راستوں سے روانہ ہوئے تھے۔ انہیں جہاں کوس دو کوس بعد پڑاؤ کرنا تھا وہاں انہیں اکٹھا ہونا تھا۔ اُن کے پاس تیر و کمان اور تلواریں تھیں۔ تحفے اور خدائی کا سامان تھا۔

سب سے پہلے مارکونی، اسماعیل، قدومی اور اُن کا ایک صلیبی ساتھی وہاں پہنچے تھے۔ مارکونی انہیں کی پہاڑی علاقے کے اندر لے گیا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور انہوں نے خیمے لگا لیے تھے۔ اُسی رات اُن کے ساتھیوں کو پہنچ جانا تھا۔ اسماعیل قدومی کو جانتا تھا۔ قدومی اُس سے واقف نہیں تھی۔

☆

ایک وہ محاذ تھا جس پر نورالدین زنگی لڑ رہا تھا۔ اُس نے کرک کا قلعہ فتح کر لیا وہاں کے اور مضافات کے علاقوں کے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ اُس کے گشتی دستے دُور دُور تک گشت کرتے تھے تاکہ صلیبی کسی طرف سے جوابی حملے کے لیے آئیں تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ ان دستوں کا تصادم صلیبی دستوں سے ہوتا رہتا تھا۔ زنگی تمام انتظامات سلطان ایوبی کی فوج کے حوالے کر کے بغداد واپس جانے کی تیاریاں کرنا چاہتا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے انتظار میں تھا مگر سلطان ایوبی دوسرے محاذ پر لڑ رہا تھا جو صلیبیوں اور اُن کے پیدا کردہ غداروں نے مصر میں کھول رکھا تھا۔ یہ محاذ زیادہ خطرناک تھا۔ سلطان ایوبی اس زمین دوز محاذ پر لڑنے کی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ خوب مقابلہ کر رہا تھا مگر اُسے ابھی پتہ نہیں چلا تھا کہ ایک محاذ اور بھی کھل گیا ہے۔ یہ تھا فرعونوں کے مدفنوں کی تلاش۔

شام کے کھانے کے بعد سلطان ایوبی اُس کمرے میں گیا، جہاں وہ اپنے سالاروں اور دیگر حکام کو اکٹھا کر کے احکامات اور ہدایات دیا کرتا تھا۔ وہاں فوج کے اعلیٰ کمانڈروں کے علاوہ علی بن سفیان اور عنایات حسین بھی تھے۔ سلطان ایوبی کو اُسی روز نورالدین زنگی کا ایک طویل تحریری پیغام ملا۔ اُس نے اس پیغام کے ضروری حصے کمانڈروں کو سنائے۔ زنگی نے لکھا تھا — "عزیز صلاح الدین! اللہ تمہیں زندہ و سلامت رکھے۔ اسلام کو تمہاری بہت ضرورت ہے۔ کرک اور گرد و پیش کے علاقے دشمن سے صاف ہو چکے ہیں۔ گشتی دستے جاتے ہیں، تو صلیبیوں کا کوئی دستہ کبھی کبھی ہمارے کسی دستے سے اُلجھ پڑتا ہے۔ صلیبی مجھ پر یہ رعب ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ابھی یہیں ہیں۔ تمہارے تیار کیے ہوئے چھاپہ مار دستے تعریف کے قابل ہیں۔ بہت دُور تک چلے جاتے ہیں۔ تم نے اُن پر جو محنت کی ہے وہ اس کا صلہ دے رہے ہیں۔ تمہارے جاسوس ان سے بھی دلیر اور عقل مند ہیں۔ اُن کی نظروں سے میں اتنی دُور بیٹھا ہوا دشمن کی ہر ایک حرکت دیکھ رہا ہوں۔۔۔۔

"تازہ اطلاع یہ ہے کہ صلیبی شاید جوابی حملہ نہ کریں۔ وہ ہمیں انگیخت کر رہے ہیں کہ ہم آگے جا کر اُن پر حملہ کریں۔ تم جانتے ہو کہ بیت المقدس جو ہماری منزل ہے اور قبلۂ اوّل جو ہمارا مقصود ہے کتنی دُور ہے۔ میں جانتا ہوں کہ

تم ان فاصلوں سے اور ان مسافتوں سے گھبرانے والے انسان نہیں لیکن فاصلے زیادہ نہیں دشواریاں اور رکاوٹیں زیادہ ہیں۔ بیت المقدس تک ہمیں بہت سے قلعے سر کرنے ہوں گے۔ ان میں چند ایک قلعے تو بہت مضبوط ہیں صلیبیوں نے قبلۂ اوّل کا دفاع دُور دُور کی قلعہ بندیوں کی صورت میں بہت مضبوط کر رکھا ہے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ صلیبی اس کوشش میں ہیں کہ یونانیوں، بازنطینیوں اور اطالویوں کا بحری بیڑہ متحدہ ہو جائے اور مصر پر حملہ آور ہو کر شمالی علاقے میں فوجیں اتار دے۔ تمہیں اس صورتِ حال کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ پیش بندی کر لو۔ تمہارے پاس دُور مار آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں زیادہ ہونی چاہئیں۔ میں یہ مشورہ دوں گا کہ شمالی علاقے کی زمین اجازت دے تو دشمن کے بحری بیڑے کو ساحل تک آنے دو۔ وہاں مزاحمت نہ کرو۔ دشمن کو اس خوش فہمی میں مبتلا کر دو کہ اُس نے تمہیں بے خبری میں آن دبوچا ہے۔ فوجیں اُتر آئیں تو جہازوں پر آگ برساؤ اور صلیبی فوج کو اپنی پسند کے میدان میں گھسیٹ لاؤ....

"میں تمہاری مجبوریوں سے بے خبر نہیں ہوں۔ تمہارے قاصد نے تمام حالات بتائے ہیں۔ ربِ کعبہ کی قسم، صلیبیوں کی ساری بادشاہیاں طوفان کی طرح آجائیں تو بھی اُمتِ رسولِ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اُمت لہو دینا جانتی ہے۔ یہ سرفروشوں کی اُمت ہے مگر ایمان فروشوں نے ہمیں زنجیریں ڈال رکھی ہیں۔ تم قاہرہ میں قید ہو گئے ہو، میں بغداد سے نہیں نکل سکتا۔ عورت، شراب اور زر و دولت نے ہماری صفوں میں شگاف کر ڈالے ہیں۔ اگر ہمارے گھروں میں سکون اور اطمینان ہوتا تو ہم دونوں صلیب کا مقابلہ کرنے مگر کفار نے ایسا طلسم پیدا کیا ہے کہ مسلمان بھی کافر ہو گئے ہیں۔ یہ کافر مسلمان اتنے مردہ ہو چکے ہیں کہ یہ احساس بھی نہیں رکھتے کہ اُن کا دشمن اُن کی بیٹیوں کی عصمت سے کھیل رہا ہے۔ کرک کے مسلمان بہت بُری حالت میں تھے۔ صلیبیوں نے اُن پر جو مظالم ڈھائے وہ سنو تو لہو کے آنسو روؤ۔ میں اپنی قوم کے غداروں کو کیسے سمجھاؤں کہ دشمن کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے....

"تم نے افسوس کا اظہار کیا ہے کہ تمہارے اپنے بھائی اور اچھے اچھے حاکم اور کمانڈر تمہارے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں، صلاح الدین! افسوس اس پر نہیں کرو تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے افسوسناک امر یہ ہے کہ وہ غدار ہوئے اور یہ بھی افسوسناک ہے کہ صلیبی خوش ہو رہے ہوں گے کہ وہ مسلمانوں کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرا رہے ہیں۔ تم غداروں کو بخش نہیں سکتے۔ غدار کی سزا قتل ہے.... میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم جب آؤ تو تمہارے ساتھ فوج زیادہ ہونی چاہیئے۔ صلیبی تمہیں قلعہ بندیوں میں لڑا کر تمہاری طاقت زائل کرنا چاہتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بیت المقدس کے راستے میں ہی تم بے دست و پا ہو جاؤ۔ تم جب آؤ تو مصر کے اندرونی حالات کو پوری طرح قابو میں کر کے آنا۔ سوڈانیوں کی طرف سے چوکنا رہنا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے سامنے کچھ مالی مسائل بھی ہیں۔ میں تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ بہتر ہے کہ اپنے مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرو، اور یہ کوشش بھی کرو کہ قاہرہ سے جلدی نکل آؤ لیکن اندر سے اور باہر کے حالات دیکھ کر وہاں سے نکلنا۔ اللہ تمہارا حامی ہے۔"

☆

صلاح الدین ایوبی نے مجلس کے حاضرین کو یہ پیغام پڑھ کر سنایا اور انہیں یہ اُمید افزا خبریں سنائیں کہ فوج میں شامل ہونے کے لیے دیہاتی علاقے سے لوگ آنے لگے ہیں۔ توہم پرستی کی جو مہم دشمن نے شروع کی تھی وہ ختم کر دی گئی ہے لیکن کہیں کہیں اس کے اثرات باقی ہیں۔ ایک فتویٰ مسجدوں سے بھی اٹھا تھا۔ اُسے بھی دبا لیا گیا ہے۔ تین چار اماموں نے انہی توہمات کو جو صلیبیوں نے ہمارے مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی لوگوں کے ذہنوں میں ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا ایلچی بنا لیا تھا۔ ہمارے سامنے ایسے لوگ آئے ہیں جو کسی مصیبت کے وقت براہِ راست خدا سے دُعا مانگنے کے بجائے اماموں کو نذرانے دیتے رہے کہ وہ ان کے لیے دعا کریں۔ یہ وہم پھیلا دیا گیا تھا کہ عام آدمی خدا سے کچھ نہیں مانگ سکتا، نہ خدا اس کی سنتا ہے۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں نے ان اماموں کو مسجدوں سے نکال دیا ہے اور مسجدیں ایسے اماموں کے حوالے کر دی ہیں جن کے نظریات اور عقیدے قرآن کے عین مطابق ہیں۔ وہ اب لوگوں کو یہ سبق دے رہے ہیں کہ مسلمان کا خدا عالم اور بے علم کے لیے، امیر اور غریب کے لیے، حاکم اور رعایا کے لیے ایک جیسا ہے۔ وہ ہر کسی کی دعا سنتا ہے۔ اچھے عمل کی جزا اور بُرے عمل کی سزا دیتا ہے۔ میں اپنی قوم میں یہی قوت اور یہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اور خدا کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میرے دوستو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارا دشمن صرف میدانِ جنگ میں نہیں لڑ رہا۔ وہ تمہارے دلوں میں نئے عقیدے ڈال رہا ہے۔ یہودی اس مہم میں پیش پیش ہے۔ یہودی اب کبھی تمہارے آمنے سامنے آ کر نہیں لڑے گا۔ وہ تمہارے ایمان کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس عمل میں وہ اتنی جلدی کامیاب نہیں ہو سکتا لیکن وہ ناکام بھی نہیں ہوگا۔ وہ وقت آئے گا، جب خدا کی دشمنکاری ہوئی یہ قوم مسلمانوں کو کمزور دیکھ کر ایسی چال چلے گی کہ اپنے مقصد کو پا لے گی۔ اس کا خنجر سلطنتِ اسلامیہ کے سینے میں اتر جائے گا۔ اگر اپنی تاریخ کو اس ذلت سے بچانا چاہتے ہو تو آج ہی پیش بندی کر لو۔ اپنی قوم کے قریب جاؤ۔ اپنے آپ کو حاکم اور قوم کو محکوم سمجھنا چھوڑ دو۔ ان میں اعتماد و وقار پیدا کرو کہ یہ قومی وقار پر جانیں قربان کر دیں۔"

سلطان ایوبی نے بتایا کہ صلیبیوں کے پاس عورت اور دولت ہے اور ہمارے ہاں ان دونوں کا بالکل وجود ہے۔ ہمارے سامنے ایک اہم یہ بھی ہے کہ قوم کے دل سے عورت اور دولت کا لالچ نکال دیں۔ اس کے لیے ایمان کی مضبوطی کی ضرورت ہے۔

"امیرِ محترم!" ایک اعلیٰ کمانڈر نے کہا۔ "ہمیں دولت کی ضرورت بھی ہے۔ اخراجات پورے کرنے مشکل ہو رہے ہیں۔ ہمیں بعض کاموں میں مشکل پیش آتی ہے۔"

"میں یہ مشکل آسان کر دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تمہیں یہ حقیقت ہمیشہ کے لیے قبول کرنی پڑے گی کہ مسلمانوں کے پاس دولت کی اور فوج کی کمی رہی ہے اور رہے گی۔ ہمارے رسولؐ نے پہلی جنگ تین سو تیرہ مجاہدین کی طاقت سے لڑی تھی۔ اُس کے بعد مسلمان جہاں بھی لڑے اسی تناسب سے لڑے۔ مسلمانوں کے پاس دولت کی کمی کبھی نہیں رہی۔ دولت چند ایک افراد کے گھروں میں چلی گئی۔ اب بھی ہماری قوم کا یہی

ہاں ہے چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے جو مالک مسلمان ہیں اُن کے پاس دولت کے ڈھیر پڑے ہیں۔"

"دولت کے ڈھیر یہاں بھی پڑے ہیں سالارِ اعظم!" غیاث بلبیس نے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو ہم ایک نئی مہم شروع کر سکتے ہیں۔۔۔۔ آپ کو معلوم ہے کہ مصر خزانوں کی سرزمین ہے۔ یہاں جو فرعون بھی مرا وہ اپنا تمام تر خزانہ اپنے ساتھ زمین کے نیچے لے گیا۔ وہ خزانے کس کے تھے؟ یہ اُس غریب مخلوق کی دولت تھی جسے بھوکا رکھ کر اُس سے سجدے کرائے گئے۔ اُس دور کے انسان نے فرعون کو خدا صرف اس لیے کہا تھا کہ وہ انسان بھوکا تھا۔ اُس کی قسمت فرعونوں کے ہاتھ میں تھی۔ اُس کی زندگی اور موت بھی فرعونوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ انسانوں سے زمین کھدوا کر اور پہاڑ کٹوا کر فرعونوں نے اپنے زمین دوز مقبرے بنائے، تو وہ ایسے جیسے اُن کے محل تھے۔ ان میں انہوں نے وہ دولت ڈھیر کر لی جو لوگوں کی تھی۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان زمین دوز مقبروں اور مدفنوں کی تلاش شروع کر دیں اور خزانے ملک اور قوم کی خاطر استعمال کریں۔"

غیاث بلبیس کی تائید میں کئی آوازیں اٹھیں۔۔۔ "یہ صحیح ہے امیرِ محترم! ہم نے اس سے پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔" "ہم اس مہم میں فوج کو استعمال کر سکتے ہیں۔" "شہری آبادی سے ایک لشکر جمع کیا جا سکتا ہے۔" "ہاں۔ ہاں۔ بغیر تنخواہوں کو استعمال کیا جائے اور انہیں اُجرت دی جائے۔"

مجلس میں ہنگامہ سا بپا ہو گیا۔ ہر کوئی کچھ نہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اگر کوئی خاموش تھا تو وہ صلاح الدین ایوبی تھا۔ مجلس میں بہت دیر بعد یہ احساس پیدا ہوا کہ ان کا امیر اور سالارِ اعظم خاموش ہے۔ مجلس پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے سب پر نگاہ ڈالی اور کہا۔ "میں اس مہم کی اجازت نہیں دے سکتا جس کی تجویز غیاث بلبیس نے پیش کی ہے۔" مجلس پر سناٹا طاری ہو گیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ سلطان ایوبی اس تجویز کو ٹھکرا دے گا۔ اس نے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد تاریخ مجھے قبر چور اور مقبروں کا ڈاکو کہے۔ تاریخ نے مجھے ذلیل کیا تو اس میں تمہاری بھی ذلت ہو گی۔ آنے والی نسلیں کہیں گی کہ صلاح الدین ایوبی کے مشیر اور وزیر بھی قبر چور تھے۔ صلیبی اس الزام کو خوب اچھالیں گے اور تمہاری قربانیوں اور جذبۂ اسلام کو ڈکیتی اور رہزنی کا نام دے کر تمہیں تمہاری ہی نسلوں میں رسوا کر دیں گے اور تم ہی نہیں، ہماری تاریخ ذلیل اور رسوا ہو جائے گی۔"

"گستاخی معاف امیرِ محترم!" علی بن سفیان نے کہا۔ "تھوڑے سے عرصے کے لیے مصر صلیبیوں کے قبضے میں آیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہاں کے خزانوں کی تلاش شروع کی تھی۔ قاہرہ کے مضافات میں ہم نے جن کھنڈروں سے صلیبی تخریب کاروں اور خائنوں کا ایک گروہ پکڑا تھا وہ کسی فرعون کا مدفن تھا۔ وہاں سے وہ سب کچھ لے گئے تھے۔ صلیبیوں کی حکومت زیادہ دیر قائم نہ رہی ورنہ وہ یہاں کے تمام خزانے نکال کر لے جاتے۔ محترم غیاث بلبیس نے ٹھیک کہا ہے کہ یہ خزانے اگر کسی کی ملکیت ہیں تو وہ فرعون نہیں تھے، ان کے مالک اُس کے وقت کے انسان تھے۔ میں یہ مشورہ پیش کرنے کی جرأت ضرور کروں گا کہ یہ خزانے نکال کر آج کے انسان کی فلاح و بہبود اور وقار کے لیے استعمال کیے جائیں۔"

"اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں۔"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "کہ یہ خزانے تمہارے سامنے آئے تو تم بھی

فرعون بن جاؤ گے۔ انسان کو یہ جرأت کس نے دی تھی کہ وہ اپنے آپ کو خدا سمجھے؟ یہ دولت ہی تھی جس نے۔ انسان کو انسان کے آگے سجدہ کس نے کرایا تھا؟ مفلسی اور بھوک نے۔ تم صلیبیوں کی بات کرتے ہو کہ انہوں نے فرعونوں کے ایک مدفن کو لوٹا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب پہلے فرعون کی لاش تمام تر خزانے کے ساتھ زمین میں دبائی گئی تھی قبر چوری اُسی وقت شروع ہو گئی تھی۔ انسان دشمنوں اور دولت کی حرص پہلے فرعون کے دفن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اُن کا دین اور ایمان صرف دولت بن گیا تھا۔ پھر فرعون مر کر اپنے خزانے زمین میں لے جاتے رہے اور قبر چوری باقاعدہ پیشہ بن گئی۔ اس کے بعد ہر فرعون نے اپنی زندگی میں ہی اپنا دفن کسی ایسی جگہ تیار کرایا جہاں تک کوئی پہنچ نہ سکے اور مرنے کے بعد اُس کے پسماندگان اور جانشین نے اتنے عرصے تک بند کرایا کہ کوئی اُسے کھول نہ سکے اور جب فرعونوں کا دور ختم ہو گیا تو جس کے قبضے میں بھی آیا اُس نے ان چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش شروع کر دی۔ میں جانتا ہوں کہ فرعونوں کے بہت سے دفن ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی جانتا ہی نہیں کہ کہاں ہیں۔ وہ زمین میں مدفن ہیں۔ قیامت تک مصر کے حکمران اور حکمران اور ان مدفنوں کو ڈھونڈتے رہیں گے۔۔۔۔

"ان تمام حکومتوں کو زوال کیوں آیا؟ صرف اس لیے کہ ان کی توجہ خزانوں پر مرکوز ہو گئی تھی۔ غنایا کو یہ تاثر دیا گیا کہ دولت ہے تو عزت ہے۔ ہاتھ خالی ہے تو تم بھی اور تمہاری بیٹیاں بھی اُن کی ہیں جن کے پاس دولت ہے۔۔۔۔ میرے رفیقو! صلاح الدین ایوبی کو اس قطار میں کھڑا نہ کرو۔ میں اپنی قوم کو یہ تاثر دینا چاہتا ہوں کہ اصل دولت قومی وقار اور ایمان ہے لیکن یہ تاثر صرف اس صورت میں پیدا کیا جا سکتا ہے کہ میں خود اور تم سب حکومت کے ستون دل سے دولت کا لالچ نکال دو۔"

"ہم ان خزانوں کی تلاش ذاتی لالچ کے لیے نہیں کرنا چاہتے۔" ایک کمانڈر نے کہا۔ "ہم قومی ضروریات کے پیشِ نظر یہ مہم شروع کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں میرا انکار تم میں سے کسی کو پسند نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میری بات سمجھنے کے لیے تمہیں اپنے ذہن بالکل خالی کرنے ہوں گے۔ میری عقل مجھے بتا رہی ہے کہ باہر سے آئی ہوئی دولت جو قومی ضروریات کے لیے ہی آئی ہو حاکموں کے ایمان متزلزل کر دیا کرتی ہے۔ یہ دولت کی لعنت ہے۔ اگر میرے پاس گھوڑا خریدنے کے لیے رقم نہیں ہو گی تو میں فوج کے ساتھ پیدل بیت المقدس جاؤں گا۔ گھوڑا خریدنے کے لیے مُردوں کے کفن اتار کر نہیں بیچوں گا۔ میرا مقصد بیت المقدس کو صلیبیوں سے آزاد کرانا ہے گھوڑا خریدنے کے لیے رقم کا حصول میرا مقصد نہیں۔ تم جب خزانوں کی تلاش کرنے لگو گے تو قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے مورثِ اعلیٰ کی پچھلی قبروں کو اکھاڑنے لگیں گے۔ مصر میں ایسا ہوتا آیا ہے اور جب یہ خزانے تمہارے سامنے آئیں گے تو تم ایک دوسرے کے اگر دشمن نہ ہوئے تو ایک دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھو گے۔ جہاں خزانے آ جاتے ہیں وہاں انسانی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ حقوق العباد کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ ان زرد جواہرات نے انسان کو خدا بنایا تھا۔ وہ خدا اب کہاں ہیں؟ آسمانوں پر نہیں زمین کے نیچے۔ میرے رفیقو! میں ایک نئے جرم کی بنیاد

نہیں ڈالنا چاہتا۔ ان خزانوں سے بچو۔ یہ خزانوں کے لالچ کا ہی کرشمہ ہے کہ تمہاری صفوں میں غدار بھی موجود ہیں۔ تم دو غداروں کو قتل کرتے ہو تو چار اور پیدا ہو جاتے ہیں۔ اپنی تقدیر اپنی تدبیر سے بناؤ۔ تم مسلمان ہو۔ اپنی قسمت کفار کے ہاتھوں میں نہ دو، ورنہ سب غدار ہو جاؤ گے۔ فرعون مر چکے ہیں۔ انہیں زمین کی تہوں میں دبا رہنے دو۔"

"آپ کے حکم کے بغیر ہم ایسی کوئی مہم شروع نہیں کریں گے۔" کسی نے کہا۔

"غیاث!" سلطان ایوبی نے غیاث بلبیس سے مسکرا کر پوچھا۔ "آج تمہیں ان پوشیدہ خزانوں کا خیال کیسے آگیا ہے؟ مجھے یہاں آئے چار سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے یہ تجویز کیوں پیش نہ کی؟"

"میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا امیرِ محترم!" غیاث بلبیس نے کہا۔ "تقریباً دو مہینے ہوئے کتب خانے کے محرر نے مجھے بتایا تھا کہ پرانے کاغذات میں سے کچھ کاغذات گم ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کاغذات کی نوعیت اور اہمیت پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ ایسے اہم نہیں تھے کہ تلاش ضروری سمجھی جائے۔ یہ کچھ نقشے سے تھے اور فرعونوں کے دفنوں کی تحریریں تھیں۔ بہت ہی بوسیدہ اور کرم خوردہ کاغذات اور کپڑے تھے۔ محرر نے جب فرعونوں کا نام لیا تو مجھے خیال آیا کہ ان تحریروں اور نقشوں میں فرعونوں کے خفیہ مقبروں کے متعلق معلومات ہو سکتی ہیں۔ میں نے وہ پلندے دیکھے جن میں سے کاغذات گم ہوئے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر زیادہ توجہ نہیں دی کہ ان تحریروں کو آج کون پڑھ اور سمجھ سکتا ہے۔"

"تم نے صحیح نہیں سوچا غیاث!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مصر میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ان تحریروں اور اشاروں کو سمجھ سکتے ہیں۔ ان کاغذوں اور نقشوں کی چوری حیران کن نہیں۔ یہ چوری خزانے کے کسی لالچی نے کی ہوگی۔ ان کاغذوں کے ساتھ مجھے کوئی دلچسپی نہیں مجھے چور کے ساتھ دلچسپی ہے۔ وہ کوئی تمہارا ہی رفیق نہ ہو۔ اس چور کا سراغ لگاؤ۔"

"مجھے شبہ ہونے لگا ہے کہ ان کاغذوں کی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور ہے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں محترم غیاث بلبیس کے ساتھ بات کر چکا ہوں۔ بہت دنوں سے ہمارے مخبر اور شہر کے اندر کے جاسوس ہمیں کسی پُراسرار سرگرمی کی اطلاعیں دے رہے ہیں۔ قندومی یہاں کی ایک مشہور رقاصہ ہے جسے امیروں کی محفلوں کی شمع کہا جاتا ہے، پانچ چھ دنوں سے غائب ہے۔ ایک رقاصہ کا شہر سے غیر حاضر ہو جانا کوئی اہم واقعہ نہیں ہوا کرتا لیکن قندومی کو میں نے خاص طور پر نظر میں رکھا ہوا ہے۔ میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اس کے ہاں اجنبی اور مشکوک سے دو آدمی آتے رہے ہیں۔ پھر قندومی کے گھر سے ایک روز ایک پردہ پوش عورت کو نکلتے دیکھا گیا۔ وہ ایک اجنبی تاجر مسافر کے ساتھ جا رہی تھی۔ مجھے شک ہے کہ قندومی بھیس بدل کر نکل گئی ہے۔ دوسرے مخبروں کی اطلاعوں سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ آدمی جنوب کی طرف مشکوک حالت میں جاتے دیکھے گئے ہیں۔ ان سرگرمیوں سے مجھے شک ہوتا ہے کہ ان کا تعلق ان گم شدہ کاغذات کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور یہ شبہ بھی ہے کہ یہ صلیبی تخریب کار ہوں گے۔ جو کچھ بھی ہے، ہم ان سرگرمیوں کا کھوج لگا رہے ہیں۔"

"ضرور کھوج لگاؤ۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اور ان خزانوں کو اپنے ذہنوں سے اتار دو۔ میں جانتا

ہوں کہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے اور صلیبیوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ہمیں مالی استحکام کی ضرورت ہے، مگر میں کسی سے مدد نہیں مانگوں گا۔ محترم نورالدین زنگی نے مالی امداد کا وعدہ کیا ہے۔ میں یہ امداد قبول نہیں کروں گا۔ مالی امداد سگے بھائی سے ملے تو بھی انسانی سلامتیوں کے لیے، امت اور دیانتداری کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ پھر انسان خزانوں کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگتا ہے۔ مصر کی زمین بانجھ نہیں ہو گئی۔ محنت کرو کہ یہ زمین تمہیں ثمر دے۔ قوم کو بتاؤ کہ حکومت پر اس کے حقوق کیا ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو رعایا سمجھنا چھوڑ دے اور قوم کو یہ بھی بتاؤ کہ اس کے فرائض کیا ہیں۔ اگر قوم نے فرائض سے نگاہیں پھیر لیں تو حقوق پامال ہو جائیں گے۔ تم جس زمین کی پاسبانی میں خون نہیں بہاؤ گے اور جس کے وقار کے لیے پسینہ نہیں بہاؤ گے وہ تمہارا حق کبھی ادا نہیں کرے گی۔ پھر اس ملک کے حکمران باہر کے خزانوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور قوم افراد میں منتشر ہو کر کفار کی غلام ہو جائے گی۔"

☆

جن خزانوں کو سلطان صلاح الدین ایوبی ہاتھ لگانے سے بھی گریز کرتا تھا ان تک اس کے اپنے ہی ایک جرنیل کے بھیجے ہوئے پچاس آدمی پہنچ گئے تھے۔ مارکونی، اسماعیل، قندومی اور ایک اور صلیبی شام کو پہنچے۔ ان کے باقی ساتھی جو الگ الگ ٹولیوں میں روانہ ہوئے تھے اسی رات پہنچنا شروع ہوئے اور آدھی رات کے بعد پورے پچاس آدمی پہنچ گئے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، یہ جگہ ایسی تھی جس کے قریب سے کبھی کوئی مسافر نہیں گزرا تھا۔ جگہ ڈراؤنی ہونے کے علاوہ کسی راستے پر پڑتی ہی نہیں تھی۔ یہ چونکہ سرحد سے دور تھی اس لیے سرحدی دستوں کی نظر میں بھی نہیں تھی۔ مارکونی نے رات کو ہی سب کو اس خطے کے اندر پہنچا دیا تاکہ باہر سے کوئی دیکھ ہی نہ سکے اور انہیں مکمل آرام دینے کے لیے کہا کہ وہ جتنی دیر سو سکتے ہیں سو جائیں، یہاں سے آگے پیدل جانا ہوگا اور یہ سفر جسم کی بجائے اعصاب کو زیادہ تھکائے گا۔ مارکونی خود قندومی کے ساتھ اپنے خیمے میں چلا گیا۔

وہ سب اس وقت جاگے جب سورج ان ٹیلوں کے اوپر آگیا جس کے دامن میں سب سوئے ہوئے تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ وہ کون کون سا سامان، اوزار اور ہتھیار وغیرہ اپنے ساتھ لیں۔ ان میں مضبوط رسّے، کدالیں اور موٹی موٹی سلاخیں تھیں اور ہتھیاروں میں تیر و کمان اور تلواریں۔ راستے کی مشکلات کے متعلق بھی اس نے سب کو بتا دیا۔ اس دیوار کے متعلق بھی انہیں ذہنی طور پر تیار کر دیا جس سے اس کا ایک ساتھی گر کر ہمیشہ کے لیے لاپتہ ہو گیا تھا۔ اس نے انہیں رونے کی آوازوں سے بھی خبردار کر دیا جو اس علاقے میں سنائی دیتی تھیں۔ اونٹوں کو ساتھ نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ ان کی دیکھ بھال کے لیے اس نے صرف ایک آدمی پیچھے رہنے دیا۔ قندومی کو بھی وہ ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا۔ اسے توقع تھی کہ کہیں کوئی راستہ اندر جاتے کے لیے مل ہی جائے گا اور وہ قندومی کو اس راستے سے لے جائے گا۔ قندومی کی حفاظت کے لیے بھی ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے صرف اسماعیل موزوں آدمی تھا۔

مارکونی نے اسماعیل سے کہا۔ "تم قندومی کے لیے یہیں رہو گے لیکن یہ خیال رکھنا کہ تمہاری حیثیت

اس لڑکی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ اس کے آرام اور حفاظت کے تم ذمہ دار ہو گے۔ میں بہت جلدی واپس آرہا ہوں۔ تم دونوں کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

وہ اپنی بانی کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس راستے سے وہ واقف ہو چکا تھا۔ بے خوف و خطر چلتا گیا۔ جوں جوں یہ آدمی آگے بڑھتے جا رہے تھے اُن پر خوف مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ صحراؤں سے پوری طرح واقف تھے مگر ایسا خطہ ا۔ اس قسم کے پہاڑ انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اور وہ جب اُس جگہ پہنچے جہاں رونے کی آوازیں آتی تھیں تو سب بدک کر خاروں میں دیکھنے لگے۔ بلاشک و شبہ عورتیں رو رہی تھیں۔ ان آدمیوں میں دو تین ایسے بھی تھے جنہوں نے اس علاقے کے متعلق وہ تمام ڈراؤنی کہانیاں سن رکھی تھیں جو بہت مدت سے مشہور تھیں۔ انہوں نے اپنے صلیبی ساتھیوں کو بھی یہ کہانیاں سنا کر ڈرا دیا۔ وہ سب ڈھ کی گرفت میں پہلے ہی تھے لیکن انہیں جو انعام بتایا گیا تھا اس میں اتنی طاقت تھی جو ان کے خوف کو دبا رہی تھی۔ اس کے علاوہ وہ صلیب کے تنخواہ دار ملازم بھی تھے اور مارکونی ان کا افسر تھا۔ وہ انعام اور حکم کی پابندی کے تحت چلے جا رہے تھے۔ رونے کی آوازوں پر وہ رکے تو مارکونی نے انہیں بتایا کہ یہ عورتیں یا عورتوں کی بدروحیں نہیں یہ بڑھیا کی آوازیں ہیں مگر وہ ڈوتے رہے اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔

اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا جب وہ اُس وسیع اور بے انتہا گہرے نشیب تک پہنچے جو انہیں قدرتی دیوار پر چل کر پار کرنا تھا۔ مارکونی کو وہاں کچھ مشکل پیش آئی۔ دیوار پر پاؤں رکھنے سے سب گھبراتے تھے۔ مارکونی آگے آگے چلا۔ وہ ایک بار اس خطرے سے گزر چکا تھا۔ اُس کے پیچھے دوسرے آدمی نے دیوار پر قدم رکھا اور پھر باقی بھی چل پڑے۔ سورج اس جہنم میں ہی روپوش ہو گیا تھا۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ کھائی کی گہرائی نظر نہیں آتی تھی۔ مارکونی دیوار عبور کر گیا۔ اُسے ایسی چیخ سنائی دی جو نیچے کی طرف جا رہی تھی۔ فوراً بعد ایک اور ہیبت ناک چیخ سنائی دی۔ یہ بھی دور نیچے جا کر ایک دھیمی سی دھمک میں خاموش ہو گئی۔ ایسی پانچ چیخیں سنائی دیں... یہ گروہ جب دیوار سے گزر کر کچھ آگے جا جمع ہوا تو اس میں پانچ آدمی نہیں تھے۔ مارکونی نے انہیں بتایا کہ اس سے آگے کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے اور وہ منزل کے قریب آگئے ہیں۔ اُس نے اس امید کا اظہار بھی کیا کہ ان کی واپسی اس راستے سے نہیں ہوگی بلکہ یہ جانا اور آسان راستہ مل جائے گا۔

رات بہت گہری ہو چکی تھی جب وہ اُس جگہ پہنچے جس کے نیچے وسیع سرسبز خطہ تھا۔ مارکونی نے تمام آدمیوں کو وہاں سے تھوڑی دور چھپا دیا۔ دو آدمی اپنے ساتھ لیے اور باقی سب سے کہا کہ اُن کے پاس جو کچھ ہے وہ کھا کر سو جائیں۔ انہیں ضرورت کے وقت جگایا جائے گا۔ مارکونی دو آدمیوں کو ساتھ لے کر اُس جگہ کی کچھ بھال کے لیے چلا گیا۔ نیچے موت کا سکوت تھا۔ کہیں ہلکی سی روشنی بھی نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اور زیادہ قریب جانے سے ڈرتا تھا۔ اُس نے تمام صبح کے لیے ملتوی کر دیا اور اپنے آدمیوں کے پاس واپس آگیا۔

☆

قندوری اور اسماعیل اکیلے رہ گئے تھے۔ قندوری اُن ہنگامہ خیز محفلوں کی عادی تھی جن میں شراب اور دولت

پانی کی طرح بہتی تھی۔ مارکونی اسے اس ہولناک ویرانے میں لے آیا تھا اور اسے ایک آدمی کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا تھا۔ اسماعیل اُسے جانتا تھا۔ وہ اسماعیل سے واقف نہیں تھی۔ اسماعیل ہر جرم و گناہ کی دنیا کا انسان تھا۔ اُس کی شکل و صورت اتنی اچھی اور طبیعت اتنی شگفتہ تھی کہ قندوری نے اُسے کوئی عام آدمی نہ سمجھا لیکن اسماعیل اُس کے ساتھ بات کرنے سے گریز کرتا رہا تھا۔ شام کے وقت اُس نے قندوری کو بھنا ہوا گوشت گرم کر کے دیا اور شراب بھی اُس کے آگے رکھ کر کہا کہ کھانا کھا کر سو جانا۔ کوئی ضرورت ہو تو خیمے سے باہر نکل گیا۔ قندوری نے کھانا کھا لیا۔ شراب بھی حسب عادت پی لی لیکن تنہائی اسے پریشان کرنے لگی۔ اُسے اپنے حسن اور ناز و ادا پر بھروسہ تھا اس لیے اُسے توقع تھی کہ اسماعیل اس کے قریب ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس نوعیت کی توجہ وہ چاہتی تھی۔ یہ تھا مگر اسماعیل نے اُس کی طرف ایسی کوئی توجہ نہ دی جس کی قندوری کو توقع تھی۔

قندوری کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنے خیمے سے نکلی اور اسماعیل کے خیمے میں چلی گئی۔ وہ ابھی جاگ رہا تھا۔ قندوری کے لیے اُس نے جگہ دیا اور پوچھا کہ وہ کیوں آئی ہے۔ قندوری نے کہا کہ اس کی طبیعت گھبرا رہی تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی اور پوچھا ــــ "تم شاید مسلمان ہو؟"

"تمہیں مذہب سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟" ــــ اسماعیل نے جواب دیا ــــ "تمہاری دل چسپی انسانوں کے ساتھ ہے کسی کے مذہب کے ساتھ نہیں۔ میرا نام اسماعیل ہے اور میرا کوئی مذہب نہیں رہا۔"

"اوہ!" ــــ قندوری نے مسکراہٹ اور حیرت سے کہا ــــ "تم ہو اسماعیل۔ الموت درویش کے خاص آدمی۔" اُس نے پوچھا ــــ "یہ آدمی کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟" وہ مارکونی کے متعلق پوچھ رہی تھی ــــ "اُس نے اپنا نام سلیمان سکندر بتایا ہے لیکن یہ مسلمان معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہ عیسائی بھی نہیں" ــــ اسماعیل نے کہا ــــ "اور یہ سلیمان بھی نہیں، نہ سلیمان سکندر اس کا نام نہیں۔"

"پھر یہ کون ہے؟" ــــ قندوری نے پوچھا ــــ "اس کا اصلی نام کیا ہے؟"

"میں اس کا نام نہیں بتا سکتا" ــــ اسماعیل نے کہا ــــ "یہ راز چھپائے رکھنے کے لیے مجھے معاوضہ ملتا ہے... تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ کون ہے۔ تم منہ مانگی اُجرت پر اس کی تفریح طبع کے لیے آئی ہو۔ یہ تمہارا پیشہ ہے۔ اس نے تمہیں خزانے میں سے کچھ حصہ دینے کا وعدہ کیا ہوگا۔"

"وہ تو میرا حق ہے" ــــ قندوری نے کہا ــــ "اس نے مجھے جو اُجرت دی ہے وہ اس خطرناک بیابان میں ساتھ آنے کے لیے بہت ہی تھوڑی ہے۔ میں تو خزانے میں سے حصہ لینے کے وعدے پر ساتھ آئی ہوں۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہیں وہ حصہ دے دے گا؟" ــــ اسماعیل نے پوچھا ــــ "اور کیا تمہیں یقین ہے کہ اُسے وہ خزانہ مل جائے گا جس کا حصہ وصول کرنے کے لیے تم آئی ہو؟"

"میں اتنی قیمتی لڑکی ہوں کہ لوگ مجھے خزانوں کے عوض خریدنا چاہتے ہیں" ــــ قندوری نے غرور کے لہجے میں کہا ــــ "یہ شخص تو میری قیمت ادا ہی نہیں کر سکتا۔ میں ایسے امیرزادوں اور شہزادوں کو اپنا غلام بنا کے رکھا کرتی ہوں۔"

"کب تک؟" ــــ اسماعیل نے مسکرا کر کہا ــــ "زیادہ سے زیادہ دو سال۔ اس کے بعد تمہاری قیمت اتنی گر

جائے گی کہ تم گلیوں میں پاگلوں کی طرح دوڑتی پھرو گی، تمہیں پوچھے گا کوئی نہیں۔ جن کے پاس خزانے ہیں انہیں ایک اور قندوی مل جائے گی۔ تم جیسی کئی مل جائیں گی.... سنو قندوی! اتنا غرور نہ کرو۔"

"کیوں نہ کروں؟" — قندوی نے کہا — "یہ شخص جو اپنا نام سلیمان سکندر بتاتا ہے میرے طلسم میں ایسا گرفتار ہے کہ اُس نے مجھے تمہیں کھا کر کہا تھا کہ وہ صرف میرے لیے خزانے کی تلاش میں جا رہا ہے۔ وہ مجھے سکندریہ لے جائے گا جہاں ہم سمندر کے کنارے محل بنائیں گے۔ پھر میں رقاصہ نہیں رہوں گی۔ کیا تمہیں اس میں کچھ شک ہے؟"

"شک نہیں مجھے یقین ہے کہ اس نے بہت بڑا جھوٹ بولا ہے" — اسماعیل نے کہا — "میں اپنی اُجرت کے لیے اس کے ساتھ آیا ہوں۔ احمر درویش کا کہنا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ اُس نے کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ، میں آگیا۔ یہ میرا پیشہ ہے۔ میں کرائے کا گناہگار ہوں۔ میں اُجرت پر قتل بھی کیا کرتا ہوں، مگر میں جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ میں کبھی پکڑا ہی نہیں گیا۔ احمر درویش مجھے بچا لیتا ہے۔ مجھ میں دوسری خوبی یا خرابی یہ ہے کہ میں عورت کا احترام کرتا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں میں ایسا کیوں کرتا ہوں۔ عورت پردہ دار ہو یا عصمت فروش، میں اس کی عزت کرتا ہوں، میں عورت کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں بھی دھوکے میں نہیں رکھوں گا۔ میں تمہیں یہ بتا دینا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں، کہ یہ خزانہ تمہارے لیے محل تعمیر کرنے کے لیے نہیں نکالا جا رہا۔ یہ مصر کی جڑیں کاٹنے کے لیے استعمال ہوگا۔ یہاں صلیبی حکومت قائم کی جائے گی۔ مسجدوں کو گرجے بنایا جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ خزانہ مصر سے باہر چلا جائے گا۔ مجھے معلوم ہے تمہیں مصر کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے بھی نہیں۔ ہم دونوں پیشہ ور ہیں۔ گناہ ہمارا پیشہ ہے۔ میں تمہیں صرف دو باتیں بتانا چاہتا تھا جو بتا چکا ہوں۔ ایک بار پھر سُن لو۔ تمہارے حُسن، اور جوانی کی عمر بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ تمہیں یہ شخص اپنے ساتھ تفریح اور عیاشی کے لیے لایا ہے۔ اس کی نظر میں تم ایک طوائف ہو۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو ایک دو ہیرے تمہارے ہاتھ میں دے دے گا اور اگر اُس نے کسی کے لیے محل تعمیر کیا بھی تو وہ کوئی نوخیز لڑکی ہوگی۔ وہ تم نہیں ہوگی۔ تمہارے چہرے پر مجھے بال جیسی باریک دو لکیریں نظر آ رہی ہیں جو آج اچھی لگتی ہیں۔ تھوڑے ہی دنوں بعد یہ گہری ہو کر تمہاری قدر و قیمت ختم کر دیں گی۔"

اسماعیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جس میں لگن نہیں تھی، دھوکہ اور فریب نہیں تھا۔ ایک گونہ اپنائیت سی تھی اور ایسی حقیقت جو قندوی نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اُسے توقع تھی کہ اسماعیل اُس پر ڈورے ڈالے گا مگر اسماعیل نے اُسے ذرا بھی اہمیت نہ دی۔ اس کی بجائے اُسے یہ تاثر دے دیا کہ اس کی اہمیت دو روز کی مہمان ہے۔ قندوی تو اپنے حُسن کی تعریفیں سننے کی عادی تھی۔ اپنے آپ کو قاہرہ کی نائی سمجھتی تھی۔ اسماعیل نے ایسا تاثر پیدا کیا جسے قندوی دھتکار نہ سکی۔ اسماعیل کا انداز ہی ایسا تھا کہ اُس کا پیدا کیا ہوا تاثر اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر گیا۔ رات گزرتی جا رہی تھی اور قندوی کی آنکھوں سے نیند غائب ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسماعیل کے ساتھ باتوں میں رات گزارنا چاہتی تھی۔ اس خواہش کو وہ دبا نہ سکی۔ اسماعیل نے اسے مایوس نہ کیا۔ رات کا آخری پہر تھا جب قندوی کی آنکھ لگ گئی۔

اُس کی آنکھ کھلی تو وہ اسماعیل کے خیمے میں تھی اور اسماعیل خیمے سے باہر کمبل میں لپٹا سویا ہوا تھا۔ قندوی نے اسے جگایا اور کہا — "میں نے خواب دیکھا ہے۔ عجیب سا خواب تھا۔ پوری طرح یاد نہیں رہا۔ کوئی مجھے کہہ رہا تھا کہ سلیمان سکندر کے خزانے کی نسبت اسماعیل کی باتیں زیادہ قیمتی ہیں" — وہ ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی میں رقاصہ کا تصنع نہیں ایک معصوم لڑکی کی سادگی تھی۔

☆

سورج نکلنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ مارکونی اپنے آدمیوں کو اُس سرسبز نشیب کے اوپر اپنی سکیم کے مطابق موزوں جگہوں پر بھیج چکا تھا۔ صبح روشن ہوئی تو نیچے ننگے آدمی اور عورتیں نظر آنے لگیں۔ مارکونی نے اپنے ایک دلیر اور نڈر آدمی کو نیچے جانے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ اسی ڈھلان سے جس سے اُس کا ایک ساتھی لڑھک کر نیچے گرا اور اس پُراسرار قبیلے کی ضیافت بن گیا تھا، مارکونی نے اپنے اُس آدمی کو نیچے لڑھک جانے کو کہا۔ وہ ڈھلان کے اوپر بیٹھا اور نیچے سرک گیا۔ کچھ آگے جا کر وہ قلابازیاں کھانے لگا اور زمین پر جا پڑا۔ وہ اٹھ کر چل پڑا۔ تین چار ننگے آدم خوروں نے اُسے دیکھ لیا اور اُسے پکڑنے کے لیے دوڑے۔ وہ خوشی سے چلا رہے تھے۔ وہ جب اس آدمی کے قریب آئے تو اوپر سے چار تیر نکلے اور اُن کے سینوں میں اُتر گئے۔ اُدھر سے دو اور ننگے مرد دوڑے آئے۔ وہ بھی تیروں کا نشانہ بن گئے۔ مارکونی نے اوپر ایک چٹان کے ساتھ رسّہ بندھوا دیا تھا جسے اُس نے ڈھلان سے نیچے پھینک کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے پکڑ کر سب ایک دوسرے کے پیچھے نیچے اُتر جائیں۔

سب نیچے چلے گئے۔ مارکونی نے اوپر سے رسّہ کھول کر نیچے پھینک دیا اور ڈھلان سے لڑھکتا ہوا نیچے چلا گیا۔ یہ سارا گروہ تلواریں نکال کر آگے کو دوڑ پڑا۔ چند اور ننگے مرد سامنے آئے انہیں بھی کاٹ دیا گیا۔ جو ذرا دور تھے وہ اُلٹے پاؤں بھاگے۔ نیچے سے سرسبز علاقے کے کئی ایک حصے تھے۔ مارکونی نے دیکھا کہ بھاگنے والے ایک حصے میں چلے گئے تھے۔ وہ اُن کے پیچھے گیا۔ اُسے اُن آدمیوں کا واویلا سنائی دے رہا تھا۔ ان کی چیخ و پکار پر وہ اُن کے تعاقب میں گیا۔ اس کے باقی آدمی خون خرابہ کر رہے تھے۔ وہ خود ان دو آدمیوں کے تعاقب میں رہا... تھوڑی ہی دُور اسے آدمی نظر آ گئے۔ وہ اب دو نہیں تین تھے۔ وہ تینوں ایک چٹان پر چڑھ رہے تھے۔ مارکونی نے ان کے پیچھے دوڑتے کچھ فاصلہ رکھا۔ وہ تینوں چٹان کی دوسری طرف اُتر گئے۔ وہ بھی چٹان پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف اُسے سیاہ پہاڑی کا دامن نظر آیا۔ وہاں ایک غار کا دہانہ تھا جس میں سے جُھک کر گزرا جا سکتا تھا۔ مارکونی اس غار میں چلا گیا۔ اُس نے تلوار ہاتھ میں لے رکھی تھی۔

اندر سے غار کُھلتا جا رہا تھا۔ اُسے اس میں کسی کے دوڑنے کی ہلکی ہلکی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دوڑتا گیا۔ یہ غار نہیں سُرنگ تھی جو معلوم نہیں قدرتی تھی یا فرعون رمسیس نے مرنے سے پہلے بنوائی تھی۔ سُرنگ کے کئی موڑ تھے اور اندر گھپ اندھیرا۔ اُسے بولنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ وہ دوڑتا گیا اور اُسے دُور سامنے روشنی کا ایک گولا نظر آیا۔ اس میں اُسے تین آدمی دوڑتے دکھائی دیئے۔ وہ غار کا دوسرا دہانہ تھا۔ وہ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سکیم کامیاب ہو رہی تھی۔ وہ تینوں غار سے نکل گئے۔ وہ بھی غار سے نکل گیا۔ تینوں میں ایک آدمی

گر پڑا۔ مارکونی نے جا کر دیکھا۔ یہ وہی بوڑھا آدمی تھا جس نے اُسے اُس روز دیکھا تھا جس روز اس کا ساتھی نیچے گر پڑا اور آدم خوروں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ بہت ہی بوڑھا تھا۔ زیادہ دوڑ نہیں سکتا تھا۔ خاصے باہر ریتیلے اور پتھریلے ٹیلے اور چٹانیں تھیں۔ ایک طرف سیاہ پہاڑ دُور اوپر تک چلا گیا تھا۔ مارکونی نے بوڑھے کو سہارا دے کر اٹھایا اور اس کے بھاگتے ہوئے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے اشاروں میں اسے سمجھایا کہ ان آدمیوں کو واپس بلاؤ۔

بوڑھے نے انہیں پکارا۔ وہ رکے تو انہیں اپنی طرف بلایا۔ اُس نے مارکونی کے ساتھ مصری زبان میں بات کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری زبان بولتا اور سمجھتا ہوں۔ مجھے قتل کر کے تمہیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

مارکونی بھی مصری زبان بولتا اور سمجھتا تھا۔ اس نے بوڑھے سے کہا۔ "میں تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارے ان آدمیوں کو بھی قتل نہیں کروں گا۔ مجھے باہر جانے کا راستہ بتا دو۔"

"کیا تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو؟" — بوڑھے نے پوچھا۔

"ہاں!" — مارکونی نے جواب دیا۔ "میں تمہاری بادشاہی سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

بوڑھے نے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا۔ وہ دونوں بہت ہی ڈرے ہوئے تھے۔ بوڑھے نے مارکونی سے کہا۔ "ان کے ساتھ جاؤ۔ یہ تمہیں سیدھے راستے پر ڈال دیں گے۔"

"تم بھی ساتھ چلو۔" — مارکونی نے کہا۔ "یہ دونوں مجھے غلط راستے پر ڈال دیں گے۔"

بوڑھا ساتھ چل پڑا۔ وہ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزرے ایک ٹیلے کے اوپر گئے اور ایسی ہی کچھ بھول بھلیوں میں سے گزر کر وہ کھلے صحرا میں پہنچ گئے۔ مارکونی نے دیکھا کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہاں کوئی راستہ ہے جو اندر کی پُراسرار دنیا میں لے جاتا ہے۔ بوڑھے نے اسے کہا۔ "تم اب چلے جاؤ ورنہ خدا کا قہر تمہیں بھسم کر دے گا۔" — مارکونی نے تینوں کو ساتھ لیا اور یہ کہہ کر اپنے ساتھ واپس لے گیا کہ وہ اپنے آدمیوں کو بھی باہر لائے گا۔ مارکونی کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس سے وہ تینوں ڈر رہے تھے۔ وہ اُس کے ساتھ واپس چل پڑے۔ مارکونی نے راستہ اور اس کے موڑ اچھی طرح دیکھ لیے۔ وہ پھر غار کے دہانے میں داخل ہوئے اور اس میں گزرتے سرسبز دنیا میں پہنچ گئے۔ بوڑھا اُسے اُس جگہ لے گیا جہاں مارکونی کے ساتھی کو آگ پر بھون کر کھایا گیا تھا۔ مارکونی کے ساتھی اُسے ڈھونڈ رہے تھے۔ کئی ایک ننگی لاشیں پڑی تھیں۔ بچوں کو بھی قتل کر دیا گیا تھا۔ بوڑھے نے یہ قتلِ عام شاید پہلے نہیں دیکھا تھا۔ وہ رُک گیا اور بڑے تحمل سے مارکونی سے پوچھا۔ "ان بے گناہوں کو کاٹ کر تم نے کیا پایا؟"

"اور تم ہمارے آدمی کو بھون کر کھا گئے تھے۔" — مارکونی نے پوچھا۔ "اس نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟"

"وہ گناہگار دنیا کا انسان تھا۔" — بوڑھے نے کہا۔ "اس نے ہماری مقدس سلطنت میں آ کر اسے ناپاک کر دیا تھا۔"

"تم لوگ یہاں کیوں رہتے ہو؟" — مارکونی نے پوچھا۔ "فرعون رمسیس دوم کا مدفن کہاں ہے؟"

"میں ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دوں گا۔" — بوڑھے نے جواب دیا۔

مارکونی نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان کی عورتوں کو لے آؤ۔ اس نے غار سے پہلے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ کسی عورت کو قتل نہ کریں، اور نہ چھیڑیں۔ انہیں یرغمال کے طور پر پکڑ لیں۔ مارکونی کے ساتھی دس گیارہ عورتوں کو سامنے لے آئے۔ ان میں دو تین بوڑھی ہاتی جوان، نوجوان اور دو تین کمسن بچیاں تھیں۔ وہ مادر زاد ننگی تھیں۔ اُن کے رنگ گندمی اور سانولے تھے۔ شکل و صورت بھی سب کی اچھی تھی۔ ان کے بال لٹک گئے ہوئے تھے اور اُن میں چمک تھی۔

"کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری عورتوں کو تمہارے سامنے بے عزت کر کے انہیں قتل کر دیا جائے؟" — مارکونی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"کیا تم اس سے پہلے مجھے قتل نہیں کر دو گے؟" — بوڑھے نے پوچھا۔

"نہیں!" — مارکونی نے جواب دیا۔

"سنو گناہگار دنیا کے انسان!" — بوڑھے نے کہا — "تمہاری عورتیں کپڑوں میں ڈھکی رہتی ہیں۔ تم انہیں پردوں میں چھپا چھپا کر رکھتے ہو مگر وہ بے حیائی سے باز نہیں آتیں۔ تم عورت کی خاطر سلطنتیں قربان کر دیتے ہو۔ عورت کو نچانے ہو اور انہیں گناہوں کا ذریعہ بناتے ہو۔ ہماری عورتیں ننگی رہتی ہیں مگر بے حیائی نہیں کرتیں۔ کوئی مرد کسی دوسرے مرد کی عورت کو اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے تم نے میری دنیا کی عورتوں کو دیکھا ہے۔ میں تو تمہاری نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم خدائے مقدس رمسیس کے خزانے لوٹ لو میری بیٹیوں کی عزت پر ہاتھ نہ ڈالنا۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم مجھے ان پہاڑوں کا بھید بتا دو۔" — مارکونی نے کہا — "میں تمہاری عزت تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"ڈاکو کے وعدے پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔" — بوڑھے کے ہونٹوں پر طنز کی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس نے کہا — "جس آدمی کے دل میں دولت کا لالچ ہوتا ہے، اُس کی آنکھ میں غیرت نہیں ہوتی۔ اس زبان پر وعدے آتے ہیں اور اسی زبان سے ٹوٹ بھی جاتے ہیں۔ تم اُس دنیا کے انسان ہو جہاں دولت پر اپنی بیٹیاں قربان کی جاتی ہیں اور سنو میرے اجنبی دوست! تم مصری نہیں ہو۔ تمہاری آنکھوں میں سمندر کی چمک ہے۔ نیل کے پانی کی نہیں۔ تمہارے جسم سے مجھے سمندر پار کی بُو آتی ہے۔"

"میں رمسیس کے مدفن کی تلاش میں آیا ہوں۔" — مارکونی نے اُسے غصے سے کہا۔ "مجھے وہ مدفن بتا دو۔"

"میں بتا دوں گا۔" — بوڑھے نے کہا — "اس سے پہلے میں تمہیں یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مدفن کے اندر جا کر تم زندہ باہر نہیں آ سکو گے۔"

"کیا تمہارے آدمی اندر چھپے ہوئے ہیں جو مجھے قتل کر دیں گے؟"

"نہیں!" — بوڑھے نے جواب دیا — "تمہیں قتل کرنے کے لیے میرے پاس کوئی آدمی نہیں رہا۔

تمہارے اپنے آدمی تمہیں قتل کریں گے۔ تمہاری لاش یہاں سے کوئی نہیں لے جائے گا۔"

"تم غیب دان ہو؟" مارکونی نے پوچھا۔ "آنے والے وقت کی خبر دے سکتے ہو؟"

"نہیں!" بوڑھے نے جواب دیا۔ "میں نے گزرا ہوا وقت دیکھا ہے۔ جس نے گزرے ہوئے وقت کو عقل اور دل کی نظر سے دیکھا ہو وہ آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے۔ موت تمہاری آنکھوں میں آکر بیٹھ گئی ہے۔"

مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "تم جنگلی ہو بڈھے! مجھے بتاؤ وہ مدفن کہاں ہے جس کی تلاش میں میں اتنی دور سے آیا ہوں؟"

"تمہارے سامنے ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "وہ اوپر۔ آؤ۔"

مارکونی نے کچھ سوچا اور اپنے آدمیوں سے کہا۔ "ان عورتوں کو عزت سے رکھو۔ اس بوڑھے کے ساتھ گپ شپ لگاتے رہو اور اس کے ان دونوں آدمیوں کو بھی کچھ نہ کہنا۔ ان کے ساتھ دوستی پیدا کرلو۔ میں قندومی اور اسماعیل کو لینے جا رہا ہوں۔"

وہ اُسی راستے پر چل پڑا جو سُرنگ میں سے گزر کر باہر جاتا تھا۔

☆

مارکونی اس راستے سے باہر نکل گیا جو اُسے بوڑھے نے دکھایا تھا۔ اُسے اس سمت کا اندازہ تھا جدھر سے وہ اس ہولناک علاقے میں داخل ہوا تھا۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اُس نے کم و بیش دو میل سفر طے کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ اُس مقام پر پہنچ گیا ہے جہاں سے وہ اپنے گروہ کے ساتھ اندر گیا تھا۔ وہ اپنے خیمے تک گیا۔ اُس نے اسماعیل اور قندومی کو ایک ہی خیمے میں اکٹھے بیٹھے دیکھا۔ اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ حکم کے لہجے میں اسماعیل سے کہا۔ "میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی حیثیت میں رہنا۔ اس کے پاس بیٹھے تم کیا کر رہے ہو؟"

"کیا میں اس ویرانے میں اکیلی بیٹھی رہتی؟" قندومی نے کہا۔ "میں نے خود اسے اپنے پاس بلایا ہے۔"

"تمہیں میں اپنے ساتھ صرف اور صرف اپنے لیے لایا ہوں۔" مارکونی نے غصّے سے کہا۔ "میں تمہیں اپنی اُجرت دے رہا ہوں۔ میں تمہیں کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے گھر میں اپنے پاس سو آدمیوں کو بلاؤ۔ یہاں تم میری لونڈی ہو۔"

گذشتہ رات اسماعیل نے اُس پر خلوصِ دل سے ایسا تاثر طاری کر دیا تھا کہ اُس کے دل میں مارکونی کے خلاف شک اور ناپسندیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اُسے وہ اب اپنا ایک گاہک سمجھنے لگی تھی۔ اب مارکونی نے اُسے اپنی لونڈی کہہ دیا تو اُس کے دل میں مارکونی کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ اُس نے اچھے اور بُرے انسان میں فرق دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ اسماعیل نے اُسے بالکل نہیں کہا تھا کہ وہ اچھا آدمی ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ کرائے کا گناہگار اور اُجرت لے کر قتل کرنے والا آدمی ہے۔ قندومی مارکونی کو دھتکار نہیں سکتی تھی کیونکہ وہ اپنی طے کی ہوئی اُجرت پر آئی تھی جو وہ وصول کر کے گھر رکھ آئی تھی۔ آگے خزانے کے کچھ حصّے کا وعدہ تھا جو مشکوک نظر آتا تھا۔ اُس نے برداشت نہ کیا کہ مارکونی اسماعیل کے ساتھ بدتمیزی سے بات کرے۔

اسماعیل مارکونی کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے مارکونی کو بازو سے پکڑا اور اپنا چہرہ اُس کے چہرے کے قریب لے جا کر دھیمی سی آواز میں کہا۔ "احمر درویش نے تمہیں شاید میرے متعلق کچھ بھی نہیں بتایا۔ میرے متعلق تم کچھ بھی نہیں جانتے۔ میں تمہیں ابھی طرح جانتا ہوں۔ تم میرے ملک اور میری قوم کی جڑیں کاٹنے آئے ہو۔ میں اتنا بڑا گناہگار ہوں کہ کرائے پر تمہارا ساتھ دے رہا ہوں۔ میں تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اپنی پوری اُجرت لوں گا اور اگر خزانہ برآمد ہو گیا تو اپنا حصّہ الگ وصول کروں گا۔"

"تم ایسی باتیں احمر درویش کے ساتھ کرنا۔" مارکونی نے اسے کمانڈروں کی طرح کہا۔ "یہاں تم میرے ماتحت ہو۔ خزانہ جو نکلے گا وہ میری تحویل میں ہوگا۔ میں اسے جہاں چاہوں لے جاؤں۔"

"سنو سلیمان سکندر!" اسماعیل نے پہلے کی طرح دھیمی آواز اور ہلکے سے تبسم سے کہا۔ "میں بلتانہیں تم مارکونی ہو سلیمان سکندر نہیں ہو۔ میں ایک عادی مجرم ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہاری باتیں مجھے مجرم سے مصری مسلمان بنا دیں گی اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مسلمان قومی جذبے کا اتنا مارا ہوتا ہے، کہ اگر مسلمان کی لاش میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو لاش بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ مجھے مجرم رہنے دو۔"

مارکونی نے محسوس کر لیا کہ یہ شخص بہت گہرا ہے اور چیتا بھی، اس لیے اس سے اس وقت پرخاش مول لینی اچھی نہیں۔ اُس نے اسماعیل کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اور دوستوں کی طرح مسکرا کر کہا۔ "تم بلاوجہ کسی غلط فہمی میں پڑ گئے ہو۔ میں دراصل یہ نہیں چاہتا کہ یہ طوائف تمہارے یا میرے دماغ پر سوار ہو جائے۔ یہ بہت چالاک عورت ہے۔ یہ ہم دونوں میں غلط فہمی پیدا کر کے خزانے پر ہاتھ مارنا چاہتی ہے۔ مجھے اپنا دشمن نہ سمجھو۔ احمر درویش نے تمہیں بتایا نہیں کہ اُس نے تمہارے متعلق کیا سوچ رکھا ہے؟"

"کیا تمہیں اُمید ہے کہ خزانہ مل جائے گا؟"

"مل گیا ہے۔" مارکونی نے جواب دیا۔ "میں تم دونوں کو لینے آیا ہوں۔"

اسماعیل اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ قندومی بھی اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار بڑے نمایاں تھے۔ مارکونی نے اُس آدمی کو آواز دی جسے وہ اونٹوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ گیا تھا۔ اُسے کہا کہ وہ اونٹوں کو ایک دوسرے کے پیچھے باندھ کر لے آئے۔ خیمے بھی لپیٹ لیے گئے۔

☆

مارکونی انہیں وہاں لے گیا جہاں اُس کے دوسرے آدمی تھے اور جہاں فرعون رمسیس کا خفیہ مدفن تھا۔ قندومی نے ایسی سرسبز جگہ دیکھی تو بہت حیران ہوئی۔ ایک اونچی پہاڑی کے دامن میں ننھی سی جھیل تھی۔ پہاڑی کے نیچے سے پانی پھوٹتا تھا۔ یہ قدرت کا کرشمہ تھا۔ مارکونی ننگے ٹیلے کے بڑے سردار کے پاس چلا گیا۔ اُسے مدفن کا سراغ لگانا تھا۔ قندومی اسماعیل کے ساتھ اِدھر اُدھر گھومنے لگی۔ اُسے ایک چھوٹے سے بچّے کی لاش پڑی دکھائی دی۔ بچہ ننگا تھا اور اُس کا جسم خون میں نہایا ہوا تھا۔ قندومی خوف سے کانپنے لگی۔ کچھ اور آگے گئے تو دو لاشیں اکٹھی پڑی تھیں۔ یہ بڑی عمر کے آدمیوں کی تھیں۔ دونوں میں تیر پیوست تھے اور جب وہ اسماعیل کے ساتھ

فرخ جگہ گئی جہاں مارکونی کے آدمی اوپر سے اترے تھے۔ وہاں اُسے کئی اور لاشیں نظر آئیں۔ ان میں پانچ چھ لاشیں بچوں کی تھیں۔ تمام لاشوں کے منہ اور آنکھیں کھلی ہوئیں اور چہروں پر اذیت اور کرب کے بھیانک تاثرات تھے۔ تندومی کسی بڑے ہی حسین دنیا کی عورت تھی۔ اُس نے ایسا ہیبت ناک منظر کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک بہت ہی چھوٹے سے بچے کی لاش دیکھ کر اُس کی چیخ نکل گئی۔

مارکونی کے تین چار آدمی چیخ سُن کر دوڑے آئے۔ تندومی کو چکر آگیا تھا اور اسماعیل نے اُسے تھام لیا تھا۔ مارکونی کے آدمیوں کو بتایا گیا کہ وہ لاشیں دیکھ کر ڈر گئی ہے۔ ایک آدمی اُس کے لیے پانی لینے کو دوڑا۔ تندومی جلدی سنبھل گئی۔ اُس نے پوچھا کہ یہ مرنے والے کون تھے اور انہیں کیوں ہلاک کیا گیا ہے۔ اسماعیل کو معلوم نہیں تھا.... مارکونی کے ایک آدمی نے اُسے بتایا کہ یہ کون تھے اور انہیں کیوں قتل کیا گیا ہے۔ تندومی نے اسماعیل کی طرف دیکھا۔ اُس کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اسماعیل نے کہا — "ہم سے یہ لوگ اچھے تھے جو اس خزانے کی رکھوالی کر رہے تھے۔ یہ ننگے آدم خور دیانت دار تھے جنہوں نے جان دے دی، خزانے کا بھید نہ بتایا۔ اگر یہ فرعون کا مدفن اکھاڑ کر مال و دولت نکال لے جاتے تو انہیں کون پکڑ سکتا تھا، مگر یہ دیانت دار تھے۔ ہم ڈاکو اور قاتل ہیں جو اپنے آپ کو مہذب سمجھتے ہیں۔ یہ مارکونی کی کارستانی ہے۔"

"میں اس خزانے میں سے کچھ بھی نہیں لوں گی جس کی خاطر ان معصوم بچوں اور بے گناہ آدمیوں کو اس بیدردی سے قتل کیا گیا ہے" — تندومی نے کہا — "ان کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آتا۔ یہ نہتے تھے۔"

اُس وقت مارکونی بوڑھے کے ساتھ ایک چٹان کے پیچھے گیا ہوا تھا۔ بوڑھے نے اُسے کہا "اوپر چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک بہت بڑا پتھر جو یہیں سے نظر آرہا ہے۔ اسے تم چٹان ہی سمجھ رہے ہو۔ اگر اُسے وہاں سے ہٹا سکو تو تمہیں اُس دنیا کا دروازہ نظر آئے گا جس میں رمیسیس دوم کا تابوت اور اُس کا خزانہ رکھا ہے۔ اس چٹان کو اُس وقت سے کسی نے نہیں ہلایا جب سے یہ یہاں رکھی گئی ہے۔ پندرہ صدیوں سے اس چٹان کو کسی نے چھُوا بھی نہیں۔ ہم پندرہ صدیوں سے اس کی رکھوالی کر رہے ہیں۔ میں تمہیں رمیسیس کی موت کے واقعات اس طرح سنا سکتا ہوں جیسے وہ کل میرے سامنے مرا ہو۔ یہ مجھے باپ اور دادا نے سنائے تھے۔ دادا کو اس کے باپ اور دادا نے سنائے تھے اور اس طرح پندرہ صدیوں کی باتیں میرے سینے میں آئیں جو میں نے اپنے قبیلے کو سنا دی ہیں؟

"میں یہ باتیں بعد میں سنوں گا" — مارکونی نے بے تاب ہو کر کہا اور وہ چٹان پر چڑھ گیا۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اوپر کی فرضی چٹان الگ ہے یا الگ کی جا سکتی ہے۔ اُس نے اِدھر اُدھر سے دیکھنے کی کوشش کی مگر اُسے کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی جس سے یہ چٹان الگ معلوم ہوتی۔ وہ نیچے اُتر آیا۔

"میں جانتا ہوں تم یقین نہیں کرو گے کہ اس چٹان کے دو حصے ہیں" — بوڑھے نے کہا — "اوپر کا حصہ جو پیچھے پہاڑ کے ساتھ ملا ہوا ہے، پہاڑ اور چٹان کا حصہ معلوم ہوتا ہے لیکن ایسا نہیں۔ یہ انسانی ہاتھوں کا کمال ہے۔ اس کی ساخت قدرتی لگتی ہے لیکن یہ انسانوں کی کاریگری ہے۔ رمیسیس نے یہ اپنی نگرانی میں

بنوایا تھا۔ اس کے نیچے اور پہاڑ کے سینے میں جو دنیا آباد ہے وہ رمیسیس نے اپنی زندگی میں تیار کرائی تھی، اور اسے باہر کی دنیا کے انسانوں سے تا قیامت چھپائے رکھنے کے لیے اُس نے یہ چٹان بنوائی، رکھوا کر دیکھی اور اُن آدمیوں کو قید میں ڈال دیا تھا جنہوں نے اُس کا مدفن اور چٹان تیار کی تھی۔ وہ مرا تو اس کا تابوت یہاں لایا گیا۔ اُس کا ضرورت کا سامان اندر رکھا گیا۔ کاریگروں کو قید سے نکال کر اوپر چٹان رکھوائی گئی اور ان تمام آدمیوں کو قتل کر دیا گیا۔ بارہ آدمیوں کو یہاں غاروں میں آباد کیا گیا۔ انہیں منہ کی بارہ خوبصورت عورتیں دی گئیں۔ انہیں غاروں میں رہنے کو کہا گیا۔ ان کے ذمے اس جگہ کی رکھوالی تھی۔ آج تم نے جنہیں قتل کر دیا ہے اور میں جو زندہ ہوں انہی بارہ آدمیوں اور بارہ عورتوں کی نسل سے ہیں۔"

"اس چٹان کو ہم وہاں سے ہٹا کس طرح سکتے ہیں؟" — مارکونی نے پوچھا۔

"تمہاری آنکھیں کہاں ہیں؟" — بوڑھے نے پوچھا — "تمہاری عقل کہاں ہے؟" — اور اس نے کہا — "چٹان کی چوٹی دیکھو۔ کیا تم اس کے ساتھ رسّے نہیں باندھ سکتے؟ اگر تمہارے آدمیوں میں طاقت ہے تو مل کر رسّے کو کھینچیں تو چٹان نیچے آسکتی ہے۔"

مارکونی مدفن کو بہت جلد بے نقاب کرنے کے لیے بیتاب تھا۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو بلایا، رسّے منگوائے اور دو رسّے اوپر والی چٹان کی ابھری ہوئی چوٹی کے ساتھ بندھوا دیے۔ اُس نے تمام آدمیوں سے کہا کہ نیچے سے رسّہ پوری طاقت سے کھینچیں۔ وہ خود اُوپر چلا گیا۔ نیچے سے جب سب نے زور لگایا تو اُس نے دیکھا کہ بڑی چٹان ہل رہی تھی۔ ایک بار یہ اتنی زیادہ ہل گئی کہ اُسے اس کے نیچے خلا نظر آگیا۔ اُس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اُس نے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ اس کے آدمیوں نے اور زور لگایا تو چٹان سرک گئی۔ مارکونی نے اپنے آدمیوں کو ذرا آرام کرنے کو کہا۔ سورج سیاہ پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تھا۔ مارکونی کے پاس شراب کا ذخیرہ تھا۔ اُس نے شراب کا مشکیزہ منگوا کر کہا پیو اور اس چٹان کو کنکر کی طرح نیچے پھینک دو۔

سب شراب پر ٹوٹ پڑے۔ مارکونی نے پُرجوش لہجے میں کہا — "میں آج رات تمہیں روداد نٹ بھون کر کھلاؤں گا" — تھوڑی دیر بعد شراب نے سب کی تھکن دُور کر دی اور ان میں نئی تازگی آگئی۔ اتنے میں سورج افق سے بھی نیچے چلا گیا تھا۔ مشعلیں جلا کر رکھ لی گئیں اور سب نے ایک بار پھر زور لگانا شروع کیا۔ مارکونی اُوپر کھڑا تھا۔ اسے مشعلوں کی ناچتی روشنی میں چٹان کا بالائی حصہ آگے کو جھکتا اور کچھ سرکتا نظر آیا۔ اُس نے اور زیادہ جوش سے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ اچانک چٹان مہیب آواز کے ساتھ سرک گئی اور الٹ کر نیچے کو لڑھک گئی۔ جہاں مارکونی کے آدمی تھے وہ جگہ تنگ تھی۔ اُن کے پیچھے بھی ایک پتھریلی ٹیکری تھی۔ اُوپر سے چٹان اتنی تیزی سے آئی کہ نیچے سے آدمی بھاگ نہ سکے۔ روشنی بھی کم تھی۔ پہاڑوں اور چٹانوں میں گھری ہوئی یہ دنیا بیک وقت کئی ایک چیخوں سے لرز اٹھی اور سکوت طاری ہو گیا۔ مارکونی دوڑتا نیچے آیا۔ ایک مشعل اٹھا کر دیکھا۔ گری ہوئی چٹان کے نیچے سے خون بہ رہا تھا۔ کسی کا ہاتھ نظر آرہا تھا، کسی کی ٹانگ اور کسی کا سر، اور کچھ ایسے بھی تھے جو درمیان میں نیچے آگئے تھے۔

مارکونی کو کسی کے دوڑنے کی آہٹیں سنائی دیں۔ شاید کوئی بچ بھی گئے تھے۔ وہ بھاگ گئے تھے۔ اُس نے نیکری پر دیکھا۔ وہاں چار انسان کھڑے تھے۔ ایک بوڑھا تھا۔ دوسرا اسماعیل، تیسرا مارکونی کا ایک ساتھی جو ہانپ رہا تھا۔ وہ بھاگا نہیں تھا اور چوتھا انسان قدومی تھی جو سراپا خوف بنی کھڑی تھی۔ مارکونی آہستہ آہستہ ٹیکری پر آیا۔ اس نے چاروں کو باری باری دیکھا۔ سب خاموش تھے۔ سب سے پہلے بوڑھا بولا۔ اس نے کہا "میں نے تمہیں خبردار کر دیا تھا کہ مجھے تمہاری آنکھوں میں موت نظر آ رہی ہے۔ میں نے اپنے فرض کو نظر انداز کر کے تمہیں یہ بھید بتا دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ موت کا بھید ہے اور موت میرا فرض پورا کر دے گی.... کیا تم واپس چلے جاؤ گے؟"

"نہیں!" مارکونی نے آہستہ سے کہا "میرے یہ ساتھی میرے ساتھ ہیں۔ یہ میرا ساتھ دیں گے"

اُس نے ان سے پوچھا "معلوم ہوتا ہے کوئی زندہ نکل گئے ہیں۔ کون کون بھاگا ہے؟"

بوڑھے نے کہا "تمہارے چار آدمی میرے دو آدمیوں کے ساتھ بھاگ گئے ہیں۔ میرے آدمی انہیں باہر کا راستہ نہیں بتائیں گے۔ انہیں اب اندر ہی بھٹک بھٹک کر مرنا ہے۔ بہتر ہوتا کہ وہ چٹان کے نیچے آ کر مر جاتے۔ یہ موت آسان تھی۔ آج رات کے لیے یہ کام بند کر دو۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا"

☆

مارکونی پر اس حادثے کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اُس نے بوڑھے کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ اسماعیل نے بوڑھے کو ایک چادر دی جو اُس نے اپنے اوپر ڈال لی۔ قدومی پر خاموشی طاری تھی۔ وہ اُن عورتوں کو بھی دیکھ چکی تھی جنہیں مارکونی نے یرغمال بنا کے رکھا ہوا تھا۔ وہ اب کسی اور جگہ تھیں۔

"تم میرے ایک آدمی کو کھا گئے تھے" مارکونی نے کہا "اس سے پہلے تم نے کتنے انسان کھائے ہیں؟"

"جتنے ہاتھ لگ سکے" بوڑھے نے جواب دیا "میں بتا نہیں سکتا کہ ہماری نسل میں انسانی گوشت کب داخل ہوا۔ جو تاریخ میرے کانوں میں ڈالی گئی ہے اس میں پندرہ صدیوں پرانی ایک پیشن گوئی شامل ہے۔ کسی نے کہا تھا کہ جو لوگ خدائے رمینس کے مدفن کی حفاظت کریں گے انہیں ریگزار اپنی ٹھنڈی آغوش میں رکھے گا۔ انہیں پانی اور سائے سے محروم نہیں ہونے دے گا۔ انہیں دنیا کے لالچ سے آزاد کر دے گا۔ انہیں سونے، چاندی، عورت اور شراب کی خواہش سے آزاد کر دے گا۔ انہیں یہ بھی ضرورت نہیں رہے گی کہ وہ اپنے ستر ڈھانپیں۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت ہو گی۔ ان میں کوئی لالچ نہیں ہو گا۔ لالچ ہی انسان کو قاتل، ڈاکو اور بددیانت بناتا ہے۔ وہ کبھی دولت کا لالچ کرتا ہے اور کبھی عورت کا۔ اس کا دین نہیں رہتا۔ لالچ فساد کی جڑ ہے۔ ہمیں اس لعنت سے آزاد کر دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ رمینس کے محافظ انسان کا گوشت کھائیں گے۔ یہاں سے باہر جایا کریں گے۔ انسان کا شکار کھیلیں گے اور کوئی جانور ملے تو اُسے بھی کھائیں گے۔ اگر نہیں کھائیں گے تو ان کی نسل ختم ہو جائے گی"

"کیا تم آج بھی فرعونوں کو خدا سمجھتے ہو؟" قدومی نے بوڑھے سے پوچھا۔

"انسان بڑی کمزور چیز ہے۔ اپنے خدا بدلتا رہتا ہے" بوڑھے نے کہا "اور کبھی انسان خود ہی خدا بن جاتا ہے۔ اِس وقت تم لوگ میرے خدا ہو کیونکہ میری جان اور میری بچیوں کی عزت جو تمہاری نہیں ہیں تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں نے تم پر یہ راز تمہیں خدا سمجھ کر فاش کر دیا ہے کیونکہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں اور اپنی بچیوں کو بے آبرو کرانے سے ڈرتا ہوں۔ فرعون نے بھی تمہاری طرح اپنے وقت کی عورتوں کی عزتوں پر ہچکچک اور سنگدلی کی چھری رکھ کر کہا تھا کہ میں خدا ہوں۔ انسان نے مجبور ہو کر کہا "ہاں! تم ہی خدا ہو"۔ بھوک اور فلسفہ انسان کو حقیقت سے بہت دور لے جا کر پھینک دیتی ہے۔ اس کے اندر کا انسان مر جاتا ہے۔ جسے حقیقی خدا نے اشرف المخلوقات کہا تھا، اُس کا صرف جسم رہ جاتا ہے جسے پیٹ کی آگ جلاتی ہے تو وہ اس انسان کے آگے سجدے کرنے لگتا ہے جو اُس کے پیٹ کی آگ ٹھنڈی کرتا ہے۔ انسان کی اسی کمزوری نے بادشاہ پیدا کیے۔ ڈاکو اور رہزن پیدا کیے۔ انسان کو حاکم اور محکوم، ظالم اور مظلوم بنایا۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو بھوک نے بدی سے آشنا کیا۔ یہ غلط ہے۔ انسان کو بدکار نہ جواہرات نے بنایا ہے.... تم کون ہو؟ کیا ہو؟" اُس نے قدومی سے پوچھا "ان میں سے کس کی بیوی ہو؟ ان میں سے کسے اپنا آدمی کہہ سکتی ہو؟" بوڑھے کو معلوم ہو چکا تھا کہ قدومی قاہرہ کی زنانہ ہے۔

قدومی اس کے سوال سے پریشان ہو گئی۔ وہ پہلے ہی پریشان تھی۔ بوڑھے کے سوال نے اس کا پسینہ نکال دیا۔ بوڑھے نے اُسے خاموش دیکھ کر کہا "تم اپنے حسین چہرے اور جوانی کی بدولت اپنے آپ کو خدا سمجھتی ہو اور تمہاری خواہش کرنے والے تمہیں خدا کہتے ہیں۔ مجھے جنگلی اور وحشی نہ سمجھو۔ میرے پاس کپڑے ہیں جو میں پہن کر کبھی کبھی قاہرہ جایا کرتا ہوں... تمہاری مہذب دنیا کو دیکھتا ہوں، پھر واپس آ کر کپڑے اتار دیتا ہوں۔ میں نے تمہاری دنیا میں بگھیوں پر شہزادے سیر کرتے دیکھے ہیں۔ تمہاری طرح کی شہزادیاں بھی دیکھی ہیں۔ ناچنے اور گانے والی بھی دیکھی ہیں اور انہیں جو نچاتے ہیں انہیں بھی دیکھا ہے۔ میں نے فرعونوں کے وقتوں کی باتیں سنی ہیں اور آج کے وقت کے فرعون بھی دیکھے ہیں۔ ان سب کا انجام بھی دیکھا ہے۔ تمہارا انجام بھی جو تمہیں ابھی نظر نہیں آ رہا دیکھ رہا ہوں۔ تم نے خزانے کے لالچ میں اتنے بے گناہ انسانوں کا خون کیا۔ اس گناہ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ فرعون بھی نہیں بچ سکے تھے۔ میں صبح تمہیں اندر لے جاؤں گا۔ ان کا انجام دیکھنا۔ وہ خدا نہ ہوتے تو اُن کا یہ انجام نہ ہوتا۔ خدا وہ ہوتا ہے جو انجام تک پہنچایا کرتا ہے، انجام تک پہنچا نہیں کرتا۔ میں نے اُس انسان کو کبھی خدا نہیں مانا جو آج پہاڑی کے نیچے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا پڑا ہے۔ میں اور میرا قبیلہ اس کی حفاظت نہیں کر رہے۔ ہم نے دنیا کے لالچ سے بچنے کے لیے اپنا ایک عقیدہ بنا لیا ہے۔ ہم اس عقیدے کی حفاظت کر رہے ہیں"

بوڑھا ٹھہری ٹھہری آواز میں بولتا جا رہا تھا۔ قدومی اُسے دیکھ رہی تھی اور بوڑھے کی باتوں میں اُسے اپنا انجام نظر آ رہا تھا۔ مارکونی کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔ وہ شراب پی رہا تھا۔ اُس نے بوڑھے سے

کہا — "تم اپنی عورتوں کے پاس چلے جاؤ. صبح جلدی اٹھنا. ہمیں اندر جانا ہے."

بوڑھا چلا گیا تو مارکونی نے قندومی سے کہا — "آؤ. ہم بھی سو جائیں."

"میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی" — قندومی نے کہا.

مارکونی اُس کی طرف لپکا. قندومی پیچھے ہٹ گئی. مارکونی نے اُسے دھمکی دی. اسماعیل اس کے آگے آگیا. اُس نے کچھ نہیں کہا. مارکونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور مارکونی پیچھے ہٹ گیا. وہ جب چلا گیا تو قندومی اسماعیل کے سینے پر سر پھینک کر بچوں کی طرح رونے لگی.

☆

صبح جاگے تو مارکونی نے بوڑھے کو ڈھونڈا. بوڑھا وہاں نہیں تھا. عورتوں کو دیکھا. وہ بھی غائب تھیں. انہیں آوازیں دیں. اِدھر اُدھر دیکھا. اُن میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا. مارکونی کو اب ان کی اتنی ضرورت نہیں تھی. سفر کا بہانہ کھل چکا تھا. بوڑھا اگر وہاں ہوتا بھی تو اُسے معلوم نہیں تھا کہ اندر کیا ہے. مارکونی نے اسماعیل، اپنے ساتھی اور قندومی کو اپنے ساتھ لیا اور وہ سب اُس چٹان پر چڑھ گئے جہاں مدفن کے اندر جانے کا دہانہ تھا. مارکونی نیچے اترا. یہ ایک کشادہ گڑھا تھا، جو سُرنگ بن کر ایک طرف چلا گیا تھا. وہ مشعلیں ساتھ لے گئے تھے جو جلائی گئیں. کچھ دُور آگے جا کر سُرنگ بند ہو گئی. مارکونی نے وہاں الٹی کدال ماری تو ایسی آوازیں آئیں جیسے اس کے پیچھے جگہ کھوکھلی ہے. یہ پتھر کا چوکور دروازہ تھا. اس پر مزہیں لگائی گئیں تو کناروں سے خلا نظر آنے لگے. سلاخوں اور ہتھوڑوں وغیرہ کی مدد سے اس تراشے ہوئے پتھر کو ہلا لیا گیا اور بہت سی محنت اور مشقت کے بعد اس چوکور پتھر نے اس طرح راستہ دے دیا کہ پیچھے کو گرا. اس کے وزن کا یہ عالم تھا کہ اس کے گرنے سے زلزلے کا جھٹکا محسوس ہُوا. اندر سے پندرہ سولہ صدیوں کی بدبو جھکڑ کی طرح باہر آئی. سب پیچھے کو بھاگے اور انہوں نے ناک منہ پر کپڑے لپیٹ لیے. ذرا دیر بعد مشعلوں کے ساتھ اندر گئے. چند قدم آگے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں.

سیڑھیوں پر انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیوں نے پنجر پڑے تھے. ان کے ساتھ برچھیاں اور ڈھالیں بھی تھیں. یہ پہرہ داروں کی ہڈیاں تھیں. انہیں اندر زندہ پہرے پر کھڑا کر کے مدفن کے منہ پر اتنی وزنی سِل جما دی گئی تھی. سیڑھیاں انہیں دُور نیچے لے گئیں. یہ ایک وسیع کمرہ تھا. یہ زمین پتھریلی تھی. کاریگروں نے لمبی مدت صرف کر کے دیواریں اور چھت اس طرح تراشی تھی کہ یہ بیسویں صدی کی عمارت معلوم ہوتی تھی. وہاں ایک بڑی ہی خوشنما کشتی رکھی تھی جس کے بادبان لپٹے ہوئے تھے. کشتی میں بھی انسانی کھوپڑیاں اور ہڈیاں پڑی تھیں. یہ ملاحوں کی تھیں. ایک تاریک راستہ جو کاریگری سے تراشا گیا تھا ایک اور کمرے میں لے گیا. وہاں ایک سجی سجائی گھوڑا گاڑی کھڑی تھی. اس کے آگے آٹھ گھوڑوں کی کھوپڑیاں اور ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں اور بگھی کی اگلی سیٹ پر انسانی ہڈیوں کا ڈھیر تھا. اس کمرے میں کئی اور ہڈیوں کے پنجر تھے. اس سے آگے ایک اور کمرہ تھا، جو صحیح معنوں میں شیش محل تھا. چھت اونچی اور دیواروں پر چتر کاری کی گئی تھی. ایک دیوار کے ساتھ سیڑھیاں اور ان

پر ایک پتھر کی کرسی اور کرسی پر رمسیس کا بُت بیٹھا ہُوا تھا. یہ بھی پتھر کا تھا.

سیڑھیوں پر ہڈیوں کے پنجر اور کھوپڑیاں پڑی تھیں. قندومی نے ایک کھوپڑی کے ساتھ موتیوں کا ایک ہار دیکھا جس کے ساتھ ایک نیلا ہیرا تھا. کانوں میں ڈالنے والے زیورات تھے اور انگوٹھیاں بھی چند اور ڈھانچوں کے ساتھ اُس نے ہار اور زیورات دیکھے. مارکونی نے ایک ہار اٹھایا. ڈیڑھ ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ان موتیوں اور ہیروں کی چمک ماند نہیں پڑی تھی. مشعل کی روشنی سے ہیرے رنگا رنگ شعاعیں دیتے تھے. مارکونی ہار قندومی کے گلے میں ڈالنے لگا تو قندومی چیخ مار کر اسماعیل کے پیچھے ہو گئی. مارکونی نے قہقہہ لگا کر کہا — "میں نے کہا تھا کہ تمہیں ملکہ تلو لپٹرہ بناؤں گا. ڈرو مت قندومی! یہ سب ہار تمہارے ہیں."

"نہیں!" — قندومی نے لرزتی کانپتی آواز میں کہا — "نہیں! میں نے ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں میں اپنا انجام دیکھ لیا ہے. یہی مجھ جیسی تھیں. یہ اُس 'خدا' کی محبوبہ کا ہار ہے جو یہیں کہیں مرا پڑا ہے. میں نے ان کا انجام دیکھ لیا ہے جنہیں تکبر نے 'خدا' بنایا. میں نے اپنا خدا دیکھ لیا ہے" — وہ اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اُس نے اسماعیل کو گھسیٹتے ہوئے کہا — "مجھے یہاں سے لے چلو. مجھے لے چلو یہاں سے. میں ہڈیوں کا پنجر ہوں" — اُس کے گلے میں اپنا ہار تھا. اُس نے یہ ہار اتار کر ہڈیوں پر پٹخ دیا. انگلیوں سے بیش قیمت انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں اور چلّانے لگی — "میں نے اپنا انجام دیکھ لیا ہے. میں نے خدا دیکھ لیا ہے. مجھے یہاں سے لے چلو."

مارکونی ایک اور کمرے میں جا چکا تھا. اسماعیل نے قندومی سے کہا — "ہوش میں آؤ. ہم چلے گئے تو یہ سارا خزانہ یہ دونوں صلیبی اٹھا لے جائیں گے" — اسماعیل کو ایک اور راستہ نظر آگیا. مشعل اُس کے ہاتھ میں تھی. وہ قندومی کو اُس طرف لے گیا اور وہ ایک اور فراخ کمرے میں داخل ہوئے. وسط میں ایک چبوترے پر تابوت رکھا تھا. چہرہ ننگا تھا. یہ تھا فرعون رمسیس دوم جس کے آگے لوگ سجدے کرتے تھے. لاش حنوط کی ہوئی تھی. چہرہ بالکل صحیح تھا. آنکھیں کھلی ہوئی تھیں. اسماعیل اس چہرے کو بہت دیر دیکھتا رہا. قندومی نے بھی دیکھا. پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا. انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وہاں بھی ہڈیوں کے پنجر نظر آئے اور وہیں انہیں بڑے خوشنما بکس بھی دکھائی دیئے. ایک بکس کا ڈھکنا کھلا تھا. انہوں نے دیکھا کہ اس میں سونے کے زیورات اور ہیرے پڑے تھے. ان پر ایک انسانی بازو کی ہڈی اور ایک ہاتھ کی ہڈیاں پھیلی ہوئی تھیں. بکس کے ساتھ کھوپڑی اور باقی ہڈیاں پڑی تھیں.

"آہ انسان!" — اسماعیل نے کہا — "اس شخص نے مرنے سے پہلے یہ زیورات اور ہیرے اٹھانے کی کوشش کی. اسے امید ہو گی کہ یہاں سے نکل بھاگے گا مگر دم گھٹنے سے خزانے کے اوپر مر گیا. بوڑھے نے ٹھیک کہا تھا کہ انسان کی دشمن بھوک نہیں ہوس ہے." اُس نے بکس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا — "قندومی! تم بھی ہوس لے کے آئی ہو. میں تمہیں کچھ دے دوں."

"نہیں اسماعیل!" — قندومی نے اس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا — "میری ہوس مر چکی ہے. قندومی مر چکی ہے."

اسماعیل نے پھر بھی بکس میں ہاتھ ڈالا. قندومی نے چلّا کر کہا — "بچو اسماعیل!"

اسماعیل سنّاد تھا۔ وہ ایک طرف گر کر لڑھک گیا اور اٹھا اُس نے دیکھا کہ مارکونی تلوار سونتے اُس پر حملہ آور ہُوا تھا۔ اُس کی تلوار کا وار مکس پر پڑا۔ مارکونی کی آواز سنائی دی ــــ "یہ خزانہ میرا ہے"۔ اتنے میں مارکونی کا ساتھی بھی آگیا۔ اسماعیل کے پاس خنجر تھا جس سے وہ تلوار کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ قندوی کو قریب ہی ایک برچھی پڑی نظر آگئی۔ مارکونی اسماعیل پر وار کر رہا تھا جو وہ مشعل پر روک رہا تھا۔ مارکونی کے ساتھی نے بھی اسماعیل پر حملہ کیا۔ دونوں صلیبی خزانہ دیکھ کر پاگل ہو چکے تھے۔ قندوی کو انہوں نے نہ دیکھا کہ کیا کر رہی ہے۔ جوں ہی مارکونی کی پیٹھ قندوی کی طرف ہوئی قندوی نے پوری طاقت سے برچھی اُس کے پہلو میں اتار دی۔ برچھی نکال کر ایک اور وار کیا اور اُسے لڑھکا دیا۔ اس کا ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا۔ وہ قندوی پر تلوار کا وار کرنے کو لپکا تو اسماعیل نے خنجر سے اس کے پہلو سے بٹ چیر ڈالا۔

قندوی جو خزانے میں سے حصّہ لینے گئی تھی اپنے گلے کا ہار، بیش قیمت دو انگوٹھیاں اور کانوں کے زیورات وہاں پھینک کر اسماعیل کے ساتھ باہر نکل آئی۔ دہانے والے دروازے سے نکلتے ہوئے اسماعیل نے جلتی ہوئی مشعل اندر ہی پھینک دی۔ وہ دونوں ان اشیا کے علاوہ بہت کچھ اندر ہی پھینک آئے تھے۔ قندوی کو جب باہر کی تازہ ہوا لگی تو اُس نے اسماعیل سے کہا ــــ "ہم کہاں سے آئے ہیں؟ کیا تم مجھے پہچان سکتے ہو؟ میں کون ہوں؟"

"میں بھی کچھ ایسے ہی محسوس کر رہا ہوں"۔ اسماعیل نے کہا: "ہم شاید سارے گناہ اندر ہی پھینک آئے ہیں"۔

اس علاقے سے باہر نکلنے کا راستہ انہیں معلوم تھا۔ وہ باہر نکل گئے۔ باہر تھوڑے سے اونٹ کھڑے تھے باقی معلوم نہیں کہاں غائب ہو گئے تھے۔ وہ دو اونٹوں پر بیٹھے اور قاہرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔

☆

وہ اگلی رات تھی۔ آدھی گزر گئی تھی جب غیاث بلبیس نے قندوی اور اسماعیل کی ساری داستان ہر ایک تفصیل کے ساتھ سُن کر لمبی آہ بھری اور کہا ــــ "مجھے صلاح الدین ایوبی کی باتیں اب صحیح معلوم ہو رہی ہیں۔ اس نے کہا تھا ان خزانوں سے دُور رہو"۔

غیاث بلبیس شہری امور کا کوتوال تھا۔ اسماعیل اور قندوی اُسے اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتے تھے۔ وہ صحرا سے لَوٹ کر احمر دردیش کے پاس جانے کی بجائے غیاث بلبیس کے پاس چلے گئے اور اسے ساری واردات سُنا کر بتایا کہ اس کا اصل سرغنہ احمر دردیش ہے۔ غیاث بلبیس نے اُسی وقت علی بن سفیان کو اپنے پاس بلا لیا۔ اُسے یہ واردات سنائی۔ احمر معمولی حیثیت کا آدمی نہیں تھا۔ ان دونوں نے سلطان ایوبی کو جگایا اور اجازت مانگی کہ وہ احمر دردیش کو گرفتار کر لیں۔ انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے فوج کے کچھ آدمی ساتھ لیے اور احمر دردیش کے گھر چھاپہ مارا۔ سارے گھر کی تلاشی لی۔ وہاں سے وہ نقشے اور کاغذات برآمد ہوئے جو پرانی دستاویزات کے بلندے سے غائب تھے۔

صبح علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کے ساتھ فوج کے ایک بڑے دستے کو اس پُراسرار علاقے کی طرف

بھیجا گیا جہاں رمیلیس کا مدفن تھا۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا تھا کہ ثبوت وغیرہ دیکھ کر مدفن کو اسی طرح بند کر دیا جائے جس طرح پہلے تھا۔ کسی کو اندر نہ جانے دیا جائے۔ اسماعیل راہنمائی کر رہا تھا۔ وہاں گئے تو وہ جگہ خونچکاں کہانی بیان کر رہی تھی۔ فوج کی مدد سے مدفن کے دہانے کو اُسی وزنی چوکور پتھر سے بند کر دیا گیا۔ چٹان جو نیچے پڑی تھی اسے فوج کی ایک بڑی جمعیت نے رسّوں اور زنجیروں سے اوپر کیا اور فرزان ایک بار پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا، مگر اب وہ اپنے پیچھے دو اور گناہگاروں کی لاشیں اپنے مدفن میں لے گیا۔

☆

اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟

صلیبیوں کا سن ۱۱۷۴ء دنیائے اسلام کے لیے اچھا ثابت نہ ہوا۔ یہ مسلمانوں کا سن ۵۶۹ ہجری تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کو علی بن سفیان نے سال کے آغاز میں یہ خبر سنائی کہ مکرہ میں اپنا ایک جاسوس شہید ہو گیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا ہے۔ یہ اطلاع ایک اور جاسوس لایا تھا جو ان دونوں کے ساتھ تھا۔ یہ جاسوس کچھ قیمتی معلومات بھی لایا تھا لیکن ایک جاسوس کی شہادت اور دوسرے کی گرفتاری نے سلطان ایوبی کو پریشان کر دیا۔ علی بن سفیان بھانپ گیا کہ سلطان ایوبی کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گیا ہے۔ فوجی سراغرسانی اور جاسوسی کا یہ ماہر سربراہ جانتا تھا کہ سلطان ایوبی نے سینکڑوں فوجیوں کی شہادت پر بھی کبھی پریشانی اور افسوس کا اظہار نہیں کیا لیکن ایک چھاپہ مار یا کسی ملک میں بھیجے ہوئے ایک جاسوس کی شہادت کی خبر سن کر اس کا چہرہ بجھ جایا کرتا ہے۔

اب ایک جاسوس کی شہادت اور ایک کی گرفتاری کی اطلاع پر علی بن سفیان نے سلطان ایوبی کے چہرے پر رنج کا تاثر دیکھا تو اس نے کہا — "امیرِ محترم! آپ کا چہرہ اداس ہوتا ہے تو لگتا ہے سارا عالمِ اسلام ملول ہو گیا ہے۔ اسلام کی آبرو جانوں کی قربانی مانگتی ہے۔ ایک دن ہم دونوں کو بھی شہید ہونا ہے۔ ہمارے دو جاسوس ضائع ہو گئے ہیں تو میں دو اور بھیج دوں گا۔ یہ سلسلہ رک تو نہیں جائے گا۔"

"یہ سلسلہ رک جانے کا مجھے خدشہ نہیں علی!" سلطان ایوبی نے رنجیدہ سی مسکراہٹ سے کہا — "کسی چھاپہ مار کی شہادت میرے ذہن میں یہ سوچ بیدار کر دیتی ہے کہ ایک یہ سرفروش ہیں جو ہماری نظروں سے اوجھل، وطن سے دور، اپنے بیوی بچوں، بہن بھائیوں اور ماں باپ سے دور دشمن کے ملک میں تن تنہا اپنا فرض ادا کرتے اور جان کی قربانی دیتے ہیں، اور ایک یہ ایمان فروش ہیں جو گھروں میں بادشاہوں کی طرح رہتے، عیش و عشرت کرتے اور اسلام کی جڑیں کاٹنے میں اپنے دشمن کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔"

"کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ سالاروں، نائب سالاروں اور تمام کمانداروں کو باقاعدہ وعظ دیئے جایا کریں؟" علی بن سفیان نے کہا۔ "آپ انہیں مہینے میں ایک بار اسلام کی عظمت اور صلیبیوں کے عزائم کے متعلق وعظ دیا کریں۔ میرا خیال ہے کہ جن کا رجحان دشمن پرستی کی طرف ہے انہیں بتایا جائے کہ ان کا دشمن کون ہے اور کیا ہے تو وہ اپنے خیالات میں تبدیلی پیدا کر لیں گے۔"

"نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا — "جب انسان ایمان بیچنے پر آتا ہے تو اس کے آگے قرآن رکھ دو تو وہ اس مقدس کتاب کو اٹھا کر ایک طرف رکھ دے گا۔ ایک طرف صرف الفاظ ہوں اور دوسری طرف دولت،

معلوم کرنے کے لیے تیار کیا گیا تھا، اس لیے انہیں عیسائیت کے متعلق، گرجوں کے اندر کے آداب اور طور فرقیوں کے متعلق نہ صرف معلومات دی گئیں بلکہ یہ رسل بھی کرائی گئی تھی۔ عمران نے اس رہبر رسل کو ایسی خوبی سے عملی شکل دی کہ بڑا پادری اور اُس کے چیلے چانٹے اس سے بہت متاثر ہوئے اور اسے گرجے میں رکھ لیا۔ عمران نے پادری کی خدمت ایسے والہانہ انداز سے شروع کر دی کہ وہ پادری کا خصوصی ملازم بن گیا۔ چونکہ وہ ذہین بھی تھا اس لیے اُس نے پادری کے دل پر قبضہ کر لیا۔ پادری نے تسلیم کر لیا کہ یہ شخص غیر معمولی طور پر ذہین ہے لیکن اس پر مذہب کا جنون اتنی شدت سے طاری ہو گیا ہے کہ اس کی ذہانت بیکار ہو رہی ہے۔ پادری نے اس کی تعلیم و تربیت شروع کر دی۔

☆

عمران کا ایک ساتھی ایک عیسائی تاجر کے پاس گیا اور بتایا کہ وہ کرک سے بھاگا ہوا عیسائی ہے جہاں اس کا سارا خاندان مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اُس نے اپنی داستانِ غم ایسے جذباتی انداز سے سنائی کہ تاجر نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا۔ وہ رحیم ہنگورہ نام کا سوڈانی مسلمان تھا۔ عمران کی طرح ذہین، دلیر اور خوبرو۔ اُس نے اس تاجر کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ اُس نے چند دن غور کر کے دیکھا تھا کہ وہاں صلیبی فوج کے افسر آتے ہیں اور فوج کے لیے سامان خریدتے ہیں۔ ٹریننگ اور اپنی عقل کے زور پر وہ تاجر کا قابلِ اعتماد ملازم بن گیا۔ چند دنوں بعد تاجر نے اُسے گھر کے کام بھی دینے شروع کر دیئے۔ رحیم نے ایلی مور کے عیسائی نام سے تاجر کے گھر والوں پر بھی اپنا اثر قائم کر لیا۔ اس کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے تاجر کی بیوی، اُس کی جوان بیٹی اور بیٹے کو ایسے انداز سے اپنی تباہی کی کہانی سنائی تھی کہ ان سب کے آنسو نکل آئے تھے۔ اُس نے انہیں بتایا کہ اس کا مکان انہی کے مکان جیسا تھا۔ ایسی ہی سجاوٹ تھی۔ ایسا ہی سامان تھا۔ اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا تھا۔ تاجر کی بیٹی جیسی خوبصورت جوان بہن تھی۔ اُس کے گھر میں حاجت مندوں کو نوکر رکھا جاتا اور بھوکوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اب خدا نے یہ دن دکھایا ہے کہ میں نوکری کر رہا ہوں۔

تاجر کی بیٹی ایلس اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہوئی۔ وہ رحیم سے اس کی بہن کے متعلق ہی پوچھتی رہی۔ رحیم نے کہا۔ "وہ بالکل تمہاری طرح تھی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے بہن اور زیادہ یاد آنے لگی ہے۔ اگر وہ مر جاتی تو اتنا غم نہ ہوتا۔ غم یہ ہے کہ مسلمان اُسے اٹھا لے گئے ہیں۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ اُس کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ مجھے اب یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ اُسے مسلمانوں سے کس طرح رہائی دلاؤں۔ کبھی دل میں زیادہ ابال اٹھا تو شاید میں پاگلوں کی طرح وہیں جا پہنچوں جہاں بہن کو چھوڑ آیا ہوں۔ بہن تو نہیں ملے گی مجھے موت مل جائے گی۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

ماں بیٹی نے ضرور سوچا ہوگا کہ اتنا خوبرو جوان جوانی کی عمر میں ہی غم میں گھلنے لگا ہے اور اس کی جذباتی حالت بتا رہی ہے کہ اس کا غم ہلکا نہ کیا گیا تو یہ پاگل ہو جائے گا یا خودکشی کر لے گا۔ ایلس جو تاجر کی جوان اور غیر شادی شدہ بیٹی تھی رحیم کے درد کو اپنے دل میں محسوس کرنے لگی۔ یہاں تک کہ رحیم جب باہر نکلا تو ایلس نے کسی بہانے باہر جا کر رحیم کو راستے میں روک لیا اور کہا کہ وہ اُن کے گھر آتا رہا کرے۔ اُس نے رحیم سے کچھ جذباتی باتیں

کر کے اُس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ ماں بیٹی نے تاجر سے بھی کہا کہ اس آدمی کا خیال رکھے۔ دراصل رحیم کی شکل و صورت اور ڈیل ڈول ایسی تھی کہ وہ کسی اونچے اور کھاتے پیتے خاندان کا دکھائی دیتا تھا۔ اس تاثر میں اگر کچھ کسر تھی تو وہ اس کی زبان اور اداکاری سے پوری ہو جاتی تھی جس کی اُسے ٹریننگ دی گئی تھی۔

تین چار روز بعد وہ تاجر کے پاس بیٹھا تھا کہ اُسے اپنا ایک ساتھی جاسوس رضا الجاوہ نظر آیا۔ رحیم اس کے پیچھے پیچھے گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے اس سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ اُسے کوئی ٹھکانہ نہیں ملا۔ رضا شہسوار تھا اور گھوڑے پالنے اور سنبھالنے کی مہارت رکھتا تھا۔ رحیم اُسے تاجر کے پاس لے آیا اور اس کا تعارف فرانسس کے نام سے کرایا کہ یہ بھی ترک کا نسلی عیسائی ہے۔ اسے کہیں نوکر کرا دیا جائے۔ رحیم نے کہا کہ یہ گھوڑوں کے سائیسوں کا انچارج تھا۔ یہی کام کر سکتا ہے۔ تاجر نے کہا کہ اس کے پاس بڑے بڑے فوجی افسر آتے رہتے ہیں۔ ان کی وساطت سے وہ فرانسس کو ملازمت دلا دے گا۔۔۔۔ دو تین روز بعد رضا کو اُس اصطبل میں ملازمت مل گئی جہاں فوج کے بڑے افسروں کے گھوڑے رہتے تھے۔

تاجر کے پاس فوج کے افسر آتے رہتے اور رحیم ان کے پاس جاتا رہتا تھا۔ رحیم نے دیکھا کہ تاجر ان افسروں کو شراب اور خشک کے علاوہ چوری چھپے عورتیں بھی دیا کرتا تھا۔ اس طرح اس نے ان سب کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا۔ رحیم تاجر کو صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کے خلاف بھڑکاتا رہتا اور اس خواہش کا اظہار کرتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج پورے عرب اور مصر پر قابض ہو جائے اور کوئی مسلمان زندہ نہ رہے۔ اس خواہش میں وہ جس جذبات اتنا بے تاب اور بے قابو نظر آتا تھا جیسے مکہ کے مسلمانوں کا خون پی جائے گا۔ تاجر اُسے تسلی دیتا رہتا تھا کہ صلیبی فوج اس کی خواہش پوری کر دے گی۔ وہ صلیبی فوج کے ان افسروں کو بھی برا بھلا کہنے لگتا تھا جو مکہ میں بیٹھے عیش کر رہے تھے۔ ان جذباتی باتوں کے ساتھ ساتھ رحیم شطرنج کی باتیں بھی کرتا تھا اور مسلمانوں کو شکست دینے کے بے ایسے جنگی نقشے اور منصوبے بناتا تھا کہ تاجر اُسے غیر معمولی طور پر دانش مند سمجھتا تھا۔ ایسے ہی جذبات اور دانشمندانہ باتوں کا نتیجہ تھا کہ تاجر نے اُسے وہ فوجی راز دینے شروع کر دیئے جو اُسے فوجی افسروں سے حاصل ہوتے تھے۔

اس کے ساتھ ہی ایلس رحیم کی گرویدہ ہو گئی۔ رحیم نے ابتدا میں اُسے بھی اپنے فرض کی ایک کڑی سمجھا لیکن ایلس کے والہانہ پن نے رحیم کے دل میں اُس کی محبت پیدا کر دی۔ رحیم نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنا فرض پورا کر کے وہ ایلس کو اپنے ساتھ قاہرہ لے جائے گا اور اُسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرے گا۔ مگر ابھی دونوں کو معلوم نہیں تھا کہ صلیبی فوج کا ایک بڑا افسر اس لڑکی پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

رضا الجاوہ بھی تربیت یافتہ جاسوس تھا۔ اصطبل میں اُسے فوج کے کسی بڑے افسر کا گھوڑا مل گیا تھا۔ اس افسر نے محسوس کیا کہ رضا عام قسم کا سائیس نہیں بلکہ عقل و دانش بھی رکھتا ہے۔ وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا۔ جب کبھی یہ افسر اصطبل میں آتا تو رضا اس سے پوچھتا۔ "صلاح الدین ایوبی کو آپ کب شکست دے رہے ہیں؟" اور پھر وہ بتاتا کہ سلطان ایوبی کی فوج میں کیا خوبیاں اور صلیبی فوج میں کیا خامیاں ہیں۔ ایک روز اُس نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو اگر کوئی جنگی امور کا ماہر نہ کہے تو کم از کم ایک سائیس کے دماغ میں نہیں آ سکتی۔ اس افسر نے اُسے کہا۔

"تم کون ہو؟ تمہارا پیشہ سائیس نہیں ہوسکتا۔"

"آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میرا پیشہ سائیس ہے؟" رضا نے کہا۔ "میں کرک میں گھوڑوں کا مالک تھا۔ میں خود تو فوج میں نہیں تھا میرے دو گھوڑے جنگ میں گئے تھے۔ یہ تو زمانے کے انقلاب ہیں کہ گھوڑوں کا مالک آج اصطبل میں سائیس ہے۔ مجھے اس کا کوئی غم نہیں۔ اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے دیں تو میں باقی عمر آپ کے جوتے صاف کرتے گزار دوں گا۔"

"صلاح الدین ایوبی کی قسمت میں شکست لکھ دی گئی ہے فرانسس!" اس نے رضا سے کہا۔

"لیکن کیسے؟" رضا نے کہا۔ "اگر ہمارے بادشاہوں نے کرک اور شوبک پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو اسی طرح محاصرے میں لے کر شکست دینے کی کوشش کی جس طرح انہوں نے ہمیں محاصرے میں لیا تھا تو آپ کامیاب نہیں ہوں گے۔ صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی جنگ کے استاد ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ انہوں نے ہماری فوج کو قلعوں سے دور روکنے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ عقل مندی اس میں ہوگی کہ حملہ کسی ایسی سمت سے کیا جائے جو ایوبی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ ایوبی اور زنگی قلعوں میں بیٹھے رہیں اور آپ مصر پر چھا جائیں۔"

"ایسے ہی ہوگا۔" افسر نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا۔ "سمندر میں کوئی قلعہ نہیں ہوتا۔ مصر کے ساحل پر کوئی قلعہ نہیں۔ مصر پر اب صلیب کی حکمرانی ہوگی۔"

یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد رضا نے اس افسر سے کئی ایک راز کی باتیں معلوم کرلیں۔ دشمن اپنا جنگی راز تفصیل سے بیان نہیں کیا کرتا۔ ہوشیار جاسوس اشاروں میں باتیں اگلوا لیتا اور ان اشاروں کو اپنے فن کے مطابق جوڑ کر وہ کہانی بنا لیتا ہے جسے راز کہتے ہیں۔

☆

رحیم اور رضا ہر اتوار کی صبح گرجے میں جاتے اور عمران سے ملاقات کر لیتے اور اُسے اپنی رپورٹیں بھی دیا کرتے تھے۔ رحیم نے عمران کو بتا دیا تھا کہ تاجر کی بیٹی ایلس اُسے بڑی شدت سے چاہنے لگی ہے۔ عمران نے اُسے کہا کہ وہ اس کی محبت کو ٹھکرائے نہیں ورنہ اُسے اس جگہ سے نکال دیا جائے گا اور یہ احتیاط بھی کرے کہ اس کی محبت میں ہی نہ گم ہو جائے، مگر رحیم ایلس کے حسن و جوانی میں گم ہوتا چلا جا رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُن کی شادی صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وہ عکرہ سے بھاگ چلیں کیونکہ کوئی فوجی افسر لڑکی کے باپ کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رہا تھا۔ رحیم نے عمران کو یہ صورتِ حال نہ بتائی۔

عمران نے پادری کا قرب اور اعتماد اس حد تک حاصل کر لیا تھا کہ اُس کا ہمراز درباری بن گیا تھا۔ وہ پادری سے ایسے سوال پوچھتا تھا جن میں ذہانت کی پختگی اور علم کی تشنگی ہوتی تھی۔ پادری اپنی فراغت کے اوقات میں اُسے مذہب کے سبق دیا کرتا تھا۔ وہ عمران کو یہ ذہن نشین کرا رہا تھا کہ عیسائیت کا یہ فرض ہے کہ کرۂ ارض سے اسلام کا وجود ختم کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے جنگ کی جائے اور جو بھی ذریعہ کامیاب ہو سکتا ہے استعمال کیا جائے۔ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کو قتل کیا جائے۔ انہیں ہر ذریعے سے عیسائیت میں لانے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ

عیسائیت قبول نہ کریں تو ان کے ذہنوں سے اسلام بھی نکال دیا جائے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان میں ہی کا ایک گروہ پیدا کر دیا جائے۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنی عورتوں کو استعمال کیا جائے۔ یہ عورتیں مسلمان عورتوں میں بیکاری پیدا کریں اور جوان لڑکیاں مسلمان نوجوانوں اور ان کے حکمرانوں اور عالموں کا کردار تباہ کریں۔ چونکہ یہودی بھی مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اپنی عورتوں کو استعمال کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کی تباہ کاری کے لیے یہودی عورتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مقصد یہ سامنے رکھا جائے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹانا ہے۔ پھر ہر طریقہ اختیار کیا جائے۔ وہ خواہ دوسروں کی نظر میں ناجائز، ظالمانہ اور شرمناک ہی کیوں نہ ہو۔

عمران پادری سے ایسی باتیں سنتا اور اطمینان کا اظہار کرتا رہتا تھا۔ وہاں فوجی افسر اور حکومت کے افسر بھی آتے رہتے تھے۔ اُن دنوں چونکہ صلیبیوں کو یکے بعد دیگرے دو میدانوں سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا تھا اس لیے عکرہ میں ہر کسی کی زبان پر یہی سوال تھا کہ جوابی حملہ کب کیا جائے گا۔ پادری کی ذاتی فضل میں تو اور کوئی بات ہوتی ہی نہیں تھی۔ عمران وہاں سے قیمتی راز حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ صلیبی حکمرانوں میں اتفاق اور اتحاد نہیں ہے۔ اُن کی اپنی بادشاہیاں اور سلطنتیں تھیں۔ وہ چونکہ ہم مذہب تھے اس لیے صلیب پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اسلام کے خاتمے کی جنگ شروع کر دی تھی، مگر اندر سے وہ پھٹے ہوئے تھے۔ ان میں ایسے بھی تھے جو درپردہ مسلمانوں کے ساتھ صلح اور معاہدہ کر کے اپنے صلیبی بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کی تیاریاں بھی کرتے رہتے تھے۔ ان میں قابلِ ذکر سیز مینوئل تھا جس نے ایک میدان میں نورالدین زنگی کے ساتھ صلح کر کے تاوان ادا کیا اور مسلمانوں کے جنگی قیدی رہا کر دیے تھے۔ اب سیز مینوئل دوسرے حکمرانوں کو بھڑکا رہا تھا کہ وہ سب مل کر زنگی پر حملہ کریں۔ حملے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک زنگی پر اور دوسرا مصر پر۔ اُس وقت زنگی کرک میں تھا۔

بہرحال پادری اُن کے نفاق پر پریشان رہتا تھا۔ عمران نے اُسے یہ نہ کہا کہ جو قوم اپنی لڑکیوں کو بھی اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتی، اس کے افراد ایک دوسرے کو دھوکہ دینے سے کیوں گریز کریں گے۔ میدان میں ہار کر زمین دوز جنگ لڑنے والی قوم کی اخلاقی حالت یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے بھائیوں سے بھی دغا اور فریب کریں۔ عمران نے اپنے ذہن میں یہ بات سلطان ایوبی کو بتانے کے لیے محفوظ کر لی کہ اگر اسلام کی صفوں میں غدار نہ ہوں تو صلیبیوں کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے یورپ بھی لیا جا سکتا ہے۔ غدار مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری بن گئے تھے۔ عکرہ کا پادری اور صلیبی حکمران مسلمانوں کی اس کمزوری پر بہت خوش تھے۔ عمران کو وہاں پتہ چلا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کے کردار میں تخریب کاری کی مہم اور تیز کر دی ہے۔ اُسے مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے نام بھی معلوم ہو گئے جو درپردہ صلیبیوں کے استحادی بن چکے تھے۔ انہیں صلیبی بے دریغ یورپ کی شراب، دولت اور جوان لڑکیاں سپلائی کر رہے تھے۔

عمران اور رضا تو اپنے فرائض میں مگن تھے مگر رحیم فرض کے راستے سے ہٹتا جا رہا تھا۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اُسے تاجر کے گھر کا ہی کوئی کام دیا جائے۔ ایلس کی محبت نے اُسے اندھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ چند

دنوں بعد اُلیس نے اُسے بتایا کہ اس کی شادی ایک ایسے فوجی افسر کے ساتھ کی جا رہی ہے جو عمر میں اُس سے بہت بڑا ہے۔ بڑا نہ بھی ہوتا تو الیس رحیم کے سوا کسی اور کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی ماں سے سنوا چکی تھی کہ اس افسر کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔ اس کا باپ نہیں مانتا تھا۔ وہ اِن فوجی افسروں سے ہی دولت کما رہا تھا۔ اپنی لڑکی دینے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اُلیس نے ایک روز اپنے گلے میں ڈالی ہوئی صلیب رحیم کے ہاتھ پر رکھ کر اُس پر اپنا ہاتھ رکھا اور صلیب کی قسم کھائی تھی کہ وہ رحیم کے سوا کسی اور کو قبول نہیں کرے گی۔ رحیم نے بھی صلیب پر ایسی ہی قسم کھائی تھی۔

☆

ایک روز پادری کے پاس چار پانچ فوجی افسر آئے اور اس کے خاص کمرے میں جا بیٹھے۔ عمران نے اُن کے چہروں کے تاثرات سے محسوس کیا کہ کوئی خاص بات ہے۔ عمران پادری کے کمرے میں چلا گیا۔ ایک فوجی افسر بات کرتے چُپ ہو گیا۔ پادری نے عمران سے کہا۔ "جان گنتھر! تم کچھ دیر باہر ہی رہو۔ ہم کوئی ضروری باتیں کر رہے ہیں۔"

عمران دوسرے کمرے میں چلا گیا اور دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔ پھر بھی کام کی باتیں عمران نے سمجھ لیں۔ جب فوجی افسر چلے گئے تو عمران وہاں سے اِدھر اُدھر ہو گیا تاکہ پادری کو شک نہ ہو۔ اُس نے یہ ارادہ بھی کیا کہ اسی وقت بھاگ جائے اور کہیں رُکے بغیر قاہرہ پہنچے اور سلطان ایوبی کو اطلاع کر دے کہ حملہ روکنے کی تیاری کرلے، مگر پادری نے اُسے بُلا کر ایسے کام پر لگا لیا کہ وہ فوری طور پر بھاگ نہ سکا۔ اس کے علاوہ اُسے رحیم اور رضا سے بھی رپورٹیں لینی تھیں۔ ممکن تھا کہ ان کے کانوں میں بھی یہ خبر پہنچی ہو۔ جو اس نے سنی ہے۔ اُس نے سوچا کہ اُن سے تصدیق ہو جائے تو تینوں اکٹھے عکرہ سے نکل جائیں۔ اس کام کے لیے وہ تین چار روز انتظار کر سکتا تھا لیکن اس کی بے تابی اُسے ٹکنے نہیں دے رہی تھی۔

دوسرے دن وہ رضا کے پاس گیا۔ رضا اُسے اسطبل میں ملا۔ اُس سے پوچھا کہ اُسے کوئی نئی خبر ملی ہے؟

رضا نے بتایا کہ کچھ غیر معمولی سی سرگرمی نظر آ رہی ہے اور اس نے اڑتے اڑتے سُنی ہے کہ صلیبی جوابی حملہ خشکی کے راستے نہیں کریں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر کی طرف سے آئیں گے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کے حملے کی تفصیل کیا ہے۔ عمران نے اُسے بتایا کہ اس حملے کو صلیبی فیصلہ کُن بنانا چاہتے ہیں۔ اُس نے جو کچھ سنا تھا وہ رضا کو سُنا دیا اور اسے یہ مشن دیا کہ وہ اس حملے کی تفصیلات معلوم کرے۔ عمران صرف تصدیق کرنا چاہتا تھا، ورنہ وہ تفصیل سے تو آگاہ ہو چکا تھا۔ اُس نے رضا سے کہا کہ اب وہ ایک آدھ دن میں یہاں سے روانگی کی تیاری کرے، اُن کا فرض پورا ہو چکا ہے۔ واپسی کے لیے انہیں تین گھوڑوں یا اونٹوں کی بھی ضرورت تھی، جو انہیں کہیں سے چوری کرنے تھے۔

عمران رحیم سے ملنا چاہتا تھا تاکہ اُسے بھی چوکنا کر کے واپسی کی تیاری کے لیے کہہ دے لیکن رات ہو چکی تھی اور وہ اُس کے ٹھکانے پر جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ تاجر نے اُسے رہنے کے لیے جو جگہ دے رکھی تھی وہاں جانا ٹھیک نہیں تھا۔ عمران گرجے چلا گیا۔

وہ اگر رحیم کے پاس جاتا بھی تو وہ اُسے نہ ملتا۔ وہ اپنے ٹھکانے میں بھی نہیں تھا اور وہ گرجے میں بھی نہیں تھا۔ جب عمران اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے پریشان ... ہاتھا، اُس وقت اُلیس نے رحیم کو کسی اور ہی پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ صلیبیوں نے رقص اور کھانے کی محفل منعقد کی تھی۔ اُلیس کے اُمیدوار نے اُسے اپنے ساتھ رقص کے لیے کہا تو اُلیس نے اُسے ٹھکرا دیا اور وہ اس سے کم عمر کے افسروں کے ساتھ ناچتی رہی۔ اُس کے اُمیدوار نے اُس کے باپ سے شکایت کی۔ اس کا باپ بھی اُس محفل میں موجود تھا جہاں شراب کی صراحیاں خالی ہو رہی تھیں۔ باپ نے اُلیس کو ڈانٹ کر کہا کہ وہ اپنے منگیتر کی توہین نہ کرے اور اس کے ساتھ ناچے۔ اُلیس ناراض ہو کر گھر چلی گئی اور باپ کو یہ فیصلہ سُنا آئی کہ وہ اس بوڑھے کے ساتھ شادی نہیں کرے گی۔

اس کا باپ اور اُمیدوار اس کے پیچھے گئے۔ وہ وہاں جا چکی تھی۔ گھر جا کر دیکھا وہ وہاں نہیں تھی۔ تلاش کرتے کرتے وہ رحیم کے کمرے سے برآمد ہوئی۔ باپ نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ اس نے تنگ کر جواب دیا کہ وہ جہاں چاہے جا سکتی ہے اور جہاں چاہے بیٹھ سکتی ہے۔ اُس کے اُمیدوار کو شک ہوا کہ یہاں معاملہ گڑبڑ ہے۔ اُلیس کو باپ گھر لے گیا۔ اُمیدوار نے رحیم سے پوچھا کہ یہ لڑکی یہاں کیوں آئی تھی.... رحیم نے جواب دیا کہ وہ پہلے بھی یہاں آیا کرتی ہے اور آئندہ بھی آئے گی۔ اُمیدوار بڑا افسر تھا۔ اس نے رحیم کو دھمکی دی کہ وہ یہاں سے چلا جائے ورنہ اُسے زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ رحیم کے جسم میں جوانی کا خون تھا۔ اُس نے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔ معاملہ بگڑ گیا۔ تاجر نے آ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ اُلیس کے اُمیدوار نے کہا کہ وہ اس آدمی کو یہاں دیکھنا نہیں چاہتا۔

دوسرے دن تاجر نے رحیم سے کہا کہ وہ اُسے ملازمت میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ فوج کے اتنے بڑے افسر کو ناراض کر کے وہ اپنا کاروبار تباہ نہیں کرنا چاہتا۔ اُس نے رحیم کو یہ نصیحت کی کہ وہ وہاں سے چلا جائے کیونکہ فوجی افسر اُسے کسی جرم کے بغیر قید خانے میں ڈال سکتا ہے۔ رحیم سمجھ چکا تھا کہ وہ کس مقصد کے لیے یہاں آیا تھا۔ اُس نے اُلیس کو اپنے ذاتی وقار کا مسئلہ بنا لیا۔ اس کے اُمیدوار کی دھمکی کا وہ عملی جواب دینا چاہتا تھا۔ تاجر اپنی دکان میں تھا۔ رحیم اُس کے گھر گیا۔ اُلیس سے ملا اور اُسے بتایا کہ اس کے باپ نے اُسے نوکری سے نکال دیا ہے۔ اُلیس اس کے ساتھ بھاگ جانے کو تیار ہو گئی۔ بھاگنے کا وقت شام کے بعد کا مقرر کیا گیا، جب اُس کا باپ گھر نہیں ہوتا تھا۔

رات کو اُس وقت جب عمران رضا کے پاس بیٹھا اس روز کے متعلق باتیں کر رہا تھا جس کے لیے انہوں نے جان کا خطرہ مول لے رکھا تھا، رحیم اُلیس کے انتظار میں شہر سے باہر اُس جگہ کھڑا تھا جو اسے اُلیس نے بتائی تھی۔ اُلیس نے اُسے کہا تھا کہ وہ باپ کے گھوڑے پر آئے گی اور وہ دونوں ایک ہی گھوڑے پر بھاگیں گے۔ وہ بے صبری سے اُلیس کا انتظار کر رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ وہ باپ کا گھوڑا کس طرح چُرا کر لا سکے گی.... لڑکی نے گھوڑا چُرا لیا تھا۔ اس پر زین ڈال کر کس لی تھی اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکل بھی آئی تھی۔ رحیم نے جب اُسے دیکھا تو اُسے یقین نہ آیا کہ یہ اُلیس ہے۔ اس کی آواز پر وہ گھوڑے پر اس کے پیچھے سوار ہو گیا۔ کچھ دُور تک انہوں نے گھوڑے

کی رفتار آہستہ رکھی۔ شہر سے دُور جا کر رحیم نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کچھ دیر بعد وہ عکرہ سے کافی دُور جا چکے تھے۔

☆

آدھی رات کے وقت وہ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں پانی تھا۔ رحیم نے اس خیال سے گھوڑا روک لیا کہ اسے پانی پلا دیا جائے اور آرام بھی کر لے۔ اسے معلوم تھا کہ آگے بہت دُور تک پانی نہیں ملے گا۔ اُسے یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ وہ پکڑے نہیں جائیں گے۔ کسی کو کیا خبر کہ وہ کس طرف گئے ہیں۔ اُس نے اَیلس سے کہا کہ آرام کر لیں۔ سحر کے وقت میں روانہ ہو جائیں گے۔

"تم بیت المقدس کا راستہ جانتے ہو؟" ایلس نے اس سے پوچھا۔

انہوں نے عکرہ سے بھاگتے وقت یہ طے کیا ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ اب لڑکی نے بیت المقدس کا نام لیا تو رحیم نے کہا۔ "بیت المقدس کیوں؟ میں تمہیں وہاں لے جاؤں گا جہاں تمہارے تعاقب میں کوئی آنے کی جرأت نہ کرے گا۔"

"کہاں؟" ایلس نے پوچھا۔

"مصر۔" رحیم نے جواب دیا۔

"مصر؟" ایلس نے حیرت زدہ ہو کے پوچھا۔ "وہ تو مسلمانوں کا ملک ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"مسلمانوں کو تم نہیں جانتی ایلس!" رحیم نے کہا۔ "مسلمان بڑی رحمدل قوم ہے۔ تم چل کے دیکھنا۔"

"نہیں!" ایلس نے بدک کر کہا۔ "مجھے مسلمانوں سے ڈر آتا ہے۔ بچپن سے مجھے مسلمانوں کے متعلق بڑی غلیظ باتیں بتائی گئی ہیں۔ ہمارے ہاں مائیں اپنے بچوں کو مسلمانوں سے ڈرایا کرتی ہیں۔ مجھے مسلمانوں سے نفرت ہے۔" وہ ڈر رہی تھی اور رحیم کے ساتھ لگ گئی تھی۔ اُس نے کہا۔ "مجھے بیت المقدس لے چلو۔ وہاں ہم شادی کر لیں گے۔ بیت المقدس کدھر ہے؟ میں سمت بھول گئی ہوں۔"

"میں مصر کی طرف جا رہا ہوں۔" رحیم نے کہا۔

ایلس بگڑ گئی اور پھر وہ رونے لگی۔

"تم مسلمانوں سے نفرت کرتی ہو؟"

"بہت زیادہ!"

"اور مجھ سے تمہیں محبت ہے؟"

"بہت زیادہ!"

"اور اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں مسلمان ہوں، تو تم کیا کرو گی؟"

"میں ہنسوں گی۔" ایلس نے کہا۔ "مجھے تمہارے لطیفے اور مذاق بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"میں مذاق نہیں کر رہا ایلس!" رحیم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "میں مسلمان ہوں اور ذرا اس قربانی پر غور کرو جو مجھ

سے تمہاری محبت نے کرائی ہے۔ میں یہ قربانی بخوشی دے رہا ہوں۔"

"کیسی قربانی؟" ایلس نے کہا۔ "تم تو پہلے ہی بے گھر تھے۔ اب ہم اپنا گھر بنائیں گے۔"

"نہیں ایلس!" رحیم نے کہا۔ "میں اب بے گھر ہوا ہوں۔ تم اپنے گھر سے بھاگی ہو۔ میرے ساتھ شادی کر کے تم اپنا گھر بسا لو گی لیکن میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہو گا۔ میں اپنے فرض کا بھگوڑا ہوں۔ میں اپنی فوج کا بھگوڑا ہوں... میں جاسوس ہوں۔ عکرہ میں جاسوسی کرنے آیا تھا مگر تمہاری محبت پر میں نے اپنا فرض قربان کر دیا ہے۔"

"تم مجھے ڈرا رہے ہو۔" ایلس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "چلو سو جاؤ۔ میں تمہیں جاسوی بھگا دوں گی۔"

"میں تمہیں ڈرا نہیں رہا ایلس!" رحیم نے کہا۔ "میرا نام رحیم بن نور ہے۔ ایلی نور نہیں۔ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں جہاں رکھوں گا پورے آرام میں رکھوں گا۔ تمہیں تمہارے باپ کے گھر والی بادشاہی نہیں دے سکوں گا لیکن تکلیف بھی نہیں ہونے دوں گا۔ تمہاری زندگی آرام سے گزرے گی۔"

"مجھے اسلام قبول کرنا پڑے گا؟" ایلس نے پوچھا۔

"تو اس میں کیا حرج ہے؟" رحیم نے کہا۔ "تم ایسی باتیں نہ سوچو۔ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ سو جاؤ۔ ہمارا سفر لمبا ہے۔ باتوں کے لیے بہت وقت ہے۔"

وہ لیٹ گیا۔ ایلس بھی لیٹ گئی۔ ذرا سی دیر بعد ایلس کو رحیم کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ گہری سوچوں میں کھو گئی تھی۔

☆

رحیم کی آنکھ کھلی تو صبح کا اجالا سفید ہو چکا تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھا۔ اُسے اتنی دیر نہیں سونا چاہیے تھا۔ آنکھیں مل کر ادھر اُدھر دیکھا۔ وہاں گھوڑا بھی نہیں تھا۔ ایلس بھی نہیں تھی۔ اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ایک ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا۔ صحرا کی ویرانی کے سوا اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اُس نے ایلس کو آوازیں دیں۔ کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سوچوں میں کھو گیا۔ ایک خیال یہ آیا کہ اُن کے تعاقب میں کوئی آ گیا ہو گا اور وہ ایلس کو سوتے میں اٹھا کر لے گیا ہے۔ اس صورت میں رحیم کو زندہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اُسے وہ لوگ قتل کر جاتے یا اُسے اغوا کے جرم میں پکڑوا دیتے۔ حیرت اس پر تھی کہ وہ ایلس کو ایسی خاموشی سے اٹھا کر لے گئے کہ رحیم کی آنکھ ہی نہ کھلی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ ایلس خود بھاگ گئی ہے۔ اُس سے رحیم کو صرف اس لیے ٹھکرا دیا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

ایلس جہاں کہیں بھی گئی اور اُسے جو کوئی بھی لے گیا، رحیم کو اب یہ سوال پریشان کرنے لگا کہ وہ کہاں جائے۔ عکرہ واپس جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ قاہرہ جانے سے بھی ڈرتا تھا۔ اُس نے اپنا فرض پورا نہیں کیا تھا۔ اُس نے اپنے کمانڈر عمران کو نہیں بتایا تھا کہ وہ جا رہا ہے۔ سوچ سوچ کر اُس نے ایک بہانہ گھڑ لیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہاب قاہرہ کی سبجاتے کرک چلا جائے اور وہاں بتائے کہ اُسے پہچان لیا گیا تھا کہ وہ مسلمان ہے اور جاسوس ہے۔ وہ بڑی مشکل سے بھاگ کر وہاں سے نکلا ہے۔ اُسے مہلت نہیں ملی کہ عمران یا رضا کو اطلاع دے سکتا، کہ اس کی گرفتاری کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے.... یہ اچھا بہانہ تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ اُسے کوئی یہ تو نہیں کہے گا، کہ کوئی

شجاعت اور شہامت لازم۔

وہ پانی پی کر کرک کی سمت چل پڑا۔ اُسے اُلیس کی گمشدگی پریشان کر رہی تھی اور اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اُسے کبھی بھی پتہ نہ چل سکے گا کہ الیس کہاں غائب ہو گئی ہے۔

وہ بمشکل تین میل چلا ہوگا کہ اُسے دوڑتے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دیں۔ اس نے پیچھے دیکھا۔ گرد کا بادل اڑا آ رہا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ سوار کون ہیں اسے یہی معلوم تھا کہ وہ خود کون ہے۔ یہی خطرناک پہلو تھا۔ وہ گھوڑوں کے راستے سے ہٹ کر چلتا گیا۔ گھوڑے قریب آ گئے۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہ صلیبی تھے اور انہوں نے گھوڑے اس کی طرف موڑ لیے تھے۔ وہ نہتہ تھا۔ بھاگنے کی بھی کوئی صورت نہیں تھی۔ سواروں نے اُسے گھیر لیا۔ اُس نے ان میں سے ایک کو پہچان لیا۔ وہ الیس کا امیدوار تھا۔ اُس نے رحیم سے کہا۔ "مجھے پہلے ہی شک تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو۔"

اُسے پکڑ لیا گیا اور اس کے ہاتھ پیچھے باندھ کر اسے ایک سوار نے لاش کی طرح گھوڑے پر ڈال لیا۔ گھوڑے عکرہ کی سمت روانہ ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب عمران رحیم سے ملنے گیا تو وہ اسے نہ ملا۔ تاجر کے ایک نوکر نے اُسے بتایا کہ اسے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ عمران شش و پنج میں پڑ گیا۔ رحیم جا کہاں سکتا تھا۔ اس کے پاس کیوں نہیں آیا؟ — عمران گرجے میں واپس چلا گیا۔ رضا سے وہ شام کے بعد مل سکتا تھا۔ انہیں رحیم کو ڈھونڈنا تھا۔ یہ خطرہ بھی محسوس کیا گیا کہ وہ گرفتار ہو گیا ہو۔ اس صورت میں یہ خطرہ تھا کہ اُس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی نشاندہی نہ کر دی ہو۔ عمران کو یہ سوچ پریشان کر رہی تھی کہ رحیم اگر پکڑا گیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اور رضا بھی پکڑے جائیں۔ پکڑے جانے اور مارے جانے کا انہیں فکر نہ تھا۔ فکر یہ تھا کہ انہوں نے وہ راز حاصل کر لیا تھا جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے اور اب انہیں یہاں سے نکلنا تھا۔

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رضا اصطبل سے باہر کہیں کھڑا تھا۔ چار گھوڑے اصطبل کے دروازے پر رکے۔ ایک سوار نے اپنے آگے کسی کو لاش کی طرح ڈال رکھا تھا۔ اُسے اتارا گیا۔ یہ دیکھ کر رضا کا خون خشک ہو گیا کہ وہ رحیم تھا۔ اس کے ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ سواروں میں ایک بڑا افسر تھا۔ رضا اُسے اچھی طرح جانتا پہچانتا تھا۔ دوسروں سے بھی وہ واقف تھا۔ رحیم کو وہ لے جانے لگے تو بڑے افسر نے رضا کو دیکھ لیا۔ اُسے "فرانسس" کے نام سے بلایا۔ رضا دوڑا گیا لیکن اس کے پاؤں نہیں اٹھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔

"چاروں گھوڑے اندر لے جاؤ۔" اس افسر نے رضا سے کہا۔ "ہمارے سائیسوں کے حوالے کر دینا۔۔۔"

اُس نے رحیم کے متعلق حکم دیا۔ "اسے اُس کمرے میں لے چلو۔"

رضا کو چونکہ فرانسس کے نام سے بلایا گیا تھا اس لیے وہ جان گیا کہ رحیم نے اس کی نشاندہی نہیں کی۔ یہ صلیبی افسر اُسے ابھی تک سائیس فرانسس سمجھ رہے تھے۔ اُس نے ایک افسر سے پوچھا۔ "یہ کون ہے؟ اس نے چوری کی ہوگی؟"

"یہ صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہے۔" ایک فوجی نے جواب دیا اور طنزیہ لہجے میں کہا۔ "اب یہ مہمان بن جاسوسی کرے گا۔ جاؤ گھوڑے لے جاؤ۔"

اس دوران رضا اور رحیم نے ایک دوسرے کو گہری نظروں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا۔ انہوں نے آنکھوں کے کچھ اشارے مقرر کر رکھے تھے۔ اگر ایسی صورتِ حال میں دو جاسوسوں کا سامنا ہو جائے تو وہ ایک اشارہ تو یہ کرتے تھے کہ بھاگ جاؤ۔ دوسرا یہ کہ کوئی خطرہ نہیں۔ رحیم نے رضا کو ایسا ہی ایک اشارہ کیا جس سے اُسے تسلی ہو گئی کہ اس نے کسی کی نشاندہی نہیں کی۔ تاہم ان کے لیے یہ خوشی کی بات نہیں تھی۔ اس کا ساتھی پکڑا گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ تہہ خانے میں اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ رحیم کو اب مرنا تھا مگر بڑی ہی اذیت ناک موت مرنا تھا۔ رضا کو معلوم تھا کہ رحیم کو کون سے کمرے میں سے جایا جا رہا ہے اور اس کے بعد اُسے کہاں لے جائیں گے۔

☆

عمران گرجے کے ساتھ اپنے کمرے میں پریشانی کی حالت میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ رحیم کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ رضا تھا۔ اندر آ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور گھبرائی ہوئی سرگوشی میں کہا۔ "رحیم پکڑا گیا ہے" — اُس نے جو دیکھا تھا وہ عمران کو سنا دیا۔ رضا نے اُسے یہ بھی بتا دیا کہ رحیم نے اشارے سے اُسے بتا دیا ہے کہ اس نے ہماری نشاندہی نہیں کی۔

"اگر نہیں کی تو تہہ خانے میں جا کر کر دے گا۔" عمران نے کہا۔ "اس دوزخ میں زبان بند رکھنا آسان نہیں ہوتا۔"

ان دونوں کے لیے یہ فیصلہ کرنا محال ہو گیا کہ وہ فوراً نکل جائیں یا ایک آدھ دن انتظار کر لیں۔ ایسے نازک وقت میں ان سے ایک غلطی سرزد ہو گئی۔ وہ یہ تھی کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گئے۔ چھاپہ ماروں (کمانڈو) اور جاسوسوں کے لیے یہ ہدایت تھی کہ وہ تحمل، بردباری اور صبر سے کام لیں۔ عجلت اور جذبات سے بچیں۔ اگر ان کا کوئی ساتھی ایسے طریقے سے کہیں پھنس جائے کہ اس کی مدد کرنے میں دوسروں کے پھنسنے کا بھی خطرہ ہو تو اس کی مدد نہ کی جائے۔ رضا جذبات میں آ گیا۔ اس نے کہا۔ "میں رحیم جیسے خوبصورت اور دلیر دوست کو قبضے سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"ناممکن ہے۔" عمران نے کہا اور اُسے ایسے خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"میں چونکہ وہیں رہتا ہوں جہاں رحیم کو لے گئے ہیں اس لیے دیکھوں گا کہ اُسے وہاں سے نکالنا ممکن ہو سکتا ہے یا نہیں۔" رضا نے کہا۔ "میں نے وہاں اتنی دوستی پیدا کر رکھی ہے کہ مجھے معلوم ہو جائے گا کہ رحیم کہاں ہے اگر میں اُس تک پہنچ گیا تو رحیم آزاد ہو جائے گا یا میں بھی اس کے ساتھ ہی جاؤں گا، اور اگر میں بھی پکڑا گیا تو تم حل جانا۔ راز تمہارے پاس ہے۔ میں رحیم کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

ناممکن تھا کہ رضا رحیم کو وہاں سے آزاد کرا لیتا، لیکن اس کے جذبات اتنے شدید تھے کہ عمران بھی اس کا

ہمنوا ہو گیا اور وہ حقائق کو بھول گیا۔ رضا اُسے یہ کہہ کر چلا گیا کہ رات کو کسی وقت آ کر اُسے بتائے گا کہ رحیم کی رہائی کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ اگر کوئی صورت نہ ہوئی تو وہ رات کو نکل جائیں گے۔ عمران کے ذمے یہ کام تھا کہ وہ گھوڑوں کا انتظام کرے۔ گھوڑوں کا انتظام آسان نہیں تھا۔ پادری کے باڈی گارڈوں کے گھوڑے وہاں موجود رہتے تھے۔ انہی میں سے دو یا تین گھوڑے چوری کرنے تھے۔

اس وقت تک رحیم کو قید خانے میں نہیں ڈالا گیا تھا۔ اُسے انٹیلی جنس کے دو وحشی قسم کے افسروں کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ جاسوس جب پکڑا جاتا ہے تو سزا کا مرحلہ سب سے آخر میں ہوتا ہے۔ پہلے اس سے معلومات لی جاتی ہیں۔ جاسوس اکیلا نہیں ہوتا، پورا گروہ ہوتا ہے۔ گرفتار کیے ہوئے جاسوس سے یہی ایک سوال پوچھا جاتا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور دوسرا سوال یہ کہ اس نے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔ رحیم سے بھی یہی سوال پوچھا گیا۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اکیلا ہے۔ دوسرا سوال پوچھا گیا کہ اس نے یہاں سے کوئی خفیہ بات معلوم کی ہے تو وہ بتا دے۔ رحیم نے جواب دیا کہ اس کے پاس کوئی راز نہیں۔ تاجر کی بیٹی ایلس کے ساتھ تعلقات کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ ایلس کی شادی ایک بوڑھے افسر کے ساتھ کی جا رہی تھی اس لیے وہ گھر سے بھاگنے پر مجبور ہو گئی۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کس طرح پکڑے گئے ہو؟"

"نہیں"۔۔۔ رحیم نے جواب دیا۔۔۔ "میں اتنا ہی جانتا ہوں کہ میں پکڑا گیا ہوں۔"

"تم اور بھی بہت کچھ جانتے ہو"۔۔۔ ایک افسر نے اُسے کہا۔۔۔ "وہ سب کچھ بتا دو جو تم جانتے ہو تمہیں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔"

"میں یہ جانتا ہوں کہ میں اپنا فرض بھول گیا تھا"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "میں اس کی سزا خوشی سے قبول کروں گا۔ مجھے جس قدر تکلیف اور جتنی اذیت دے سکتے ہو دو، میں اسے اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کروں گا۔"

"کیا تمہارے دل میں ابھی تک ایلس کی محبت ہے؟"

"ابھی تک ہے"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "اور ہمیشہ رہے گی۔ میں اُسے اپنے ساتھ قاہرہ لے جا رہا تھا اسے مسلمان کر کے اس کے ساتھ شادی کرنی تھی۔"

"اگر ہم یہ کہیں کہ اس نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے تو تم مان لو گے؟"

"نہیں"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "جس نے میرے لیے اپنا گھر اور اپنے عزیز چھوڑ دیئے تھے وہ دھوکہ نہیں دے سکتی اس کے ساتھ کسی نے دھوکہ کیا ہے۔"

"اگر ہم ایلس تمہارے حوالے کر دیں تو کیا تم ہمیں بتا دو گے کہ عکرہ میں تمہارے کتنے ساتھی ہیں اور وہ کہاں ہیں؟"۔۔۔ اس سے پوچھا گیا۔۔۔ "اور یہ بھی بتا دو گے کہ تم نے یہاں سے کون سا راز حاصل کیا ہے؟"

رحیم کا سر جھک گیا۔ ایک افسر نے اس کا سر اوپر اٹھایا تو رحیم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ افسروں کے بار بار پوچھنے پر بھی وہ خاموش رہا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے اندر ایسی کش مکش پیدا ہو گئی ہے جس میں وہ فیصلہ نہیں

کر سکتا کہ اس کا رویہ اور ردِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ اس کی یہ کیفیت ظاہر کرتی تھی کہ اس کے دل میں ایلس کی محبت بہت گہری اُتری ہوئی ہے۔

"تمہیں آخر کار ہمارے تمام سوالوں کا جواب دینا ہوگا"۔۔۔ ایک افسر نے اُسے کہا۔۔۔ "اُس وقت تک تم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکے ہو گے۔ تم جیو گے نہ مرو گے۔ اگر پہلے ہی جواب دے دو تو ایلس تمہارے پاس ہو گی اور تم آزاد ہو گے۔ اِس وقت تم قید خانے میں نہیں۔ یہ ایک افسر کا کمرہ ہے۔ اگر تم سونے کی مہلت چاہتے ہو تو آج رات تمہیں اسی کمرے میں رکھا جائے گا۔"

رحیم خاموش رہا اور خالی خالی نظروں سے افسروں کو دیکھتا رہا۔ افسروں کو ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا کہ وہ اس کمرے سے بھاگ جائے گا۔ برآمدے میں پہرہ تھا۔ یہ علاقہ فوج کا تھا۔ گشتی پہرہ بھی تھا۔ رحیم بھاگ کر جا بھی کہاں سکتا تھا۔ ایک افسر نے باہر آ کر اپنے ساتھی افسر سے کہا۔۔۔ "تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ اسے تہہ خانے میں لے جاؤ۔ لوہے کی لال گرم سلاخ جسم کے ساتھ لگاؤ، ساری باتیں اُگل دے گا۔ نہیں بولے گا تو جھلسا اور پیاسا پڑا رہنے دو۔"

"میرا تجربہ مختلف ہے میرے دوست!"۔۔۔ دوسرے افسر نے کہا۔۔۔ "یہ نہ بھولو یہ مسلمان ہے۔ تم نے اب تک کتنے مسلمان جاسوسوں سے راز اُگلوائے ہیں؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ قوم ایک بار ڈٹ جائیں تو مر جاتے ہیں زبان نہیں کھولتے۔ یہ شخص کہہ چکا ہے کہ ہماری ہر اذیت اپنے گناہ کی سزا سمجھ کر قبول کرے گا۔ یہ کٹر مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ یہ تہہ خانے میں جا کر بھی کہہ دے گا کہ وہ کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ ہمارا مقصد اسے جان سے مارنا نہیں، یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے ساتھی کہاں ہیں اور یہ معلوم کرنا ہے کہ انہیں اس حملے کا پتہ تو نہیں چل گیا جو ہم مصر پر کرنے والے ہیں؟"

"ان کے باپ کو بھی پتہ نہیں چل سکتا"۔۔۔ دوسرے افسر نے کہا۔۔۔ "ہائی کمانڈ کے افسروں کے سوا کسی کو حملے کے متعلق علم ہی نہیں۔ یہ جاسوس تاجر کی بیٹی کے عشق میں اُلجھا ہوا تھا۔ اسے تو دنیا کی ہوش ہی نہیں تھی۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اسے ایلس نے گرفتار کرایا ہے۔ یہ ابھی تک اس کی محبت میں مر رہا ہے۔"

"میں ایلس کو ہی استعمال کرنا چاہتا ہوں"۔۔۔ ایک نے کہا۔۔۔ "اُسے آج رات اسی کمرے میں رہنے دیتے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جو راز ہم کئی دنوں بعد بھی نہیں اگلوا سکیں گے وہ ایلس جیسی دلکش لڑکی چند منٹوں میں اگلوا لے گی۔"

"کیا اس لڑکی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟"

"کیا تمہیں ابھی تک شک ہے؟"۔۔۔ دوسرے نے کہا۔۔۔ "تم نے شاید پوری بات نہیں سنی۔ ایلس نے واپس آ کر جو بیان دیا ہے۔ وہ تم نے پورا نہیں سنا۔ اب چونکہ تفتیش ہم دونوں کے سپرد کی گئی ہے، اس لیے تمہارے ذہن میں ہر ایک بات واضح ہونی چاہیئے۔ ایلس اس شخص کو بُری طرح چاہتی تھی۔ وہ اسے ایلی سمجھتا رہا۔ نام کا عیسائی سمجھتی رہی۔ ایلس کا باپ اس کی شادی کمانڈر ولیسٹ میکاٹ کے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔ وہ دراصل اپنی بیٹی رشوت کے طور پر دے رہا تھا۔ ایلس اس جاسوس کے ساتھ بھاگ گئی۔ راستے میں اس نے ایلس کو بتا دیا کہ وہ

ایلی مُور نہیں رحیم ہے اور وہ مسلمان ہے اور وہ جاسوس ہے۔ ایلس نے اسے مذاق سمجھا مگر رحیم نے اسے یقین دلا دیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہا۔ رحیم نہیں جانتا تھا کہ ایلس کے دل میں مسلمانوں کی کتنی دہشت اور نفرت بچپن سے بیٹھی ہوئی ہے اور رحیم کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ایلس مذہب کی پکی ہے۔ ہر وقت صلیب گلے میں ڈالے رکھتی ہے۔ اس نے جان لیا کہ اس مسلمان نے اس کے ساتھ دھوکہ کیا ہے اور وہ ظاہرہ کے جا کر نہ صرف خود خراب کرے گا بلکہ دوسروں سے بھی خراب کرائے گا اور آخر میں کسی کے ہاتھ فروخت کر دے گا۔ ہم نے اپنے بچوں کے ذہنوں میں مسلمانوں کا جو گناؤنا تصور پیدا کر رکھا ہے وہ ایلس کے سامنے آگیا....

"ایلس کے دل میں مذہب کی محبت پیدا ہو گئی اور یہ محبت مسلمان کی محبت پر ایسی غالب آئی کہ اُسے حقارت میں بدل دیا۔ وہ سب کچھ بھول گئی۔ وہ یہ بھی بھول گئی کہ عکرہ واپس آکر اُسے بوڑھے کمانڈر کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ اسے صلیب کا یہ فرض یاد آگیا کہ مسلمان کو ہر حال میں دشمن سمجھنا اور اسلام کے خاتمے کے لیے کام کرنا ہے۔ لڑکی چونکہ ہشیار اور دلیر ہے، اس لیے اس نے بھاگنے کا نہایت اچھا طریقہ سوچا۔ رحیم پر ظاہر نہ ہونے دیا اور لیٹ گئی۔ رحیم اطمینان سے سو گیا تو ایلس گھوڑے پر سوار ہوئی اور ایسی خاموشی سے نکل آئی کہ رحیم کو خبر تک نہ ہوئی۔ راستے سے واقف تھی۔ عکرہ پہنچ گئی اور اپنے باپ کے سامنے اقبالِ جرم کر کے اُسے رحیم کے متعلق بتایا۔ باپ نے اُسی وقت کمانڈر ویسٹ بیکاٹ کو جگایا اور اسے یہ واقعہ سنایا۔ کمانڈر نے تین سپاہی ساتھ لیے اور رحیم کے تعاقب میں گیا۔ رحیم پیدل کہاں جا سکتا تھا، پکڑا گیا اور اب یہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔"

رحیم کو معلوم نہیں کہ اسے ایلس نے دھوکہ دیا ہے۔"

"نہیں"۔۔۔ دوسرے نے کہا۔۔۔ "میں اب ایلس کو استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ رحیم کو ہم نہایت اچھا کھانا کھلائیں گے۔"

☆

وہاں کے ملازموں اور دوسرے لوگوں کی زبان پر یہی موضوع تھا کہ ایک مسلمان جاسوس پکڑا گیا ہے۔ رضا بھی فرانسس کے روپ میں ان ملازموں میں شامل تھا۔ وہ بھی مسلمان جاسوس کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور دوسروں کی طرح خواہش ظاہر کر رہا تھا کہ جاسوس کو سرِ عام پھانسی دی جائے یا اُسے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر گھوڑا بھگا دیا جائے۔

رضا کو معلوم ہو چکا تھا کہ رحیم ابھی تک اسی کمرے میں ہے۔ سب حیران تھے کہ اسے قید خانے میں کیوں نہیں لے گئے اور جب باورچی خانے کے ایک ملازم نے انہیں بتایا کہ قیدی کے لیے افسروں کا سا کھانا گیا ہے اور وہ خود کھانا دے آیا ہے تو سب حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ رضا باتوں باتوں میں باورچی خانے کے اس آدمی کو الگ لے گیا اور پوچھا۔۔۔ "کیا تم مذاق کر رہے ہو کہ مسلمان جاسوس کو اتنا اچھا کھانا دیا گیا ہے جو افسر کھاتے ہیں؟ پھر وہ جاسوس نہیں ہوگا۔"

"بڑا خطرناک جاسوس ہے"۔۔۔ ملازم نے کہا۔۔۔ "جو افسر تفتیش کر رہے ہیں میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔

وہ ابھی اُسے کھانا کھلا کر اس سے باتیں پوچھیں گے۔ پھر وہ کسی لڑکی کی باتیں کر رہے تھے جو اس قیدی کو پھانس کر اس سے باتیں اُگلوائے گی۔"

رحیم کھانا کھا چکا تو اس کے کمرے میں ایلس داخل ہوئی۔ دونوں افسر چلے گئے تھے۔ انہوں نے ایلس کو بلا کر اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے اور قیدی سے کیا پوچھنا ہے۔ ایلس کو دیکھ کر رحیم بہت حیران ہوا۔ اسے خواب کا دھوکہ ہوا ہوگا۔

"تم؟"۔۔۔ اس نے ایلس سے پوچھا۔۔۔ "کیا تمہیں بھی گرفتار کر کے یہاں لایا گیا ہے؟"

"ہاں!"۔۔۔ ایلس نے کہا۔۔۔ "میں کل رات سے قید میں ہوں۔"

"تم وہاں سے غائب کس طرح ہوئی تھی؟"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "میں مان نہیں سکتا کہ تم خود بھاگ آئی تھی؟"

"میں کیوں کر بھاگ سکتی تھی"۔۔۔ ایلس نے کہا۔۔۔ "میرا تو بیمار ماں کے ساتھ ہے۔ تم سو گئے تھے مگر مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں اٹھ کر ٹہلنے لگی اور کچھ دور نکل گئی۔ کسی نے پیچھے سے میرا منہ ہاتھ سے بند کر دیا اور اٹھا کر گھوڑے پر ڈال لیا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایک نے ہمارا گھوڑا بھی لے لیا۔ میرا منہ بند تھا۔ تمہیں پکار نہیں سکتی تھی۔ وہ مجھے یہاں لے آئے۔"

"انہیں تم نے بتایا ہے کہ میں ایلی مُور نہیں رحیم ہوں؟"۔۔۔ رحیم نے پوچھا۔۔۔ "اور جنہوں نے تمہیں وہاں جا پکڑا تھا وہ مجھے بھی کیوں نہ پکڑ لائے؟ انہوں نے مجھے قتل کیوں نہ کر دیا؟"

"میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی"۔۔۔ ایلس نے کہا۔۔۔ "میں خود مجرم ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو ایس!"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "تمہیں دھوکا میرے متعلق پوچھا گیا ہے اور تم نے ڈر کے مارے بتا دیا ہے کہ میں کون ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں۔ میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا، کہ تمہیں کوئی تکلیف ہو۔"

"اگر تمہیں میری تکلیف کا خیال ہے تو یہ لوگ تم سے جو کچھ پوچھتے ہیں وہ انہیں بتا دو"۔۔۔ ایلس نے کہا۔۔۔ "انہوں نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں رہا کر دیں گے۔"

"بات پوری کرو ایلس"۔۔۔ رحیم نے تلخ لہجے میں کہا۔۔۔ "یہ بھی کہو کہ میں سب کچھ بتا دوں تو مجھے رہا کر دیں گے اور تم میرے ساتھ شادی کر لو گی۔"

"شادی بھی ہو سکتی ہے"۔۔۔ ایلس نے کہا۔۔۔ "بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ۔"

"کیا تم یہ امید لے کے آئی ہو کہ میں رہائی کی خاطر اپنا مذہب چھوڑ دوں گا؟"۔۔۔ رحیم نے کہا۔۔۔ "ایلس! میں فوج کا معمولی سا سپاہی نہیں۔ جاسوس ہوں۔ عقل رکھتا ہوں۔ میں اسی گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں کہ عقل پر تمہاری محبت کو سوار کر لیا تھا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ جس صلیب کی تم قسمیں کھا رہی ہو وہ گلے میں ڈال کر جھوٹ بول رہی ہو۔ کیا یہ غلط ہے کہ تم خود وہاں سے بھاگی ہو؟ کیونکہ تمہارے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری ہوئی ہے۔ تمہیں مجھ پر اعتماد نہ رہا، مجھے سوتا چھوڑ کر بھاگ آئیں۔ یہاں اگر تم نے اپنے بوڑھے منگیتر کو میرے پیچھے بھیج دیا۔

میرے دل میں بھی تمہاری قوم کے خلاف نفرت ہے۔ میں تمہاری قوم کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ میں نے اپنی جان تمہاری قوم کو تباہ کرنے کے لیے داؤ پر لگائی ہے، لیکن تمہاری محبت، محبت ہی رہے گی۔ اس پر نفرت غالب نہیں آسکے گی۔ میں نے تمہاری خاطر اپنا فرض فراموش کیا۔ اپنا مستقبل تباہ کیا مگر تم نے ناگن کی طرح ڈنک مارا۔"

وہ ایسے انداز سے بول رہا تھا کہ ایلس کی زبان بند ہوگئی۔ اس کے دل میں رحیم کی محبت موجود تھی رحیم نے جب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھیمے اور پُراثر انداز میں باتیں کیں تو یہ جوان لڑکی اپنے سینے سے اٹھتے ہوئے جذبات کے بگولے کی لپیٹ میں آگئی۔ پہلے تو اس کے آنسو چھوٹے پھر اس نے بے تابی سے رحیم کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور روتے ہوئے کہا — "مجھے تم سے نفرت نہیں۔ تم اپنا فرض بھول گئے تھے میں نہ بھول سکی۔ میں مجرم ہوں۔ میں نے تمہیں پکڑوایا ہے۔ اس جرم کی سزا مجھے بڑی سخت ملے گی۔ مجھے چند دنوں میں اس بوڑھے کمانڈر کی بیوی بنا دیا جائے گا، جو وحشی ہے اور شراب پی کر درندہ بن جاتا ہے۔ مجھے کچھ نہ بتاؤ ایلی مور۔"

"میں ایلی مور نہیں ہوں — رحیم نے کہا — "میں رحیم ہوں۔"

☆

تفتیش کرنے والے دونوں افسر کہیں اور بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ وہ مطمئن تھے کہ یہ خوبصورت لڑکی رحیم کو رام کرے گی اور صبح سے پہلے پہلے ہمارا کام پورا کر دے گی۔ وہاں صرف ایک پہرہ دار تھا جو برآمدے میں بیٹھ گیا تھا۔ کمرے کے پچھواڑے اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں ایک سایہ اتنی آہستہ آہستہ آگے کو سرک رہا تھا جیسے ہوا کا جھونکا رُک رُک کر آگے بڑھ رہا ہو۔ اُدھر عمران گرجے سے ملحق اپنے کمرے میں جاگ رہا تھا۔ ذرا سی آہٹ سنائی دیتی تھی تو وہ اٹھ کر دروازے میں آجاتا تھا۔ اُسے ہر آہٹ رضا کی آہٹ لگتی تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری سے تین گھوڑے منتخب کر لیے تھے جو آٹھ گھوڑوں کے ساتھ بندھے تھے۔ اُس کے زینیں بھی چوری چھپے الگ کر لی تھیں۔ اسے اُمید تھی کہ رضا اور رحیم آجائیں گے مگر جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی امید بھی تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حقیقت نکھرتی آرہی تھی کہ اس نے رضا کو یہ اجازت دے کر کہ رحیم کو آزاد کرائے سخت غلطی کی تھی۔ یہ ناممکن تھا۔ وہ اب سوچ رہا تھا کہ ایک گھوڑا کھولے اور نکل جائے مگر اسے رضا کا خیال آجاتا تھا۔ رضا نے اُسے کہا تھا کہ وہ رات کو آئے گا ضرور خواہ اکیلا آئے۔

اُس وقت رضا موت کے منہ میں جا چکا تھا۔ وہ ایک سیاہ سایہ بن کر اُس کمرے کے ایک دریچے کے پاس پہنچ گیا تھا جس میں رحیم بند تھا۔ اُس نے کان لگا کر اندر کی باتیں سنیں۔ اسے ایلس کے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ — "میں تمہیں رہا نہیں کرا سکتی۔ یہ لوگ جو کچھ پوچھتے ہیں وہ بتا دو پھر میں اپنے باپ سے کہہ کر تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں۔ مجھے اسی مقصد کے لیے تمہارے پاس لایا گیا ہے کہ میری محبت تم سے راز اگلوا لے گی۔"

دریچے کے کواڑ پر نہایت آہستہ سے کسی نے تین بار دستک دی۔ رحیم اس اشارے کو سمجھتا تھا۔ وہ حیران ہوا کہ یہ اُس کا کون سا ساتھی ہو سکتا ہے۔ ایلس کچھ نہ سمجھ سکی۔ رحیم ٹہلتے ٹہلتے دریچے تک گیا اور کواڑ کھول دیا۔ رضا باہر کھڑا تھا۔ کود کر اندر گیا۔ اُس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ایلس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور خنجر

اس کے دل میں اتار دیا۔ اسے قتل کرنا ضروری تھا، ورنہ وہ شور مچا کر انہیں پکڑوا سکتی تھی۔ رضا اور رحیم دریچے سے کود کر باہر گئے اور اندھیرے میں بھاگ اٹھے۔ رضا اس جگہ سے واقف تھا۔ اُس نے راستہ تو اچھا اختیار کیا تھا لیکن برآمدے میں جو پہرہ دار تھا اس نے کسی طرف سے دو سائے بھاگتے دیکھ لیے۔ اس کے شور پر دوسرے سنتری ہوشیار ہو گئے۔ جانے کہاں سے ایک تیر آیا جو رحیم کے پہلو میں اتر گیا۔ وہ جوان اور توانا آدمی تھا، گرا نہیں، رضا کے ساتھ بھاگتا چلا گیا مگر زیادہ دور تک نہ جا سکا۔ اُس کے قدم ڈگمگانے لگے تو رضا نے اُسے اپنی پیٹھ پر ڈال لیا۔ تیر پہلو سے نکالنا ممکن نہیں تھا۔

رحیم رضا سے کہنے لگا کہ وہ اُسے وہیں پھینک کر بھاگ جائے۔ وہ اب زندہ نہیں رہ سکتا تھا لیکن رضا اپنے دوست کو اُس وقت تک اپنے آپ سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا جب تک وہ زندہ تھا۔ اُس نے رحیم کی ایک نہ سُنی اور تاریک راستوں میں چھپتا چھپاتا چلتا گیا۔ اسے خیال آگیا کہ وہ اس جگہ سے گزر رہا ہے جہاں تمام مکان مسلمانوں کے ہیں۔ اُسے دُور دُور جنگ دوڑ اور شور شرابا سنائی دے رہا تھا۔ ان کا تعاقب کرنے والے کہیں اور تھے۔ رضا کو معلوم تھا کہ عکرہ کے مسلمان کیڑوں مکوڑوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں اور صلیبیوں کی نگاہ میں ہر مسلمان جاسوس اور مشتبہ ہے۔ ذرا سے شک پر کسی بھی مسلمان کو قید خانے میں ڈال دیا جاتا تھا اور اس کے گھر کی تلاشی توہین آمیز طریقے سے لی جاتی تھی۔ رضا کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر وہ رحیم کے بوجھ تلے شل ہو چکا تھا، اور اسے یہ اُمید بھی تھی کہ شاید رحیم کی زندگی بچانے کا کوئی بندوبست ہو جائے۔

اُس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ رضا تیزی سے اندر چلا گیا۔ جس نے دروازہ کھولا تھا گھبرا گیا۔ رضا نے مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کرایا۔ وہاں تو صرف یہ کہہ دینا ہی کافی تھا کہ وہ مسلمان ہیں۔ رضا کو پناہ مل گئی مگر رحیم شہید ہو چکا تھا۔ رضا کے کپڑے خون سے لتھڑ گئے تھے۔ اس نے گھر والوں کو سارا واقعہ سنایا اور عمران کے متعلق بھی بتایا۔ گھر میں تین مرد تھے۔ وہ جوش میں آگئے۔ انہوں نے رضا کے کپڑے تبدیل کر دیئے۔ رحیم کی لاش کے متعلق فیصلہ ہوا کہ اسے گھر کے کسی کمرے میں دفن کر دیا جائے گا۔ رضا عمران کو بلانے کے لیے چلا گیا۔

☆

رات کے اس وقت جب دنیائے اسلام گہری نیند سوئی ہوئی تھی، قوم کے غدار دشمن کی بھیجی ہوئی عورتوں اور شراب میں بدمست پڑے تھے، ان سے دُور، بہت دُور ایک مسلمان اسلام کی ناموس پر اپنی جان پر کھیل گیا تھا اور دو جان کی بازی لگا کر اس راز کے ساتھ عکرہ سے نکل کر قاہرہ پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے جس پر مصر کی عزت اور اسلام کی آبرو کا دار و مدار تھا۔ اس راز کو وہ خدا کی امانت سمجھتے تھے۔ وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا کہ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہیں یا عیش کر رہے ہیں لیکن انہیں یہ احساس تھا کہ انہیں خدا دیکھ رہا ہے اور وہ خدا کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

عمران کا سر اس تذبذب اور اضطراب میں دکھنے لگا تھا کہ رحیم آجائے گا یا نہیں، رضا آجائے گا یا نہیں، تاہرہ

تک یہ خبر پہنچا سکے گا یا نہیں کہ معرکہ حطین کے لیے بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا بہت بڑا بیڑہ آرہا ہے۔ عمران اس لیے بھی قاہرہ یا کم از کم کرک جلدی پہنچنا چاہتا تھا کہ نورالدین زنگی یا سلطان ایوبی یا دونوں کسی اور طرف حملے یا پیش قدمی کی سکیم نہ بنا لیں۔ ایسی صورت میں انہیں روکنا تھا۔ اگر ان کی فوج کسی اور طرف نکل گئی تو مصر کا خدا ہی حافظ تھا۔ عمران کو ان سوچوں نے اس قدر پریشان کیا کہ اس نے دروازہ اندر سے بند کر کے نفل پڑھنے شروع کر دیئے۔ اسے شہر کی خاموشی میں کوئی سرگرمی سنائی دے رہی تھی۔ کچھ بھاگ دوڑ سی تھی۔ یہ اس کی پریشانی میں اضافہ کر رہی تھی۔ اُس نے دو چار نفل پڑھ کر ہاتھ خدا کے حضور پھیلا دیئے اور گڑگڑایا — "یا خدا! مجھے اپنے فرض کی تکمیل تک زندگی عطا کر۔ میں یہ امانت ٹھکانے پر پہنچا دوں تو مجھے میرے خاندان سمیت ختم کر دینا۔"

اُس کے دروازے پر دیسی ہی دستک ہوئی جیسی رحیم کے دریچے پر ہوئی تھی۔ عمران نے دروازہ کھولا۔ رضا کھڑا تھا۔ اُسے اندر بلا کر عمران نے دروازہ بند کر دیا۔ رضا ہانپ رہا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ اس پر کیا گزری ہے اور رحیم شہید ہو چکا ہے۔ عمران نے جب یہ سنا کہ رحیم کی لاش ایک مسلمان گھرانے میں ہے جو اسے گھر میں دفن کر دیں گے تو عمران پریشان ہو گیا۔ وہ عکرہ کے کسی مسلمان کو مصیبت میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ رضا نے اُسے بتایا کہ اس گھر میں تین مرد ہیں اور باقی عورتیں۔ انہوں نے فوراً ایک کمرے کے کونے میں کھدائی شروع کر دی تھی۔ عمران اس گھر جانا چاہتا تھا، تاکہ دیکھ لے کہ ان کے پکڑے جانے کا کوئی خطرہ تو نہیں۔ رضا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہوشیار لوگ معلوم ہوتے ہیں، سنبھال لیں گے۔

عکرہ سے نکلنا دشوار ہو گیا تھا۔ شہر کی ناکہ بندی کر لی گئی تھی۔ ایک لڑکی کا قتل اور ایک جاسوس کا فرار معمولی سی واردات نہیں تھی۔ نکلنا رات کو ہی تھا۔ ان دونوں نے یہ طے کیا کہ اکٹھے نکلیں گے اور دونوں میں سے کوئی پکڑا گیا یا دونوں پکڑے گئے تو اور جو کچھ بھی کہیں یہ نہیں بتائیں گے کہ رحیم کی لاش کہاں ہے یا وہ مارا گیا ہے۔ اگلا مسئلہ گھوڑوں کا تھا۔ عمران رضا کو اُس جگہ لے گیا جہاں آٹھ گھوڑے بندھے تھے مگر دُور سے دیکھا کہ محافظوں میں سے ایک وہاں ٹہل رہا تھا۔ عمران رضا کو ایک جگہ چھپا کر آگے گیا اور اس سنتری کے پاس پہنچا گیا۔ اس سے پوچھا کہ آج اسے پہرہ دینے کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔ سنتری عمران کو جان گنتھر کے نام سے اچھی طرح جانتا تھا اور بڑے پادری کے خصوصی نادم کی حیثیت سے اس کا احترام بھی کرتا تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ آج ایک مسلمان جاسوس کو پکڑا گیا تھا۔ وہ کسی لڑکی کو قتل کر کے فرار ہو گیا ہے۔ اس لیے حکم آیا ہے کہ ہوشیار رہا جائے۔

اس سنتری کی موجودگی میں گھوڑے کھولنا ممکن نہیں تھا۔ عمران نے اسے باتوں میں لگا لیا اور پیچھے ہو کر اس کی گردن بازو کے گھیرے میں لے لی۔ سنتری کا دم گھٹنے لگا۔ عمران نے اس کے پہلو سے خنجر نما تلوار کھینچ لی اور اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔ مرنے تک اس کی گردن بازو کے شکنجے میں دبائے رکھی۔ اسے مار کر عمران نے رضا کو بلایا۔ دو گھوڑوں پر زینیں ڈالیں اور سوار ہو گئے۔ گرجے کے باقی محافظ کمرے میں کہیں سوئے ہوئے تھے۔ عمران اور رضا چل پڑے۔ شہر سے نکلنے کے کئی راستے تھے۔ وہ ایک طرف چل پڑے اور شہر سے نکل گئے۔ اچانک وہ گھیرے میں آگئے اور انہیں للکارا گیا۔

"ہم شہری ہیں دوستو!" — عمران نے کہا — "ہم بھی تمہاری طرح ڈیوٹی دے رہے ہیں۔"

تین چار مشعلیں جل اٹھیں جن کی روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ وہاں گھوڑ سواروں کا ایک دستہ تھا جو اِدھر اُدھر پھیلا ہوا تھا۔ تب انہیں احساس ہوا کہ شہر کی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ عمران نے اپنے کپڑے نہیں دیکھے تھے۔ اس کے کپڑوں پر سنتری کا خون تھا۔ مشعل کی روشنی میں یہ خون صلیبی سواروں کو نظر آگیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ یہ خون کس کا ہے تو عمران نے لگام کو جھٹکا دے کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ رضا نے بھی ایسا ہی کیا، مگر اس نے ذرا دیر کر دی۔ عمران نکل گیا۔ رضا گھیرے میں آگیا۔ عمران کے پیچھے بھی تین چار سوار گئے۔ اسے رضا کی بلند پکار سنائی دینے لگی — "عمران رُکنا نہیں۔ نکل جاؤ۔ خدا حافظ" — عمران بہت دُور تک یہ پکار سنتا رہا۔ پتہ چلتا تھا جیسے وہ گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ عمران کا گھوڑا اچھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں سے تیر گزرنے لگے لیکن وہ تعاقب کرنے والوں کو پیچھے ہی چھوڑتا چلا گیا۔ وہ راستے سے واقف تھا۔ اس نے کرک کا رُخ کر لیا۔ گھوڑا بدلنے کی ضرورت تھی۔

جب صبح کی روشنی سفید ہو رہی تھی اس کا گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس نے پانی کی تلاش کرنے کی کوشش ہی نہ کی۔ آگے ریتلی چٹانوں کا علاقہ آگیا۔ وہ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے سامنے چٹان میں دو تیر لگے جس کا مطلب تھا کہ رُک جاؤ۔ وہ رک گیا اور یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی کہ اسے روکنے والے اس کی اپنی فوج کے آدمی تھے۔ اسے اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر نے اُس کی بات سُن کر اسے تازہ دم گھوڑا دیا اور دو سپاہی اس کے ساتھ کر کے اسے کرک کے راستے پر ڈال دیا۔ اس نے خود ہی کہا تھا کہ وہ نورالدین زنگی سے مل کر قاہرہ جائے گا۔ عکرہ سے جو خبر لایا تھا وہ زنگی تک بھی پہنچنی چاہیے تھی۔

☆

عمران جب کرک کے قلعے میں نورالدین زنگی کے سامنے بیٹھا اپنی کہانی سنا رہا تھا زنگی اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس خوبرو جوان کو دل میں بٹھا لینا چاہتا ہو۔ اُس نے اٹھ کر بیتابی سے عمران کو سینے سے لگایا اور اس کے دونوں گال چُوم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور پھر نیام میں ڈال کر نیام کو چُوما۔ اسے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر عمران سے کہا — "اس وقت جب صلیب ایک خونناک گِدھ کی طرح ہمارے ستارے پر منڈلا رہی ہے ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تلوار سے بڑھ کر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ تم بغداد میں کہو، دمشق میں کہو، کہیں بھی کہو، میں تمہیں ایک عمل دے سکتا ہوں۔ تم نے جو کارنامہ کر دکھایا ہے اس کے صلے میں تم دولت کے انبار کے حقدار ہو لیکن میرے عزیز دوست! میں تمہارے لیے عمل کھڑا نہیں کروں گا۔ تمہیں دولت کی شکل میں صلہ نہیں دوں گا کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اندھا اور اپاہج کر رکھا ہے۔ یہ قبول کرو، میری تلوار! اور یاد رکھو اس تلوار نے بڑے بڑے جابر صلیبیوں کا خون پیا ہے۔ اس تلوار نے بہت سے قلعوں پر اسلام کا جھنڈا لہرایا ہے اور یہ تلوار اسلام کی پاسبان ہے۔"

عمران نورالدین زنگی کے آگے دوزانو بیٹھ گیا اور اُس کے ہاتھوں سے تلوار لے کر چُومی، آنکھوں سے

لگائی اور کمر سے باندھ لی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکا۔ اُس پر رقت طاری ہوگئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"اور اپنی قدر و قیمت جان لو میرے دوست!" — زنگی نے کہا — "ایک جاسوس دشمن کے لشکر کو شکست دے سکتا ہے اور ایک غلط اپنی پوری قوم کو شکست کی ذلت میں ڈال سکتا ہے۔ تم نے دشمن کو شکست دے دی ہے۔ تم جو خبر لائے ہو یہ دشمن کی شکست کی خبر ہے۔ صلیبی انشاء اللہ مصر اور فلسطین کے ساحل سے آگے نہیں آسکیں گے اور ان کا بحری بیڑہ واپس نہیں جاسکے گا۔ یہ تمہاری فتح ہوگی اور اس کا صلہ تمہیں خدا دے گا۔"

"مجھے قاہرہ کے لیے جلدی روانہ ہو جانا چاہیے" — عمران نے کہا — "دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ امیرِ مصر کو بہت دن پہلے اطلاع مل جانی چاہیے۔"

"تم ابھی روانہ ہو جاؤ" — نورالدین زنگی نے کہا — "میں تمہیں بڑی اچھی نسل کا گھوڑا دے رہا ہوں۔" اُس نے عمران کو قاہرہ تک کا وہ راستہ بتا دیا جس پر گھوڑ چوکیاں تھیں۔ ان پر قاصدوں کے گھوڑے بدلنے کا انتظام تھا ... اور صلاح الدین سے پہلی بات یہ کہنا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کو اپنے خاندان میں جذب کرلو۔ ان کے خاندانوں کی کفالت کا انتظام بیت المال سے کرو" — اس نے عمران سے پوچھا — "تم صرف جاسوسی کر سکتے ہو یا جنگ کو بھی سمجھ سکتے ہو؟"

"کچھ سوجھ بوجھ رکھتا ہوں" — عمران نے جواب دیا — "آپ حکم دیں۔"

"پیغام لکھنے کا وقت نہیں" — زنگی نے کہا — "صلاح الدین سے کہہ دینا کہ مجھے کرک تمہارے حوالے کرکے بغداد جلدی واپس جانا تھا۔ اطلاعیں مل رہی ہیں کہ اُن علاقوں میں صلیبیوں کی تخریب کاری بڑھتی جا رہی ہے اور ہمارے چھوٹے چھوٹے حکمران ان کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں لیکن اس تازہ خبر نے مجھے رُکنے پر مجبور کر دیا ہے۔ چار پانچ سال پہلے تم نے بحیرۂ روم میں صلیبیوں کا بیڑہ غرق کیا تھا۔ وہ تمہارے پھندے میں آگئے تھے۔ اب وہ محتاط ہو کر آئیں گے۔ اسی لیے انہوں نے سکندریہ کے شمالی ساحل کو منتخب کیا ہے۔ اگر تم ان سے سمندر میں براہ راست ٹکر لینے کا فیصلہ کرو تو یہ تمہاری غلطی ہوگی۔ تمہارے پاس صلیبیوں جتنی بحری طاقت نہیں ہے۔ ان کے جہاز بڑے ہیں اور ہر جہاز میں بادبانوں کے علاوہ بے شمار چپو ہیں۔ چپو چلانے کے لیے ان کے پاس غلاموں کی بے انداز تعداد ہے۔ تم اتنی تعداد سے محروم ہو۔ تمہارے جہازوں کے چپو چلانے والے ملاح ہیں اور سپاہی بھی۔ سمندری جنگ میں وہ دونوں کام نہیں کر سکیں گے۔ صلیبیوں کو ساحل پر آنے دو۔ سکندریہ کو بحری گولوں کا خطرہ ہوگا۔ آتشیں گولے شہر کو آگ لگا دیں گے۔ اس کا کوئی انتظام کر لینا...

"اگر دشمن نے اسی انداز سے حملہ کیا جیسا کہ عمران خبر لایا ہے تو میں دشمن کے پہلو پر ہوں گا۔ یہ اس کا بایاں بازو ہوگا۔ تم دائیں پہلو کو سنبھالو گے اور تمہارے ذمے ایک کام یہ ہوگا کہ صلیبیوں کا کوئی جہاز واپس نہ جانے دینا۔ اگر تمہارے پاس سمندری چپو پر مار ہوں تو تم جانتے ہو کہ ان سے کیا کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ سوڈان کی طرف سے چوکنا رہنا۔ وہ سرحد خالی نہ دے۔ مجھے احساس ہے کہ تمہارے پاس فوج کم ہے۔ میں یہ

کمی پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ سب سے بڑی ضرورت راز داری کی ہے۔ راز داری کی خاطر میں پیغام تحریری نہیں بھیج رہا۔ فتح کی صورت میں، میں کرک فوج کے حوالے کرکے بغداد چلا جاؤں گا۔"

یہ پیغام ذہن نشین کرکے عمران قاہرہ روانہ ہوگیا۔

صلیبیوں کے سن ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے جب علی بن سفیان نے صلاح الدین ایوبی کو اطلاع دی کہ عکرہ میں ایک جاسوس شہید ہوگیا ہے اور دوسرا پکڑا گیا ہے اور ان کا کمانڈر عمران واپس آگیا ہے تو یہ جان لینے کے باوجود کہ عمران بڑا ہی قیمتی راز لایا ہے سلطان ایوبی سمجھ گیا۔ اس نے علی بن سفیان کے ساتھ چند ایک باتیں کرکے عمران کو اندر بلایا اور اٹھ کر اسے گلے لگا لیا، پھر کہا — "پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارا ایک ساتھی شہید کس طرح ہوا اور دوسرا پکڑا کس طرح گیا ہے؟"

عمران نے پوری تفصیل سے ساری کہانی بیان کر دی اور جب اس نے وہ راز بیان کیا جو وہ عکرہ سے لایا تھا تو سلطان ایوبی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ عمران نے یہ بھی بتایا کہ وہ نورالدین زنگی کو اطلاع دے آیا ہے۔ اس نے سلطان ایوبی کو زنگی کا پیغام سنایا۔ اس سے سلطان ایوبی کا بہت سا وقت بچ گیا تھا۔ اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ رحیم اور رضا کے خاندانوں کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور ان خاندانوں کے متعلق معلومات پیش کرنے کو کہا تاکہ اس کے مطابق ان کی مزید مدد کی جائے۔ اس کے بعد اس نے عمران سے بہت سی باتیں پوچھیں۔ عمران نے اسے بتایا کہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ چار پانچ سال پہلے کی نسبت زیادہ ہوگا۔ حملہ ایک ماہ کے اندر اندر ہوگا۔ یورپ سے تازہ دم فوج لائی جائے گی جسے سکندریہ کے شمال میں اتارا جائے گا۔ دوسری فوج بیت المقدس کے علاقے سے آگے گی جو مصر کی طرف پیشقدمی کرے گی۔ سکندریہ کے شمال میں اترنے والی فوج سکندریہ پر قبضہ کرکے اسے اڈہ اور رسدگاہ بنائے گی اور شمال کی طرف سے مصر پر حملہ آور ہوگی۔ عمران کے کہنے کے مطابق صلیبیوں کو یہ توقع ہے کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جا لیں گے اور نورالدین زنگی اسے مدد اور کمک نہیں دے سکے گا کیونکہ راستے میں صلیبیوں کی بیت المقدس والی فوج حائل ہوگی۔

یہ ایسا طوفان تھا جو بے خبری میں آجاتا تو مصر پر صلیبیوں کا قبضہ یقینی تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسی وقت اپنے تمام سینئر کمانڈروں کو بلا لیا۔ علی بن سفیان کو اس نے یہ ہدایت دی کہ وہ دشمن کے جاسوسوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دے تاکہ اپنی فوجوں کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی خبر باہر نہ جا سکے۔ سکندریہ کے متعلق اس نے خصوصی ہدایات دیں۔

☆

برطانیہ ابھی اس جنگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ انگریزوں کو غالباً یہ توقع تھی کہ کسی وقت وہ اکیلے ہی مسلمانوں کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قابض ہو جائیں گے لیکن پوپ (سب سے بڑے پادری) کے کہنے پر انگریزوں نے صلیبیوں کو اپنے کچھ جنگی جہاز دیئے تھے۔ سپین کا تمام بیڑہ اس حملے میں شرکت کے لیے تیار تھا۔ فرانس، جرمنی اور بلجیم کے جہاز بھی آگئے تھے اور اس متحدہ بیڑے میں یونان اور سسلی کی جنگی کشتیاں بھی شامل تھیں۔ سید

اور سامان کے بیڑے ماہی گیروں سے بادبانی کشتیاں لے لی گئی تھیں۔ ان میں بعض خاصی بڑی تھیں۔ اس بیڑے میں اُن تمام ممالک سے تازہ دم فوج آ رہی تھی جس سے صلیب پر حلف لیا گیا تھا کہ فتح حاصل کیے بغیر واپس نہیں آئے گی۔

"اگر صلاح الدین ایوبی نے ہمارا مقابلہ اپنے بحری بیڑے سے کیا تو اس کی اُسے مصر جتنی قیمت دینی پڑے گی۔" فرانسیسی بحریہ کے کمانڈر نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں اس کے بحری بیڑے کی کتنی کچھ طاقت ہے"۔ وہ بحیرۂ روم کے دوسرے کنارے پر ایک کانفرنس میں بیٹھا کہہ رہا تھا۔ "صلاح الدین اور نورالدین خشکی پر لڑنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیے کہ اس حملے کی خبر مسلمانوں کو قبل از وقت نہیں ہوگی اور صلاح الدین ایوبی کو اُس وقت خبر ہوگی جب ہم قاہرہ کو محاصرے میں لے چکے ہوں گے۔ نورالدین زنگی اُس کی مدد کے لیے نہیں پہنچ سکے گا اور ہمارا یہ حملہ فیصلہ کن ہوگا۔"

"میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ سوڈانیوں کو استعمال کرنا ضروری ہے"۔ رینالٹ نے کہا۔ رینالٹ ایک مشہور صلیبی حکمران اور جنگجو تھا۔ اسے بیت المقدس کی طرف سے خشکی پر آنا اور حملہ کرنا تھا۔ وہ شروع سے زور دے رہا تھا کہ وہ مصر پر شمال اور مشرق سے حملہ کریں تو جنوب سے سوڈانی بھی مصر پر حملہ کر دیں گے۔

"آپ پچھلے تجربوں کو بھول جاتے ہیں"۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن فلپ آگسٹس نے کہا۔ "۱۱۶۹ء میں ہم نے سوڈان کو بے دریغ مدد دی تھی اور اس توقع پر ہم نے سمندر سے حملہ کیا تھا کہ سوڈانی جنوب سے حملہ کریں گے اور صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جو سوڈانی ہیں وہ بغاوت کر دیں گے مگر انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ دو سال بعد پھر انہیں مدد دی گئی۔ انہوں نے یہ بھی ضائع کر دی۔ اب کے پھر انہوں نے ہمیں مایوس کیا۔ ہم کیوں انہیں اپنے منصوبے میں شریک کریں؟ اگر مصر ہم نے اپنی طاقت سے لے لیا تو سوڈانی ہم سے حصہ مانگیں گے۔ آپ یہ بھول رہے ہیں کہ سوڈانیوں میں مسلمانوں کی تعداد کم نہیں۔ مسلمان پر بھروسہ کرنا غلطی ہے۔ اگر آپ سچے دل سے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں تو کسی مسلمان کو اپنا دوست نہ سمجھیں۔ انہیں خرید کر اپنا دوست ضرور بنائیں لیکن دل میں اس کی دشمنی قائم رکھیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں"۔ ایک اور صلیبی بادشاہ نے کہا۔ "آپ لوگوں نے فاطمیوں کو دوست بنایا۔ وہ صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہوتے ہوئے بھی اسے ابھی تک قتل نہیں کر سکے۔ ہم نے انہیں بڑے بڑے قابل جاسوس اور تخریب کار دیئے جو انہوں نے اپنی غلطیوں سے پکڑوا کر مروا دیئے۔ اب ہم کسی پر بھروسہ نہیں کریں گے۔ ہمیں اپنی جنگی طاقت پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اب ہم کامیاب ہوں گے۔"

ان کی جنگی طاقت اتنی زیادہ تھی کہ وہ اس سے زیادہ تکبر کرنے میں حق بجانب تھے۔ بحری بیڑے کا تو کوئی حساب ہی نہ تھا۔ بیت المقدس کی طرف سے جو فوج آ رہی تھی وہ سمندر کی طرف سے آنے والی نفری سے دگنی تھی۔ یورپی مؤرخوں میں تعداد کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے تو اس حملے کا صلیبی جنگوں میں ذکر ہی نہیں کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اس حملے میں کم و بیش صلیبیوں کی چھ بادشاہیاں شامل تھیں۔ کچھ چھوٹے چھوٹے حکمران بھی تھے جو اپنی فوجیں لے آئے تھے۔ ان میں خامی یہ تھی کہ ان کی کمان متحدہ نہیں تھی

تاہم یہ لشکر نورالدین زنگی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کو آسانی سے شکست دے سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کی فوج کم تھی۔ اس کے علاوہ مصر میں غداروں نے بدامنی پھیلا رکھی تھی اور سب سے بڑا خطرہ یہ کہ سوڈانی بھی حملہ کر سکتے تھے۔ نورالدین زنگی کو بھی کچھ ایسی ہی دشواریوں کا سامنا تھا۔ دنیائے اسلام چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور یہ حکمران عیش و عشرت کے عادی ہو چکے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں اپنے زیر اثر لے رکھا تھا۔ وہ آپس میں بھی پھٹے ہوئے تھے اور انہیں اسلام کی ناموس کا ذرہ بھر احساس نہ تھا۔

سلطان ایوبی نے اپنے سینئر کمانڈروں کو بلا کر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصے کو اُس نے سوڈان کی سرحد پر چلے جانے کو کہا۔ اس کے کمانڈر کو یہ ہدایت دی کہ وہ سرحد سے خاصا پیچھے خیمہ زن رہے لیکن فوج کو مختلف جگہوں پر اس طرح متحرک رکھے کہ گرد اڑتی رہے اور یہ ظاہر ہو کہ فوج کی تعداد بے حساب ہے۔ سلطان ایوبی نے خصوصی حکم یہ دیا کہ کسی بھی وقت فوج آرام کی حالت میں نہ رہے۔ دوسرے حصے کو سکندریہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا گیا لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ کوچ رات کو ہوگا اور تمام پڑاؤ دن کے وقت ہوں گے اس کے کمانڈر کو بتایا گیا کہ اسے یہ حکم بعد میں ملے گا کہ اس کی منزل کیا ہے اور آخری خیمہ گاہ کہاں ہوگی۔ تیسرے حصے کو سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس نے کسی بھی کمانڈر کو نہ بتایا کہ یہ احکام کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ یہ سب نے دیکھا کہ تمام تر منجنیقیں اس فوج کو دی گئی تھیں جو سکندریہ کی طرف جا رہی تھیں۔

اس کے سات آٹھ روز بعد سلطان ایوبی قاہرہ میں نہیں تھا اور نورالدین زنگی کرک میں نہیں تھا۔ وہ دونوں سکندریہ کے مشرق میں گھوم پھر رہے تھے مگر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ دونوں کسی ملک کے حکمران اور فوجوں کے کمانڈر ہیں اور یہ وہ دو انسان ہیں جو صلیبیوں کے لیے سراپا دہشت بنے ہوئے ہیں۔ وہ غریب سے دو شتربان تھے جو معلوم نہیں کہاں سے آئے تھے اور کہاں جا رہے تھے۔ انہوں نے ساحل پر جا کر بحیرۂ روم کی وسعت کو نظروں سے بھانپا اور ناپا۔ دو تین چار دن میں دُور دُور گھوم گئے۔ سلطان ایوبی سکندریہ اور نورالدین زنگی کرک چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو کچھ احکام دیئے اور وہ چلا گیا۔

☆

صلیبیوں کا بیڑہ مکمل خاموشی اور رازداری سے آیا۔ بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج چل پڑی۔ دونوں کی روانگی کے اوقات میں مطابقت تھی۔ صلیبیوں نے بڑے اچھے موسم کا انتخاب کیا تھا۔ اس موسم میں سمندر خاموش رہتا ہے۔ تلاطم اور طوفان کا خطرہ نہیں ہوتا۔ صلیبی جہازوں کے کپتانوں کو مصر کا ساحل نظر آنے لگا، لیکن انہیں سلطان ایوبی کا کوئی جہاز نظر نہیں آ رہا تھا۔ سب سے اگلے جہاز کے کپتان نے سمندر میں ماہی گیروں کی ایک کشتی دیکھی۔ اس نے جہاز ان کے قریب کر کے اوپر سے جھک کر پوچھا۔ "جنگی جہاز کہاں ہیں؟ اگر غلط بتاؤ گے تو تمہیں ڈبو کر مار ڈالیں گے۔"

ماہی گیروں نے کہا۔ "مصر کے جہاز اس طرف نہیں دیکھے جاتے۔ یہاں سے بہت دُور ہیں۔"

جہاز روک کر رسّہ پھینکا گیا۔ دو ماہی گیر رسّے کے ذریعے جہاز پر چلے گئے۔ انہوں نے کپتان کو مصر کے جنگی

جہازوں کے متعلق جو معلومات دیں وہ یہ تھیں کہ کئی جہاز مرمت ہو رہے ہیں۔ جو جہاز اچھی حالت میں ہیں وہ اتنی دور ہیں کہ سکندریہ تک پہنچتے دو دن لیں گے کیونکہ بادبانوں اور چپوؤں کے لحاظ سے وہ کمزور اور کم رفتار ہیں۔ ماہی گیر نے جو سب سے زیادہ تسلی بخش بات بتائی وہ یہ تھی کہ چونکہ سلطان ایوبی بحریہ کی طرف توجہ نہیں دیتا اس لیے جنگی ملاح عیش و عشرت میں پڑے رہتے ہیں۔ ساحل کے ساتھ جو دیہات ہیں وہاں چلے جاتے ہیں۔ ماہی گیروں سے مچھلیاں چھین لیتے ہیں۔

صلیبی بحریہ کے راہنما کے لیے یہ معلومات خوشخبری سے کم نہ تھیں۔ اُس نے اپنا جہاز روک لیا اور ایک کشتی کے ذریعے اس بیڑے کے کمانڈر کے جہاز تک گیا۔ اُسے اس نے یہ معلومات دیں جو اس نے ان دو ماہی گیروں سے لی تھیں۔ ان کے لیے میدان صاف تھا۔ کمانڈر نے بیڑے کو وہیں روک لیا۔ وہ شام کے بعد اندھیرے میں ساحل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے وہ جگہ بتا دی گئی تھی جہاں ساحل کے ساتھ پانی اتنا گہرا تھا کہ جہاز ریت میں پھنسے بغیر ساحل تک آ سکتے تھے۔ وہاں فوج کو آسانی سے اتارا جا سکتا تھا۔۔۔۔ سکندریہ کی بندرگاہ سے ایک کشتی کھلے سمندر کی طرف چلی گئی جو بظاہر ماہی گیروں کی تھی۔ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا جب یہ کشتی بیڑے تک پہنچ گئی۔ بم دہش اڑھائی سو جنگی جہاز سمندر میں دور دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ ماہی گیر اپنی کشتی کو بیڑے کے درمیان لے گئے اور پوچھ پوچھ کر کمانڈر کے جہاز تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بتایا کہ سکندریہ کے اندر کوئی فوج نہیں ہے۔ صرف شہری آبادی ہے اور مصری بیڑے کے جنگی جہاز یہاں سے بہت دور ہیں ــــ یہ ماہی گیر مسلمانوں کے جاسوس تھے۔

رات کا پہلا پہر تھا جب اگلی صف کے جنگی جہاز ساحل کی طرف بڑھے۔ اور کسی دشواری کے بغیر ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ پچھلی صف کے جہاز ان کے قریب، عقب میں آئے اور لنگر ڈال دیئے۔ تیسری صف بھی قریب آ گئی۔ فوج اتارنے کا انتظام غالباً یہ تھا کہ ہر ایک جہاز کو ساحل پر نہیں آنا تھا بلکہ تمام جہازوں کو ساتھ ملا کر ان میں سے فوج کو گزار کر اترنا تھا۔ سکندریہ پر خاموشی سے حملہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اطلاع کے مطابق وہاں چونکہ فوج نہیں تھی اس لیے قبضہ مشکل نہ تھا۔ اگلے جہازوں سے جو فوج اترنی اسے سکندریہ میں داخل ہونے کا حکم دے دیا گیا اور سپاہیوں کو بتایا گیا کہ شہر ان کا اپنا ہے، کوئی مزاحمت نہیں ہو گی۔ سپاہی دوڑ پڑے۔ انہیں شہر کو لوٹنا تھا اور ان کی نظر عورتوں پر بھی تھی۔

جونہی سپاہیوں کا یہ ہجوم شہر کے قریب آیا شہر کے باہر دائیں اور بائیں شعلے اٹھے جن سے رات روشن ہو گئی۔ یہ گھاس، لکڑیوں اور کپڑوں کے انبار تھے جن پر تیل ڈالا گیا تھا۔ ان سے روشنی کا کام لینا تھا۔ شہر کی گلیوں میں بھی مشعلیں جل اٹھیں اور مکانوں کی چھتوں سے تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ صلیبی پیچھے کو بھاگے تو دائیں اور بائیں سے ان پر تیر برسنے لگے۔ ان کے لیے سنبھلنا مشکل ہو گیا۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے رات لرزنے لگی۔ ان صلیبیوں کی تعداد کم و بیش دو ہزار تھی۔ ان میں سے شاید ہی کوئی زندہ پیچھے گیا ہو گا۔ صلیبی فوج جو ابھی جہازوں میں تھی اُسے آگے آنے کا حکم ملا۔ جہازوں میں سے صلیبیوں کی منجنیقیں آتشیں گولے پھینکنے لگیں اور دور مار تیر بھی

آنے لگے۔

سب سے پیچھے والے دو تین جنگی جہازوں میں سے شعلے اٹھے۔ صلیبی کپتانوں نے پیچھے دیکھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سمندر سے آگ کے گولے اٹھتے ہیں اور ان کے جہازوں میں آ کر گرتے ہیں۔ صلیبیوں نے خوش فہمیوں میں مبتلا ہو کر جہازوں کو ہجوم کی صورت میں اکٹھا کر دیا تھا اور وہ سلطان ایوبی کے پھندے میں آ گئے تھے۔ دن کے وقت اگلے جہاز کو جو ماہی گیر ملے تھے وہ علی بن سفیان کے محکمے کے آدمی تھے۔ یہ قدرتی سی بات تھی کہ سمندر میں ماہی گیر ملے تو صلیبی کپتان نے ان سے معلومات حاصل کیں۔ ماہی گیروں نے غلط معلومات دیں۔ انہوں نے صرف یہ بات ٹھیک بتائی تھی کہ مصری بیڑہ یہاں سے دور ہے۔ وہ واقعی دور تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے امیر البحر کو بتا دیا تھا کہ وہ سمندر پر نظر رکھے۔ کسی بھی وقت حملہ آ جائے گا۔ امیر البحر نے دیکھ بھال کا اچھا انتظام کر رکھا تھا۔ اسے قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ صلیبی بیڑہ سمندر کے وسط تک آ گیا ہے۔ چنانچہ امیر البحر اپنے چند ایک جنگی جہاز جن میں آتشیں گولے پھینکنے والی منجنیقیں تھیں ایک طرف دور لے گیا تھا۔ اُس نے بادبان بھی اتار لیے تھے اور مستول بھی تاکہ دور سے جہاز نظر نہ آ سکیں۔ ان کی بجائے اس نے ایک ایک چپو پر دو دو آدمی لگا دیئے تاکہ رفتار تیز رہے۔

شام کے بعد جب صلیبی بیڑہ ساحل کے قریب گیا تو امیر البحر نے مستول بھی چڑھا دیئے اور بادبان بھی اور چپوؤں کی رفتار بھی تیز رکھی اور اس طرح وہ صلیبی بیڑے کے عقب میں جا اُس وقت پہنچ گیا جب صلیبیوں نے اپنے جہاز ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیئے تھے۔ صلیبیوں کو دوسرا دھوکہ "ان ماہی گیروں" نے دیا تھا جو سکندریہ سے روانہ ہوئے تھے۔ انہوں نے صلیبی کمانڈر سے کہا تھا کہ وہ ان کے جاسوس ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ سکندریہ میں کوئی فوج نہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ شہر کے ان مکانوں میں جو سمندر کی طرف تھے وہاں صرف فوج تھی شہریوں کو محفوظ حصے میں بھیج دیا گیا تھا۔

سلطان ایوبی کا امیر البحر بہت تھوڑے جہاز لے کر گیا تھا۔ انہوں نے نقصان تو بہت کیا لیکن دشمن کے کئی ایک جہاز بچ کر نکل گئے۔ دوسروں نے مقابلہ کیا۔ جلتے جہازوں نے رات کو دن بنا دیا تھا۔ اس روشنی میں سلطان ایوبی کے جہاز بھی نظر آنے لگے تھے۔ ان میں سے ایک جہاز صلیبیوں کی منجنیقوں کی زد میں آ گیا۔ امیر البحر نے اپنے جہازوں کو پیچھے ہٹانا شروع کر دیا کیونکہ دشمن جہازوں کی افراط کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گھیرا ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سکندریہ میں سلطان ایوبی کے جانبازوں نے جوش میں آ کر ساحل پر بلہ بول دیا اور جہازوں پر آتشیں تیر پھینکنے لگے۔ یہ جانباز مصر کی فوج کے اُس تیسرے حصے کے تھے جسے سلطان ایوبی نے اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔ انہیں غیر فوجی لباس میں سکندریہ میں مکانوں میں مورچہ بند کیا گیا تھا اور نہایت خاموشی سے شہریوں کو دوسرے مکانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی عقل اور دھوکے کی جنگ لڑ رہا تھا اور کم سے کم طاقت استعمال کر رہا تھا۔ اس نے ابھی خامی نفری اپنے زیر کمان ریزرو میں رکھی ہوئی تھی۔

رات بھر یہ جنگ جاری رہی۔ سمندر میں کئی جہاز جل رہے تھے۔ وہاں قیامت کا منظر بنا ہوا تھا۔ صلیبی

بیڑہ چونکہ زیادہ تھا بلکہ سلطان ایوبی کے جہازوں کی نسبت بہت ہی زیادہ اس لیے صلیبی جہاز تباہی سے نکل کر مسلمانوں کے جہازوں کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ صورت گھیرے والی بن گئی تھی۔ رات کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ اپنے جہازوں کی کیفیت کیا ہے۔ سلطان ایوبی وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنے اُن جہازوں کو جنہیں اُس نے محفوظ کے طور پر رکھا ہُوا تھا حکم بھیج دیا کہ صلیبی جہازوں کو دُور کاٹ کر اُلجھائیں۔ رات کے پچھلے پہر باقی جہاز بھی معرکے میں شریک ہو گئے۔ اس میں بہادری تو اُن ملاحوں کی تھی جو چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اپنے جہازوں کو تیر، آتش گیر مادہ اور گولے پہنچا رہے تھے۔ اپنے جہازوں کو ڈھونڈنا بہت ہی مشکل کام تھا۔

صبح طلوع ہو رہی تھی جب امیر البحر ایک کشتی میں ساحل پر آیا۔ اس کے ساتھ چند ایک بحری سپاہی تھے۔ امیر البحر کے کپڑے خون سے لال تھے اور اس کی ایک ٹانگ جھلسی ہوئی تھی۔ اس کا جہاز نذرِ آتش ہو گیا تھا۔ اور وہ چند ایک جوانوں کو سمندر سے نکال لایا تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کو بڑی عجلت میں معرکے کی صورتِ حال بتائی جو مختصر یہ تھی کہ اس کے آدھے جہاز تباہ ہو چکے تھے لیکن صلیبیوں کو اتنا زیادہ نقصان پہنچایا جا چکا تھا کہ وہ زیادہ دیر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ سلطان ایوبی نے اُسے بتایا کہ باقی جہازوں کو بھی بھیج دیا گیا ہے۔ یہ اقدام امیر البحر کی خواہش اور ضرورت کے عین مطابق تھا۔ اس نے سلطان ایوبی سے کہا — "صلیبیوں کو سب سے زیادہ نقصان وہ بوجھ دے رہا ہے جو انہوں نے جہازوں میں لاد رکھا ہے۔ رسد کے علاوہ اُن کے جہازوں میں فوج بھی ہے اور بعض جہازوں میں گھوڑے ہیں۔ اس بوجھ کی وجہ سے اُن کے جہاز رفتار میں نہیں آتے اور گھومنے میں دیر لگاتے ہیں۔ میرے جہاز خالی ہیں۔"

امیر البحر اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اس کا سر ڈول رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے اپنے طبیب اور جراح کو بلایا مگر امیر البحر نے پروانہ کی۔ سلطان ایوبی کا ہیڈ کوارٹر ساحل کے چٹانی علاقے میں تھا۔ وہ ایک اونچی چٹان پر کھڑے تھے۔ سورج کی پہلی کرنوں نے سمندر اور ساحل کا جو منظر دکھایا وہ ہیبت ناک تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی، سمندر میں جہاز مست سانڈوں کی طرح سمندر کو چیر رہے تھے۔ بہت سے جہاز جل رہے تھے۔ بعض مستول ٹوٹ جانے اور بادبان بے کار ہو جانے سے ایک ہی جگہ کھڑے ہچکولے کھا رہے تھے۔ سمندر میں بہت سے انسان تیرتے نظر آ رہے تھے اور موجیں لاشوں کو ساحل پر پٹخ رہی تھیں۔ اپنے جہازوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا۔ دُور مغرب کی طرف سمندر سے مستولوں کے بالائی حصے اُبھرے، پھر بادبان نظر آئے۔ جہاز ایک صف میں ایک دوسرے سے دُور دُور معرکے کی طرف بڑھے آ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے کہا — "تمہارے جہاز آ رہے ہیں۔" اُس نے اِدھر دیکھا۔ وہاں امیر البحر نہیں تھا۔

امیر البحر اپنے جہازوں کو آتا دیکھ کر سلطان کو بتائے بغیر چٹان سے اتر گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو وہ اُس وقت نظر آیا جب وہ ایک کشتی میں بیٹھ چکا تھا اور کشتی کا بادبان کھل چکا تھا۔ یہ دس چپوؤں کی کشتی تھی۔ سلطان ایوبی نے چلا کر اسے پکارا — "سعدی! تم واپس آ جاؤ۔ میں نے تمہاری جگہ ابو فرید کو بھیج دیا ہے۔"

امیر البحر دُور نکل گیا تھا۔ اُس نے بلند آواز سے کہا — "یہ میری جنگ ہے۔ خدا حافظ" — اور اُس کی کشتی دُور ہی دُور ہٹتی گئی پھر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

قاصد نے سلطان ایوبی کو اطلاع دی کہ سکندریہ سے شمال مشرق کی طرف تین میل دُور صلیبیوں کی کچھ فوج اُتر آئی ہے اور وہاں خونریز معرکہ لڑا جا رہا ہے۔ سلطان ایوبی نے وہاں جانے کی بجائے کچھ احکام جاری کر دیئے اور سمندری جنگ کو دیکھتا رہا — اور اُس نے یہ منظر بھی دیکھا کہ صلیبیوں کا ایک جہاز ساحل کے نزدیک آ گیا تھا۔ سلطان ایوبی کے بیڑے کا ایک جہاز اس کے قریب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صلیبیوں نے تیروں کی بوچھاڑیں کیں لیکن مسلمان ملاحوں نے پروا نہ کی۔ وہ اپنے جہاز کو صلیبی جہاز کے اتنا قریب لے آئے کہ کُود کر اس میں چلے گئے اور دست بدست لڑ کر جہاز پر قبضہ کر لیا، مگر یہ معرکہ اتنا سہل نہ تھا جیسا بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان بحریہ کے سرفروش ملاحوں نے خون اور جان کی بے دریغ قربانی دی۔ وہ تین تین چار چار جہازوں کے گھیرے میں لڑے۔ دشمن کے جہازوں میں کُود کُود کر لڑے۔ تیروں سے چھلنی ہوئے مگر اس طرح معرکے میں سے نکلنے کی نہ سوچی جس طرح صلیبی اپنے جہاز نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

صلیبیوں کی کمر رات کو ہی ٹوٹ گئی تھی۔ اُن کے کمانڈر صلیب کا ملف پورا کر رہے تھے اور انہیں صبح تک یہ اُمید لڑاتی رہی کہ وہ سلطان ایوبی کی قلیل سی بحری قوت پر قابو پا لیں گے لیکن اگلے دن کے پچھلے پہر تک اُن کی کیفیت اتنی بگڑ چکی تھی کہ جہاز بکھر کر اُدھر کو ہی جا رہے تھے جدھر سے آئے تھے۔ وہ اپنی زیادہ تر قوت مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ کر گئے تھے — اور اُن کی جو تھوڑی سی فوج ساحل پر اُتری تھی وہ سکندریہ سے تین چار میل دُور شمال مشرق میں کچھ کٹ گئی تھی باقی نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج کا دوسرا حصہ ابھی جنگ میں شریک ہی نہیں ہُوا تھا۔ سلطان ایوبی کے پاس قاصد آ رہے تھے، جا رہے تھے، اور جب اُسے یقین ہو گیا کہ صلیبی ناکام ہو گئے ہیں تو اُس نے فوج کے دوسرے حصے کو ایک اور محاذ دے دیا۔ عمران کی اطلاع کے مطابق بیت المقدس کی طرف سے بھی صلیبی فوج کر آ رہی تھی۔ اُس کے لیے نورالدین زنگی گھات میں تھا، تاہم پیش بندی کے طور پر سلطان ایوبی نے دفاع مضبوط کر لیا۔ تیسرے حصے کو جو اُس نے اپنے زیرِ کمان ریزرو میں رکھا ہُوا تھا، اُن صلیبیوں کو پکڑنے پر لگا دیا جو سمندر سے نکل رہے تھے۔

سورج کی آخری کرنوں نے سلطان ایوبی کو یہ منظر دکھایا کہ صلیبیوں کے وہی جہاز نظر آ رہے تھے جو جل چکے تھے اور ابھی ڈوبے نہیں تھے یا وہ جنہیں پکڑ لیا گیا تھا یا اُن جہازوں کے بادبان نظر آ رہے تھے جو واپس جاتے ہوئے دُور ہی دُور ہٹتے جا رہے تھے۔ اُس کی اپنی بحریہ کے جہاز جو بچ گئے تھے ساحل کی طرف آ رہے تھے۔ دیکھنے والوں نے اندازہ لگایا کہ سلطان کی آدھی بحریہ معرکہ پر قربان ہو گئی تھی۔ کشتیاں ساحل پر آ رہی تھیں۔ ان میں اپنے بحری سپاہی آتے تھے جو زخمی تھے یا سمندر سے نکالے گئے تھے۔ ان کے جہاز تباہ ہو گئے تھے۔ ایک کشتی اُس چٹان کے قریب آ کے ساحل سے لگی جس پر سلطان ایوبی کھڑا تھا۔ اس میں کسی کی لاش تھی۔ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے پوچھا — "یہ کس کی لاش ہے؟"

"امیر البحر سعدی بن سعد کی۔" ایک ملاح نے جواب دیا۔

سلطان ایوبی دوڑ کر نیچے اُترا۔ لاش سے کپڑا ہٹایا۔ اُس کے امیر البحر کی لاش خون سے لال ہو چکی تھی۔ ملاحوں

نے بتایا کہ امیر البحر نے ایک جہاز تک پہنچ کر بحریہ کی کمان لے لی تھی اور جنگ لڑاتے رہے۔ انہوں نے اس جہاز پر اپنی کمان کا جھنڈا چڑھا دیا تھا۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ صلیبیوں کے چار جہازوں نے انہیں گھیر لیا۔ ان میں سے دو تباہ ہوئے اور امیر البحر کا جہاز بھی تباہ ہو گیا۔ اس وقت تک معرکہ ختم ہو چکا تھا ــــ سلطان ایوبی نے امیر البحر کی لاش کا ہاتھ چوما اور کہا ــــ "تم سمندر کے فاتح ہو۔ میں کچھ بھی نہیں"۔

اس نے جہاں یہ حکم دیا کہ دشمن کے جو جہاز پیچھے رہ گئے ہیں اُن سے سامان نکالا جائے وہاں جذباتی لہجے میں کہا ــــ "تمام کشتیاں سمندر میں ڈال دو اور کسی شہید کی لاش سمندر میں نہ رہنے دو۔ انہیں یہیں دفن کرو جہاں بحیرۂ روم کی ہوائیں ان کی قبروں کو ٹھنڈی رکھیں"۔

بحری شہیدوں کی تعداد کم نہیں تھی۔

☆

بیت المقدس سے صلیبیوں کی فوج کوچ کر چکی تھی اور آدھا راستہ طے کر آئی تھی۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ اُن کی بحریہ اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے قلب میں صلیبیوں کا مشہور جنگجو حکمران ریجنالٹ تھا۔ اس فوج کے بھی تین حصے تھے۔ ایک آگے تھا۔ دوسرا کچھ دور پیچھے درمیان میں اور تیسرا بہت دائیں کو ہٹ کر آ رہا تھا۔ اس کی متعدد کمان ریجنالٹ کے پاس تھی اور اُسے یہ توقع تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو بے خبری میں جا لے گا۔ تصوروں میں اُسے فاتحہ نظر آ رہا تھا۔ گھوڑا گاڑیوں کے قافلے، رسد بھی ساتھ لا رہے تھے۔ سکندریہ سے بہت دور شمال مشرق میں ایک وسیع خطہ ریت اور مٹی کے ٹیلوں اور نشیب و فراز کا ہوا کرتا تھا۔ آٹھ صدیوں نے اس خطے کو اب ویسا نہیں رہنے دیا۔ اس کے قریب باقی علاقہ صحرا تھا اور اس صحرا میں پانی بھی تھا۔ ریجنالٹ نے ایک پڑاؤ وہاں کیا۔ اس کی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تھا۔ دائیں طرف والا حصہ دور تھا۔ آدھی رات کا وقت ہوگا۔ ریجنالٹ کے کیمپ میں قیامت بپا ہو گئی۔ اس کے کچھ بھی پتے نہ پڑا کہ یہ قیامت آسمان سے ٹوٹی ہے یا اس کی اپنی فوج نے بغاوت کر دی ہے۔

اُس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ نورالدین زنگی کی گھات میں آ گیا ہے۔ زنگی نے کئی دنوں سے اپنی فوج کو ٹیلوں اور نشیب و فراز کے اس علاقے میں لا کے بٹھا رکھا تھا۔ اس نے یہ سوچا تھا کہ یہاں پانی قریب ہے اس لیے صلیبی یہاں پڑاؤ کریں گے۔ صلیبی فوج کا اگلا حصہ آگے نکل گیا تو زنگی کے کمانڈروں کو مایوسی ہوئی۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ رات کو پڑاؤ پر حملہ کرنا ہے۔ وہاں پڑاؤ نہ ہوا۔ بہت دیر بعد انہیں دور سے گرد کے بادل نظر آئے تو وہ سمجھے کہ آندھی آ رہی ہے۔ صحرائی آندھی بڑی خوفناک ہوا کرتی ہے لیکن یہ آندھی نہیں صلیبی فوج کا درمیانی حصہ تھا جو اسی جگہ آ کر رک گیا، جہاں نورالدین زنگی کو توقع تھی۔ صلیبیوں نے خیمے نہ لگائے کیونکہ انہیں صبح کوچ کرنا تھا۔ جانوروں کو الگ باندھ دیا گیا اور پھر سورج ڈوب گیا۔

آدھی رات کو زنگی کے دستے جو گھات میں تھے باہر آئے۔ یہ سب سوار تھے۔ انہوں نے پہلے تو اندھیرے میں تیروں کا مینہ برسایا اور جب سوئے ہوئے سپاہیوں میں بھگدڑ مچی تو سواروں نے گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ وہ

اندھا دھند برچھیاں اور تلواریں چلاتے گئے اور آگے نکل گئے۔ صلیبی سنبھلے: پائے تھے کہ سواروں نے پھر پلٹا بول دیا۔ صلیبیوں کے بندھے ہوئے گھوڑوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔ یہ سب بھاگ اٹھے۔ ریجنالٹ وہاں سے بھاگ گیا اور دائیں حصے والی فوج میں جا پہنچا۔ یہ حصہ کہیں دور پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ نورالدین زنگی اسی طرف تھا۔ اس ساری فوج کی رسد پیچھے آ رہی تھی۔ زنگی نے اس کے لیے الگ دستے مقرر کر رکھے تھے۔ انہوں نے صبح تک رسد پر قبضہ کر لیا۔ دائیں والا حصہ رات کو ہوشیار ہو گیا تھا۔ ریجنالٹ اسے اپنے حصے کی طرف آتے دیکھ کر وہ اسی جگہ کو میدانِ جنگ سمجھتا تھا۔ صبح کے دھندلکے میں یہ فوج چل پڑی۔ نورالدین زنگی نے عقب سے اُس کے پہلو پر حملہ کر دیا۔ اس کے بعد اس فوج کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اس پر کس طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کی فوج بھی زنگی بھی جم کر نہیں لڑتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے دستوں سے حملے کرا کے صلیبیوں کو دلیر تا جا رہا تھا۔

اُس نے رات کو سلطان ایوبی کی طرف قاصد بھیج دیا تھا۔ ان دونوں نے سکیم پہلے ہی بنا رکھی تھی۔ زنگی کا ہر عمل اور اقدام اور دشمن کا ردِعمل ان کی سکیم کے عین مطابق تھا۔ ریجنالٹ نے اپنی فوج کے اگلے حصے کو پیچھے آنے کا پیغام بھیجا۔ بار بار ریجنالٹ اور زنگی میں لامحدود وسعت میں معرکے ہوتے رہے۔ زنگی نے صلیبیوں کو بکھیر لیا تھا اور "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑ رہا تھا۔ صلیبیوں کی فوج کا آگے والا حصہ واپس ہوا تو رات کو اس کے عقب پر حملہ ہوا۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار تھے۔ انہوں نے دو تین شب خون مارے اور غائب ہو گئے۔ پھر یہ سلسلہ چلتا رہا۔ صلیبی آمنے سامنے کی جنگ لڑنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن سلطان ایوبی انہیں کامیاب نہیں ہونے دے رہا تھا۔ یہ طریقہ آسان نہیں تھا۔ چھاپہ مار اگر ایک سو کی تعداد میں جاتے تھے تو بمشکل ساٹھ واپس آتے تھے۔ اس کے لیے خصوصی مہارت، دلیری اور تیزی کی ضرورت تھی جو سلطان ایوبی نے اپنے چھاپہ مار دستوں میں پیدا کر رکھی تھی۔

جنگ بہت دور دور تک پھیل گئی۔ صلیبی فوج میں نہ جمعیت رہی نہ مرکزیت۔ اُن کی رسد زنگی کے قبضے میں آ گئی تھی۔ میدانِ جنگ میں نہ کوئی سامنا نہ عقب۔ صلیبی اس جنگ کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتے تھے جو مسلمان لڑ رہے تھے۔ پھر کیفیت یہ ہو گئی کہ جو صلیبی سپاہی بھاگ سکے بھاگ گئے اور جن میں تاب نہ رہی وہ ہتھیار ڈالنے لگے۔ ریجنالٹ ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے کسی اور جگہ کچھ فوج اکٹھی کر لی، اور اُسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ زنگی کہاں ہے۔ اس نے نہایت اچھی سکیم سے وہاں حملہ کر دیا۔ یہ ایک بڑا ہی سخت معرکہ تھا۔ صلیبی زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ ریجنالٹ کی چالیں اور اپنی فوج پر کنٹرول بہت اچھا تھا مگر چوتھی یا پانچویں رات زنگی کے شب خون مارنے والے ایک دستے کے چند ایک جانبازوں نے جان کی بازی لگا دی اور ریجنالٹ کی خیمہ گاہ پر جا شب خون مارا۔ یہ زنگی کی سکیم کے تحت اقدام کیا گیا تھا۔ زنگی نے چھاپہ ماروں کی للکار پر حملہ کر دیا۔ اُس دور میں رات کے وقت لڑائی نہیں لڑی جاتی تھی۔ یہ طرح مسلمانوں نے ڈالی تھی کہ رات کو بھی حملے جاری رکھتے تھے۔

صبح طلوع ہوئی تو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر ریجنالٹ قیدی کی حیثیت سے نورالدین زنگی کے سامنے کھڑا تھا اور زنگی اسے اپنی شرائط بتا رہا تھا۔ یہ صلیبی کمانڈر ہر شرط ماننے پر آمادہ تھا لیکن بات جب بیت المقدس پر آئی

ریمنالٹ نے انکار کردیا۔ زنگی نے اسے کہا تھا کہ بیت المقدس ہمارے حوالے کردو اور آزاد ہو جاؤ۔۔۔۔ شام تک سلطان ایوبی بھی آگیا۔ ریمنالٹ کو پورے احترام کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اُس سے بغل گیر ہو کر ملا۔

"آپ عظیم سپاہی ہیں"۔ ریمنالٹ نے سلطان ایوبی سے کہا۔

"یوں کہو کہ اسلام عظیم مذہب ہے"۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے کہا ــــ "سپاہی وہی عظیم ہوتے ہیں جن کا مذہب عظیم ہوتا ہے"۔

"محترم ریمنالٹ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ ان کا بحری بیڑہ نہیں آیا تھا؟" نورالدین زنگی نے سلطان ایوبی سے کہا ــــ "انہیں صحیح جواب تم ہی دے سکتے ہو۔ میں تو یہاں تھا"۔

"آپ کا بحری بیڑہ پورے طمطراق سے آیا تھا"۔ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "اور واپس بھی چلا گیا ہے۔ آپ کے بہت سے جہاز سمندر کی تہہ میں ہوں گے اور جو ڈوبے نہیں اُن کے جلے ہوئے ڈھانچے سمندر پر تیر رہے ہیں۔ جو فوج جہازوں سے اُتر آئی تھی وہ واپس نہیں جا سکی۔ ہم نے آپ کی تمام لاشیں پورے احترام سے دفن کر دی ہیں ــــ سلطان ایوبی اُسے جنگ کی صورتِ حال سنا رہا تھا اور ریمنالٹ کی آنکھیں اور منہ کھلتا جا رہا تھا۔ اُسے یقین بھی نہیں آرہا تھا کہ یہ روئیداد سچی ہے۔

"اگر یہ سچ ہے تو کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ یہ کیونکر ممکن ہوا؟"۔ ریمنالٹ نے پوچھا۔

"یہ راز اُس روز آپ پر فاش کر دوں گا جس روز فلسطین سے صلیب کا آخری سپاہی بھی نکل جائے گا"۔ نورالدین زنگی نے کہا ــــ "آپ کی یہ شکست آخری نہیں کیونکہ آپ اس سرزمین سے نکلنے پر آمادہ نظر نہیں آتے"۔

"میں آپ کو اپنے علاقے دے دوں گا"۔ ریمنالٹ نے کہا ــــ "مجھے رہا کر دیں۔ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ بھی کروں گا۔ آپ کی سلطنت بہت وسیع ہو جائے گا"۔

"ہمیں اپنی سلطنت کی ضرورت نہیں"۔ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "ہمیں خدا کی سلطنت قائم کرنی ہے، اسلام کی سلطنت جس کی وسعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ کا مقصود اسلام کی بیخ کنی ہے جو ممکن نہیں۔ آپ نے فوجیں استعمال کر دیکھی ہیں۔ بحری بیڑہ بھی آزما لیا ہے۔ اپنی بیٹیوں کو بھی استعمال کر دیکھا ہے۔ آپ نے ہماری قوم میں غدار بھی پیدا کیے ہیں۔ گزشتہ ایک صدی میں آپ نے کتنی کامیابی حاصل کی ہے؟"

"کیا یہ میں آپ کو یاد دلاؤں کہ ہم نے اسلام کو کہاں کہاں سے نکالا ہے؟" ریمنالٹ نے کہا ــــ "اسلام تو بحیرۂ روم کے پار پہنچ گیا تھا۔ سپین سے اسلام کی پسپائی کیوں ہوئی؟ روم آپ کے ہاتھ سے کیوں نکلا؟ سوڈان آپ کا کیوں دشمن ہوا؟ صرف اس لیے کہ ہم نے تمہارے اسلام کے محافظوں کو خرید لیا تھا۔ آج بھی تمہارے حکمران بھائی ہمارے زر خرید غلام ہیں۔ ان کی ریاستوں میں مسلمان رہ گئے ہیں، اسلام ختم ہو گیا ہے"۔

"ہم وہاں اسلام کو زندہ کریں گے، دوست!"۔ سلطان ایوبی نے کہا۔

"آپ خواب دیکھ رہے ہیں صلاح الدین!" ریمنالٹ نے کہا ــــ "آپ دونوں کب تک زندہ رہیں گے؟ کب تک لڑنے کے قابل رہیں گے؟ اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے؟ میں آپ دونوں کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں

کہ آپ سچے دل سے اپنے مذہب کے پاسبان اور بہی خواہ ہیں لیکن آپ کی قوم میں مذہب کو نیلام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے اور ہم خریدار ہیں۔ اگر آپ ہمارے ساتھ جنگ و جدل کی بجائے اپنی قوم کو زر پرستی، اشرفیت پرستی اور تعیش پسندی سے بچانے کی مہم چلائیں تو ہم یہاں ایک دن نہ ٹھہر سکیں گے، مگر میرے دوستو! آپ اس مہم میں کامیاب نہیں ہوں گے جس کی وجہ یہ ہے کہ عیاشی آپ کی قوم میں نہیں آئی بلکہ قوم کے سربراہ اور حکمران عیاش ہوتے ہیں۔ اس حقیقت سے آپ چشم پوشی نہ کریں کہ جو برائی حکمرانوں کی طرف سے شروع ہوتی ہے وہ قوم میں رواج کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کے حکمرانوں کو اپنے جال میں پھانسا ہے اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مجھے قتل کر دیں۔ مجھ جیسے چند اور صلیبی حاکموں کو قتل کر دیں، اسلام کو بہرحال ختم ہونا ہے۔ ہم نے جس مرض کا زہر آپ کی قوم کی رگوں میں ڈال دیا ہے وہ بڑھے گا کم نہیں ہوگا"۔

وہ ایسی حقیقت بیان کر رہا تھا جس سے نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی انکار نہیں کر سکتے تھے۔ ہم وہ صلیبیوں پر بہت بڑی فتح حاصل کر چکے تھے اور ایک صلیبی بادشاہ جو صلیبیوں کا سپریم کمانڈر تھا ان کے پاس جنگی قیدی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قیدی ہاتھ آئے تھے۔ یہ صرف ایک سپاہ سالار کا کارنامہ تھا جو نکرہ سے ہر حملے کی خبر بروقت لے آیا تھا۔

☆

ریمنالٹ اور دوسرے تمام جنگی قیدیوں کو نورالدین زنگی کرک لے گیا اور سلطان ایوبی اس سے رخصت ہو کر قاہرہ چلا گیا۔ اُس نے سوچا تک نہ تھا کہ وہ اب نورالدین زنگی سے کبھی نہیں مل سکے گا۔ وہ اس مسرت کے ساتھ قاہرہ گیا کہ زنگی ریمنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو بڑی سخت شرائط منوائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ نورالدین زنگی نے بھی ذہن میں کچھ منصوبے بنائے ہوں گے مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مارچ ۱۱۷۴ء کے ابتدائی دن تھے کہ بغداد کے کسی علاقے میں شدید زلزلہ آیا جس نے چھ سات دیہات کو تباہ کر دیا۔ بغداد میں بھی نقصان ہوا۔ مؤرخوں نے اسے تاریخ کا سب سے زیادہ تباہ کن زلزلہ کہا ہے۔ نورالدین زنگی کے دل میں اپنے عوام کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اُن کی امداد کے احکام جاری کرنے کی بجائے خود کرک سے چل پڑا۔ وہ ان کی دستگیری اپنی نگرانی میں کرنا چاہتا تھا۔ یہی بھی اُسے کرک سے جانا تھا۔ بغداد اور اردگرد کے حالات اچھے نہیں تھے۔ وہ کرک سے ریمنالٹ اور دوسرے صلیبی قیدیوں کو بھی ساتھ لیتا گیا۔

بغداد پہنچ کر اُس نے سب سے پہلے زلزلے کا شکار ہونے والے لوگوں کی طرف توجہ دی۔ ولولہ انگیز خطاب سے باہر رہنے لگا۔ وہ دل و جان سے اپنے لوگوں کی مدد کرتا رہا۔ جہاں رات آتی وہیں رک جاتا۔ اس نے کھانے کی پروا نہ کی کہ کیسا ملتا ہے اور کس کے ہاتھ کا پکا ہوا ملتا ہے۔ اُسے تباہ حال لوگوں کی خوشحالی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اپریل کے آخر تک اُس نے تمام متاثرین کو آباد کر دیا۔ جب ذرا فرصت ملی تو اُس نے اپنے طبیب کو بتایا کہ وہ اپنے گلے کے اندر درد محسوس کرتا ہے۔ طبیب نے دوا دارو کیا لیکن حلق میں سوزش بڑھتی گئی۔ طبیبوں نے بہت علاج کیا لیکن مرض کا یہ عالم ہو گیا کہ وہ بات کرنے سے بھی معذور ہو گیا اور مئی ۱۱۷۴ء کے پہلے ہفتے میں خاموشی سے

جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ زنگی کو خناق کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا لیکن بعض مؤرخوں نے وثوق سے لکھا ہے کہ زنگی کو حسن بن صباح کے فدائیوں نے زہر دیا تھا۔ اُن دنوں جب زنگی زلزلے سے تباہ کیے ہوئے دیہات میں بھاگتا دوڑتا رہتا اور اس کے کھانے کے اوقات اور پکانے کے طور طریقے بے قاعدہ ہو گئے تھے، فدائیوں نے اُسے کھانے میں ایسا زہر دینا شروع کر دیا تھا جس کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ یہ زہر حلق کی ایسی سوزش کا باعث بنتا جسے طبیب سمجھ ہی نہ سکے۔ جنرل محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب "گوریلا وار نمبر ۱" میں کئی بڑے بڑے اور مستند مؤرخوں کے حوالے سے اسی کی تصدیق کی ہے کہ نورالدین زنگی فدائیوں کا شکار ہوا تھا۔

زنگی کوئی وصیت نہ کر سکا۔ سلطان ایوبی کو کوئی پیغام نہ بھیج سکا۔ سلطان ایوبی کو اُس وقت اطلاع پہنچی جب زنگی دفن ہو چکا تھا۔ دوسرے ہی دن بغداد سے ایک اور قاصد یہ اطلاع لے کے آیا کہ نورالدین زنگی کی وفات کے ساتھ ہی موصل، حلب اور دمشق کے امراء نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے اور سلطان ایوبی کو یہ اطلاع بھی ملی کہ بغداد کے امراء و زراء نے نورالدین زنگی کے بیٹے الملک الصالح کو جس کی عمر صرف گیارہ سال تھی، سلطنتِ اسلامیہ کا خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ یہ اُمراء نابالغ خلیفہ کو کس راستے پر ڈالیں گے اور وہ کیا گل کھلائیں گے۔

سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا۔ "تم نے پانچ مہینے گزرے مجھے اطلاع دی تھی کہ عکرہ میں اُنہا ایک جاسوس شہید ہو گیا اور دوسرا پکڑا گیا ہے تو میرا دل بیٹھ گیا تھا اور مجھے ایسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے صلیبیوں کا یہ سال دنیائے اسلام کے لیے اچھا نہیں ہوگا.... بیٹھ جاؤ میری باتیں غور سے سنو۔ اب ہمیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔"

☆

اسلام کی بقا کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی

مئی ۱۱۷۴ء کا دن دنیائے اسلام کا ایک تاریک دن تھا۔ نورالدین زنگی کی میت کو ابھی غسل بھی نہیں دیا گیا تھا کہ بہت سے انسانوں کے چہرے مسرت سے چمک اٹھے تھے۔ یہ صلیبی نہیں تھے، یا یوں کہئے کہ سب صلیبی نہیں تھے جو زنگی کے انتقال پر مسرور تھے۔ ان میں مسلمان بھی تھے جو صلیبیوں کی نسبت کچھ زیادہ ہی خوش نظر آتے تھے۔ یہ مسلمان ریاستوں اور جاگیروں کے امراء اور حاکم تھے۔ وہ سب زنگی کے گھر جمع ہو گئے تھے۔ وہ جنازے کے لیے آئے تھے۔ اُن میں سے بعض بے چین تھے جیسے زنگی کے انتقال سے غمزدہ ہوں، مگر بے چینی یہ تھی کہ وہ زنگی کو شام سے پہلے پہلے دفن کر دینا چاہتے تھے۔ وہ اکٹھے تو ہو گئے تھے لیکن ان کے دل پھٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو شکی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان لوگوں کا مذہب ایک، خدا ایک، رسولؐ ایک، قرآن ایک اور دشمن ایک تھا مگر ہر ایک کا دل دوسرے سے الگ اور جدا تھا۔ اُن کی مثال ایک درخت کی ٹہنیوں کی سی تھی جو ٹوٹ کر درخت سے الگ ہو گئی ہوں اور اب الگ الگ اپنے آپ کو ہرا بھرا رکھنے کی توقع لیے ہوئے ہوں۔

وہ دور دراصل جاگیرداری اور نوابی کا تھا۔ بعض مسلمان ریاستیں زرد رسیع تھیں اور بعض چھوٹی چھوٹی.... ان کے حکمران امیر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مرکزی خلافت کے تحت تھے۔ اسلام کے کسی بھی دشمن کے خلاف جنگ ہوتو یہ امراء خلافت کو مالی اور فوجی مدد دیتے تھے۔ مگر یہ مدد صرف مدتک محدود رہتی تھی، اس میں کوئی ملی جذبہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ امن اور سکون سے عیش و عشرت کرنے کی خاطر خلافت کا مطالبہ پورا کر دیتے تھے۔ عیش و عشرت کی خاطر وہ اپنے سب سے بڑے (بلکہ واحد) دشمن صلیبیوں سے درپردہ دوستی کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ معاہدے کر بھی رکھے تھے لیکن نورالدین زنگی کا وجود صلیبیوں کے راستے میں ایک چٹان تھا۔ وہ مسلمان امراء کو کئی بار شرمسار کر چکا تھا اور اُس نے انہیں زبن نشین کرانے کی سرتوڑ کوشش کی تھی کہ صلیبی انہیں اسلامی وحدت سے توڑ کر ہڑپ کرتے جائیں گے مگر صلیبیوں کی مہیا کی ہوئی یورپی شراب، نوجوان لڑکیوں اور سونے کی اینٹوں میں اتنی قوت تھی، جس نے ان کے کان بند اور عقل سربمہر کر رکھی تھی۔ زنگی کی آواز جیسے پتھروں سے ٹکرا کر واپس آجاتی تھی۔

وہ سب سے پہلے جاگیردار اور نواب تھے، امیر اور حاکم تھے اور اس کے بعد اگر مذہب کی بات چل نکلے تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے۔ اُن کا اگر دین تھا تو وہ ان کی ریاستیں اور جاگیریں تھیں۔ یہی اُن کا ایمان تھا۔ وہ اسلامی

جسمت کے قائل نہیں تھے۔ جنگ کے سخت خلاف تھے کیونکہ انہیں خطرہ محسوس ہونے لگتا تھا کہ صلیبی ان کی جاگیروں پر قبضہ کر لیں گے۔ اس کے علاوہ اُن کے دلوں میں یہ ڈر بھی تھا کہ ان کی رعایا نے اپنے دشمن کو پہچان لیا تو اس میں روحانی بیداری اور قومی وقار بیدار ہو جائے گا، پھر رعایا ان کی نوآبی کے لیے خطرہ بن جائے گی۔ حقیقت یہ تھی کہ رعایا ان کے لیے مستقل خطرہ تھی۔ لوگوں میں قومی وقار موجود تھا۔ زنگی کی فوج انہی لوگوں کی فوج تھی۔ یہ اس کے مجاہدوں نے دس گنا دشمن کا مقابلہ بھی کیا تھا۔ یہ جذبے کا کرشمہ تھا۔ امراء کو یہ جذبہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ لہٰذا وہ زنگی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے اور صلاح الدین ایوبی کو تو وہ اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ اب زنگی فوت ہو گیا تو وہ خوش تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ اس قوم میں اب کوئی زنگی نہیں رہا اور جہاد بھی زنگی کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گا۔

زنگی دفن ہو گیا۔ صلیبیوں پر مسلمانوں کی جو دہشت طاری تھی وہ ختم ہو گئی۔ اُن کے دل میں اب صلاح الدین ایوبی کا کانٹا رہ گیا تھا جس کے متعلق اب وہ اتنے فکرمند نہیں تھے جتنے زنگی کی زندگی میں تھے۔ اب سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا تھا۔ اُسے مدد اور کمک دینے والا زنگی مر گیا تھا۔ صلیبیوں کو اصل خوشی تو اس پر ہوئی کہ زنگی کے بعد سرکردہ امراء نذرانہ نے زنگی کے کمسن بیٹے الملک الصالح کو گدی پر بٹھا دیا تھا جس کی عمر گیارہ سال تھی۔ یہ انتخاب اُن امراء نے کیا تھا جو درپردہ صلیبیوں کے دوست تھے۔ اس طرح سلطانی کی گدی صلیبیوں کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اُن امراء میں گمشتگین نام کا ایک امیر جو دراصل قلعہ دار (قلعے کا گورنر) تھا اور دوسرا سیف الدین والیٔ موصل تھا۔ دمشق کا حاکم شمس الدین بن عبدالملک تھا۔ الجزیرہ اور نواحی علاقوں پر نورالدین زنگی کے بھتیجے کا راج تھا۔ ان کے علاوہ کئی اور جاگیردار تھے۔ ان سب نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ وہ بظاہر خلافت کے ماتحت تھے لیکن عملاً آزاد ہو گئے تھے۔ وہ اپنی اپنی جگہ بہت مسرور تھے مگر محسوس نہ کر سکے کہ وہ ذروں کی طرح بکھر کر صلیبیوں کا آسان شکار بن گئے ہیں۔

زنگی کی وفات سے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا اُسے زنگی کی بیوی نے محسوس کیا۔ سلطان ایوبی نے محسوس کیا اور اُن لوگوں نے محسوس کیا جن کے دلوں میں اسلام کی عظمت زندہ تھی۔

☆

اس حادثے کو بہت دن گزر چکے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ کمرے میں مصطفیٰ جو درجہ میں کا ایک اعلیٰ فوجی افسر بیٹھا بول رہا تھا۔ مصطفیٰ ترک تھا۔ وہ نورالدین زنگی کی فوج میں سنتریوں کا کمانڈر تھا۔ زنگی کی وفات کے بعد اُس نے عالم اسلام میں جو تباہ کن انقلاب دیکھا اُس نے اسے تڑپا دیا۔ اُس نے یہ کہہ کر لمبی چھٹی لے لی کہ اُسے ترکی گئے کئی سال گزر گئے ہیں لہٰذا وہ ترکی اپنے گھر جانا چاہتا ہے۔ وہ دمشق سے روانہ ہوا، قاہرہ پہنچ گیا اور سلطان ایوبی کے پاس چلا گیا۔ مصطفیٰ اُن فوجی افسروں میں سے تھا جو فکر کرتے اور سلطان زیادہ ہوتے ہیں۔ اُسے معلوم تھا کہ زنگی کے بعد صرف سلطان ایوبی ہے جو عظمتِ اسلام کی پاسبانی کر سکتا ہے اور کرے گا۔ اُسے ڈر تھا کہ سلطان ایوبی کو اس طرف کے حالات کا علم نہیں ہوگا۔ چنانچہ وہ سلطان ایوبی کو وہاں کے حالات سنا رہا تھا۔

"..... اور فوج کس حال میں ہے؟" سلطان ایوبی نے اس سے پوچھا۔

"محترم زنگی مرحوم نے فوج میں جو جذبہ پیدا کیا تھا وہ زندہ ہے۔" مصطفیٰ نے جواب دیا۔ "مگر یہ جذبہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ صلیبیوں کے سیلاب کو صرف فوج نے روک رکھا ہے۔ محترم زنگی مرحوم کی زندگی میں عملاً فوج حکومت کر رہی تھی۔ جنگی منصوبے اور فیصلے فوج کے ہاتھ میں تھے، لیکن یہ اقدام خلافت کے احکام کے خلاف تھا۔ اب ہم خلافت کے پابند ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے آپ کوئی کارروائی نہیں کر سکتے۔ اگر خلیفہ کوئی جنگی منصوبہ بنائے گا ہی نہیں تو فوج کیا کرے گی؟ صلیبی جانتے ہیں کہ مسلمان امراء میں وہ غیرت ہی نہیں جو قومی عظمت کی خاطر لڑائی اور مرواتی ہے۔ اور لوگ جانیں قربان کرتے ہیں۔ صلیبیوں نے امراء کی غیرت خریدنی شروع کر دی ہے اور اب وہ سالاروں کو خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُن کی تخریبی سرگرمیاں فوج میں بھی اور قوم میں بھی شروع ہو گئی ہیں۔ اگر یہ عمل جلدی نہ روکا گیا تو صلیبی فوجی حملے کے بغیر ہی سلطنتِ اسلامیہ کے مالک بن جائیں گے۔ سلطنتِ اسلامیہ جاگیروں میں تقسیم ہو گئی ہے۔ امراء کو اب راہِ راست پر نہیں لایا جا سکتا۔ وہ صلیبیوں کی شراب میں ڈوب گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں لڑکیوں کی فوج اتار دی ہے۔ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ لڑکیاں امراء کے حرموں میں رہتی ہیں۔ ان کے کہنے پر جشن منائے جاتے ہیں جن میں سرکردہ فوجی افسروں کو مدعو کر کے یہ لڑکیاں انہیں بے حیائی سے اپنے جال میں پھانس رہی ہیں۔"

"اور اس کے بعد میں جانتا ہوں کیا ہوگا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "فوجیوں کو نشے اور مکاری کا عادی بنایا جائے گا۔"

"بنایا جا رہا ہے۔" مصطفیٰ نے کہا۔ "حشیشین بھی اپنی کارروائیوں میں مصروف ہو گئے ہیں۔ اب یوں ہوگا کہ جو سالار یا نائب سالار صلیبیوں کی دشمنی دل سے نہیں نکالے گا اور جہاد کا قائل رہے گا اسے حشیشین کے پیشہ ور قاتلوں کے ہاتھوں پُراسرار طریقے سے قتل کرا دیا جائے گا۔"

مصطفیٰ نے سلطان ایوبی کو تفصیل سے بتایا کہ کون سا امیر کیا کر رہا ہے۔ اس تفصیل کا لبِ لباب یہ تھا کہ امراء جہاں خود مختار ہو گئے تھے، وہاں انہوں نے ایک دوسرے کو دشمن سمجھنا شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف فوجی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ صلیبی اس نفاق اور چپقلش کو ہوا دے رہے تھے۔

"آپ نے اچھا کیا ہے جو مجھے وہاں کے حالات بتانے آ گئے ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "اگر آپ نہ آتے تو مجھے ان تفصیلات کا علم نہ ہوتا، البتہ یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ گیارہ سال کے بچے کو سلطان بنا کر وہ لوگ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"اور آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔ "اگر آپ نے فوری کارروائی نہ کی تو سمجھ لیں کہ سلطنتِ اسلامیہ کا سورج ڈوب گیا ہے۔ آپ کی کارروائی صرف جنگی ہونی چاہیے۔"

"یہ دن بھی مجھے دیکھنا تھا کہ میں بھائیوں کے خلاف جنگی کارروائی کی سوچوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں اس سے ڈرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد عادل تاریخ میں یہ نہ لکھ دیں کہ صلاح الدین ایوبی خانہ

زنگی کا مجرم تھا:"

"اگر آپ اس دور سے قاہرہ میں بیٹھے ہوئے تو تاریخ آپ پر یہ شرمناک الزام عائد کرے گی کہ نورالدین زنگی مر گیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھی دم نکل گیا تھا۔ اس نے مصر پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے سلطنتِ اسلامیہ کو قربان کر دیا تھا۔"

"ہاں!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ الزام زیادہ شرمناک ہوگا۔ میں ہر پہلو پر غور کر چکا ہوں مصلفیٰ! اگر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکلا ہوں تو میں یہ نہیں دیکھوں گا کہ میرے گھوڑے تلے کون روندا جاتا ہے۔ یہ ہی نظام ہے جو کافر کو کافر سے بہتر ہے جو کافر کو دوست سمجھتا ہے.... آپ واپس چلے جائیں۔ میں نے علی بن سفیان کو وہاں بھیج رکھا ہے لیکن یاد رکھنا کہ وہ جاسوسوں کے بھیس میں گیا ہے۔ وہاں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ علی بن سفیان ان کے درمیان گھوم پھر رہا ہے اور جائزہ لے رہا ہے کہ وہاں کس قسم کی کارروائی کی ضرورت ہے۔ آپ جا کر یہ دیکھیں کہ کون کون سا سالار مشکوک ہے۔ علی بن سفیان کے ساتھ بہت سے آدمی گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ انہیں وہاں کیا کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے تمام امراء کی طرف اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے ہیں کہ امراء ان حالات میں جب کہ صلیبی ان کے سر پر بیٹھے ہیں ایک محاذ پر مورچہ بند ہو جائیں اور آپس کے اختلافات مٹانے کی کوشش کریں۔ مجھے امید نہیں کہ وہ پیغام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے لیکن میں انہیں صرف ایک بار بتا دینا چاہتا ہوں کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ میں انہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ انہوں نے میرے کہے پر عمل نہ کیا تو میں کیا کروں گا۔"

مصلفیٰ جودت کو رخصت کر کے سلطان ایوبی نے اپنے دربان کو چند ایک سالاروں اور انتظامیہ کے حکام کے نام لے کر کہا کہ انہیں بہت جلدی اس کے پاس بھیجا جائے۔ یہ اس کی ہائی کمانڈ تھی جسے اس نے بلایا تھا۔

☆

قاضی بہاؤالدین شدّاد جو صلاح الدین ایوبی کا دستِ راست اور ہمراز دوست تھا اور جو اس کی مجلسِ مشاورت میں اعلیٰ رتبہ اور مقام رکھتا تھا، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔ "صلاح الدین ایوبی کو خدا نے فولاد کے اعصاب عطا کیے تھے۔ اُس نے اپنی شخصیت اور کردار کو اس قدر مضبوط بنا رکھا تھا کہ پہاڑوں جیسے صدمے ہنس کھیل کر برداشت کر لیتا تھا۔ عزم کا صندی اور مستقل مزاج تھا۔ امیر ہو یا غلام وہ ہر کسی کا یکساں احترام کرتا تھا۔ البتہ کسی کو دوسروں سے ممتاز سمجھتا تو صرف بہادری اور شجاعت کی بنا پر سمجھتا تھا۔ اُس کے قریب رہنے والے اس سے دو طرح کا تاثر لیتے تھے۔ ایک رعب کا دوسرا محبت کا۔ اُس کے سپاہی جب میدانِ جنگ میں اُسے دیکھتے تھے تو دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے۔ ایک بار یوں ہوا کہ ایک خادم نے دوسرے خادم پر جوتا اتار کر پھینکا۔ صلاح الدین ایوبی کمرے سے نکل رہا تھا۔ جوتا اسے جا لگا۔ دونوں خادم تھر تھر کانپنے لگے لیکن صلاح الدین ایوبی نے دونوں طرف سے منہ پھیر لیا اور آگے نکل گیا۔ یہ کردار کی عظمت کا مظاہرہ تھا۔ دوست تو دوست، دشمن اُس کے سامنے آتے تو اُس کے مرید بن جاتے تھے....

"نورالدین زنگی کی موت نے سلطنتِ اسلامیہ کو تاریخ کے سب سے بڑے خطرے میں ڈال دیا تھا۔ اس خطرت کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہ تھا کہ اپنے ہی امیر اور وزیر صلیبیوں کے دوست اور اسلام کے دشمن ہو گئے تھے۔ مصر کے اندرونی حالات ابھی پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ صلاح الدین ایوبی مصر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ ایسے حالات میں وہ یہی کر سکتا تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ کے دفاع کا ارادہ دل سے نکال دے اور صرف مصر کے دفاع کو مضبوط رکھے، لیکن میرا یہ دوست ذرہ بھر نہ گھبرایا۔ اس ضمن میں میرے ساتھ بات کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ "اگر میں اسلام کی پاسبانی سے دستبردار ہو جاؤں تو روزِ محشر صلیبیوں کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا۔ اسلام کی پاسبانی اور فروغ کو وہ فرمانِ خداوندی سمجھتا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو کبھی حاکم یا حکمران نہیں سمجھا۔ مجھے صلاح الدین ایوبی کی نوجوانی بھی یاد ہے جب وہ پوری طرح عیش و عشرت میں ڈوب گیا تھا۔ وہ شراب بھی پیتا اور رقص و سرود کا دلدادہ تھا۔ موسیقی اور رقص کی باریکیوں اور گہرائیوں کو سمجھتا اور نسوانی حسن کو دل کھول کر خراجِ تحسین پیش کرتا اور تعیش کے لیے حسین ترین لڑکی کا انتخاب کرتا تھا۔ کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آیا تھا کہ یہ نوجوان چند ہی سال بعد اسلام کا سب سے بڑا علمبردار اور اسلام کے دشمنوں کے لیے برق اور طوفان بن جائے گا۔ اپنے چچا کے ساتھ وہ صلیبیوں کے خلاف پہلے ہی معرکے میں گیا تو اُس نے سب کو حیران کر دیا اور جب وہ اس معرکے سے واپس آیا تو اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ عیش و عشرت پر لعنت بھیجی اور اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی۔ اُس نے قسم کھائی اور اپنی فوج کو یہ نعرہ دیا کہ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں....

"اُسے اس بدلی ہوئی کیفیت میں دیکھنے والے تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ کبھی عیاش بھی ہوا کرتا تھا۔ کردار کی بلندی اور پختگی اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے نفس اور نفسانی خواہشات کو مار دیا جائے۔ یہ پختگی صلاح الدین ایوبی کے کردار میں تھی۔ دوستوں کی محفلوں میں وہ کہا کرتا تھا۔ مجھے کافروں نے مسلمان بنایا ہے۔ اگر ہم اپنے ان نوجوانوں کو جو مذہب سے منحرف ہو گئے ہیں کافر کی ذہنیت دکھا دیں تو وہ راہِ راست پر آ جائیں گے۔ دشمن کے ساتھ ہمیں پیار کے جو سبق دیئے جا رہے ہیں وہ انہیں قومی وقار سے محروم کر رہے ہیں۔ میں اپنی قوم کو اپنے رسولؐ کی یہ حدیث یاد کرانا چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو پہچان لو کہ تم کون ہو اور کیا ہو، اور اپنے دشمن کو اچھی طرح پہچان لو کہ وہ کون ہے اور کیا ہے اور تمہارے متعلق وہ کیا ارادے رکھتا ہے۔" اُس کے کردار کا رُخ دشمن نے ہی بدلا تھا.... صلاح الدین ایوبی اپنے مقصد اور عزم میں اس حد تک مگن رہا کہ اُس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ وہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا نائب ہے، مصر کا حاکمِ کُل ہے اور فنِ حرب و ضرب کا ایسا استاد کہ صلیبیوں کے کمانڈر متحد ہو کر بھی اس سے خائف رہتے ہیں۔ اس کی مالی حالت یہ تھی کہ وہ حج نہیں کر سکا۔ جہاد نے اسے مہلت نہ دی۔ آخری عمر میں اس کی یہی ایک خواہش رہ گئی تھی کہ حج پر جائے مگر اب اس کے پاس اتنی رقم نہیں تھی۔ وہ جب فوت ہوا تو اس کی ذاتی ملکیت صرف سنتالیس درہم چاندی کے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ اس کی جائیداد صرف ایک مکان تھا جو اُس کے باپ دادا کا تھا۔"

یہ اُس کے کردار کی پختگی کا حیران کن مظاہرہ تھا کہ اُس نے جب اپنے سالاروں وغیرہ کو کانفرنس کے

یہ بات تو اُس کے چہرے پر گھبراہٹ یا پریشانی کا شائبہ تک نہ تھا۔ کانفرنس کے حاضرین پر خاموشی طاری تھی۔ انہیں توقع تھی کہ سلطان ایوبی گھبرایا ہُوا ہوگا، مگر اُس نے مسکرا کر سب کو دیکھا اور کہا ــــ "میرے رفیقو! تم نے بڑے ہی دشوار اور پیچیدہ حالات میں میرا ساتھ دیا ہے۔ آج ایسے حالات نے ہمیں للکارا ہے جو بظاہر ہمارے قابو میں آنے والے نہیں۔ لیکن یاد رکھو، اگر ہم نے ان حالات پر قابو نہ پایا تو ہم سب کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور خدا کے حضور بھی رسوائی۔ دنیا میں تاریخ ہماری قبروں پر لعنت بھیجے گی اور روزِ محشر وہ شہید ہمیں شرمسار کریں گے جنہوں نے اسلام کی آبرو پر جانیں قربان کی ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم سب جانیں قربان کر دیں" ــــ اس تمہید کے بعد اُس نے اپنے اعلیٰ حکام کو ہر ایک تفصیل بتائی اور کہا کہ اب انہیں اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنا پڑے گا۔ اُس نے سب کے چہروں کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر خاموش رہا۔ سب کے چہروں کے رنگ بدل گئے تھے۔ اُسے اطمینان ہوگیا کہ یہ حکام ہر صورتِ حال میں اُس کا ساتھ دیں گے۔ اُس نے کہا۔

"میرا پہلا اقدام یہ ہے کہ میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتا ہوں۔ میں اب مرکزی خلافت کا پابند نہیں رہنا چاہتا۔ لیکن میں یہ اعلان تم سب کی اجازت کے بغیر نہیں کروں گا۔ مجھے اجازت دینے یا نہ دینے سے پہلے ایک دو پہلوؤں پر غور کر لو۔ ایک یہ کہ خلافت عملاً ختم ہو چکی ہے۔ جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ خلیفہ گیارہ سال کا بچہ ہے۔ اس پر تین چار اُمراء نے قبضہ کر رکھا ہے۔ یہ اُمراء صلیبیوں کے دوست ہیں۔ لہٰذا آپ کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگنی چاہیئے کہ خلافت صلیبیوں کی گود میں چلی گئی ہے۔ اب ہماری ٹکر خلافت کے خلاف ہے۔ اگر تم خود مختار اور آزاد نہیں ہوتے تو تمہیں خلیفہ کے حکم ماننے پڑیں گے اور یہ حکم سلطنتِ اسلامیہ کے لیے تباہ کن ہوں گے۔ کیا ان حالات میں یہ اقدام صحیح نہیں ہوگا کہ میں مصر کو خلافت سے آزاد کر دوں اور اس کے بعد تمہارا ہر قدم ایسا آزادانہ ہو جو اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہو؟"

"کیا آپ خلافت کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے ہیں؟" ایک سالار نے پوچھا۔

"میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا" سلطان ایوبی نے جواب دیا ــــ "کل پرسوں تک میرے وہ ایلچی واپس آجائیں گے جنہیں میں نے امراء کی طرف بھیج رکھا ہے۔ اگر مجھے جنگی کارروائی کا فیصلہ کرنا پڑا، تو گریز نہیں کروں گا۔"

"آپ مصر کو خود مختار مملکت قرار دے دیں۔" ایک حاکم نے کہا ــــ "ہم گیارہ سال کے بچے کو خلیفہ تسلیم نہیں کر سکتے۔"

"تو کیا تم سب مجھے سلطانِ مصر تسلیم کرو گے؟" صلاح الدین ایوبی نے پوچھا۔

تمام حاضرین نے بیک زبان کہا کہ وہ اُسے سلطانِ مصر تسلیم کرتے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی نے اُسی وقت خود مختاری کا اعلان کر دیا اور مصر کو آزاد مملکت قرار دے دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اسے اُسی وقت قانون کے مطابق سلطان کا خطاب مل گیا۔

"میں اُمتِ رسولؐ اللہ کا نہیں میدانِ جنگ کا بادشاہ ہوں۔" سلطان ایوبی نے کہا ــــ "تم نے دیکھا ہے

کہ میں صلیبیوں کے لشکر کے درمیان گھوستا پھرتا رہا ہوں۔ میں نے دس دس جانبازوں سے دس دس ہزار لشکروں کو تہہ و بالا کیا ہے۔ مگر اپنے بھائیوں کے خلاف جنگ کی سوچتا ہوں تو تمام جنگی چالیں ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ میری تلوار نیام سے باہر نہیں آتی۔ مجھے اور تم سب کو یہ دن بھی دیکھنا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں اور صلیبی تماشہ دیکھیں۔"

"یہ تماشہ ہمیں دکھانا ہی پڑے گا سلطانِ محترم!" ایک سالار نے کہا ــــ "اگر اپنے بھائیوں پر الفاظ کا اثر نہ ہو تو تلوار استعمال کرنی ہی پڑے گی۔ ہم میں سے کوئی بھی خلافت کی گدی کا خواہشمند نہیں۔ ہم جو کچھ کریں گے اسلام کی خاطر کریں گے، ذاتی مفاد کی خاطر نہیں۔"

☆

سلطان ایوبی نے اس سے پہلے دو ایلچی دمشق، حلب، موصل اور دو تین اور ریاستوں کے اُمراء کی طرف بھیج رکھے تھے۔ اُس نے سب کو طویل پیغام بھیجا تھا جس میں اُس نے سب کو صلیبی خطرے سے آگاہ کیا اور انہیں متحد ہونے کی تلقین کی تھی۔ وہ انہیں اسلامی وحدت کا قائل کرنا چاہتا تھا۔ دونوں ایلچی مایوس واپس آگئے۔ کسی ایک بھی امیر نے اُس کے پیغام کو قبول نہیں کیا تھا بلکہ بعض نے مذاق اڑایا تھا۔ ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ کے دربار میں گئے۔ پیغام پیش کیا تو خلیفہ نے خود پڑھنے کی بجائے اُن امراء کے حوالے کر دیا جن کے ہاتھوں میں وہ کٹھ پتلی بنا ہُوا تھا۔ انہوں نے ہی اسے خلافت کی گدی پر بٹھایا تھا۔ اُن اُمراء نے سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ آپس میں کھسر پھسر کی اور ایک نے خلیفہ سے کہا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف جنگ کا بہانہ کر کے تمام مسلمان ریاستوں کو ایک ریاست بنانے کی سوچ رہا ہے۔ اس کے بعد وہ اس ریاست کا حکمران بنے گا۔ دوسرا امیر بول پڑا۔ اُس نے بھی گیارہ سال کی عمر کے خلیفہ کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکایا اور کہا ــــ "آپ اسے حکم دے سکتے ہیں کہ جنگ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ صرف خلیفہ کر سکتا ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی خلیفہ کی حکم عدولی کرے تو آپ اسے معزول کر کے واپس بلا سکتے ہیں۔ مصر کی امارت کسی اور کے حوالے کی جا سکتی ہے۔"

کمسن خلیفہ نے ایلچیوں کو یہی حکم دیا اور کہا ــــ "صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ وہ ہمارے حکم کا انتظار کرے۔ یہ فیصلہ ہم کریں گے کہ اسلامی وحدت ضروری ہے یا نہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے پاس جو فوج ہے اس میں زنگی مرحوم کے بھیجے ہوئے بہت سے دستے ہیں۔" ایک امیر نے خلیفہ سے کہا ــــ "اُسے حکم بھیجا جائے کہ وہ دستے واپس بھیج دے۔ اُسے اپنی مرضی سے فوج کے استعمال کی اجازت نہیں ملنی چاہیئے۔"

"اُسے کہنا کہ وہ دستے، سوار اور پیادہ، جو اُسے خلافت کی طرف سے دے دیئے گئے تھے، وہ واپس کر دے۔" خلیفہ نے کہا ــــ "اور تم لوگ اب جا سکتے ہو۔"

"اور ایوبی سے کہنا کہ آئندہ خلیفہ کو اس قسم کے پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کرے۔" ایک اور امیر نے کہا۔

ایلچیوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ وہ دوسرے اُمراء کے پاس گئے۔ سب نے پیغام کا مذاق اڑایا۔ بعض

نے سلطان ایوبی کے خلاف توہین آمیز الفاظ بھی کہے۔ ایلچی واپس آگئے۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی جیسے اُسے ایسے ہی جواب کی توقع تھی۔ اسے دراصل علی بن سفیان کا انتظار تھا جسے اُس نے خفیہ دمشق بھیجا تھا۔ یہ کہا تھا۔ فوجی جاسوسی اور سراغرسانی کا یہ ماہر اپنے ساتھ کم و بیش ایک سو ایسے آدمی لے کر دمشق گیا تھا۔ یہ لوگ تاجروں کے قافلے کی صورت میں تاجروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی کو ان کی بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ نورالدین زنگی کی وفات کی اطلاع کے فوراً بعد سلطان ایوبی کو یہ اطلاع ملی کہ امیروں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ اطلاع بھیجنے والا کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا بلکہ نورالدین زنگی کی بیوی تھی، جو نئے خلیفہ کی ماں تھی۔ اس نے خفیہ طور پر اپنا ایک قاصد قاہرہ کی طرف دوڑا دیا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو وہی حمایت بتائے جو زنگی کی وفات کے بعد وہاں پیدا ہو گئے تھے۔

اُس نے سلطان ایوبی کو کہلا بھیجا تھا — اب اسلام کی آبرو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میرے کمسن بیٹے کو خلیفہ بنا دیا گیا ہے۔ لوگ میرا احترام کرنے لگے ہیں کیونکہ میں خلیفہ کی ماں ہوں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں خوش قسمت ماں ہوں مگر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ میرے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا گیا بلکہ مجھ سے بیٹا چھین لیا گیا ہے۔ سیف الدین امیرِ موصل نے اور دوسرے تمام امیروں نے میرے بیٹے کے گرد گھیرا ڈال لیا ہے۔ میرے خاوند کے بھتیجوں نے بھی خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ اگر ان امیروں کا آپس میں استحاد ہوتا تو میں اتنی پریشان نہ ہوتی۔ یہ سب ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کو قتل کر دوں لیکن اس کے نتائج سے ڈرتی ہوں۔ آپ آجائیں۔ یہ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ آپ کس طرح آئیں گے اور کیا کریں گے۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتی ہوں کہ آپ نے اس طرف توجہ نہ دی یا وقت ضائع کیا تو قبلۂ اوّل پر تو صلیبی قابض ہیں ہی، خانۂ کعبہ پر بھی ان کا قبضہ ہو جائے گا۔ کیا اُن لاکھوں شہیدوں کا خون رائیگاں جائے گا جنہوں نے زنگی کی اور آپ کی قیادت میں قربانیں دی ہیں؟ آپ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے زیرِ اثر کیوں نہیں رکھتی؟ میں اس کا جواب دے چکی ہوں۔ اُمرا نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد وہ صرف ایک بار میرے پاس آیا تھا۔ وہ میرا بیٹا لگتا ہی نہیں تھا۔ اسے شاید حشیش پلائی گئی تھی۔ وہ بھول چکا ہے کہ میں اس کی ماں ہوں.... بھائی صلاح الدین! جلدی آؤ۔ دمشق کے لوگ آپ کا استقبال کریں گے۔ مجھے اسی قاصد کی زبانی جواب دیں کہ آپ کیا کریں گے یا کچھ بھی نہیں کریں گے؟

سلطان ایوبی نے قاصد کو اُسی وقت بھیج دیا تھا۔ اُس نے زنگی کی بیوہ کو یقین دلایا تھا کہ وہ بڑا سنگین اقدام کرے گا لیکن سوچ سمجھ کر قدم اٹھائے گا۔ قاصد کو واپس بھیجنے کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے علی بن سفیان کو دمشق، موصل، حلب، یمن اور تمام تر اسلامی علاقوں میں جا کر وہاں کا جائزہ لینے کے لیے کہا۔ یہ کوئی سرکاری نوعیت کا دورہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان کو جاسوسوں کے انداز سے بہروپ میں وہاں جانا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ معلوم کرے کہ مسلمان اُمرا جو خودمختاری کا اعلان کر چکے ہیں کیا ارادے رکھتے ہیں، صلیبیوں کے ساتھ اُن کا رابطہ ہے یا نہیں، خلیفہ کی فوج کا رجحان کیا ہے، کیا اس فوج کو خلیفہ کے ایسے احکام کی خلاف ورزی کے لیے

تیار کیا جا سکتا ہے جو اسلام کے لیے نقصان دہ اور دشمن کے لیے سودمند ہوں؟ اور علی بن سفیان کو یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ ان علاقوں کے عوام کے جذبات اور نظریات کیا ہیں، اور کیا فدائی بھی خلیفہ کے ساتھ مل گئے ہیں؟ یہ جائزہ بھی لینا تھا کہ سلطان ایوبی دمشق یا کسی اور مسلمان علاقے پر فوج کشی کرے تو وہاں کے عوام کا ردِعمل کیا ہوگا۔

سلطان ایوبی کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ وہ اندھیرے میں نہیں چلتا تھا۔ اُسے جہاں جانا ہوتا، اپنے جاسوسی کے نظام کے ذریعے وہاں کے احوال و کوائف، دشواریوں اور خطروں کا جائزہ لے لیتا تھا۔ جیسا کہ پہلی کہانیوں میں بتایا جا چکا ہے کہ اُس کا جاسوسی کا نظام بہت تیز اور ہوشیار تھا۔ اُس کے جاسوس جہاں اداکاری اور بہروپ دھارنے کی مہارت رکھتے تھے وہاں وہ ماہر چھاپہ مار گوریلے اور کمانڈو بھی تھے۔ اسی لیے انہیں لڑاکا جاسوس کہا جاتا تھا۔ وہ بغیر ہتھیاروں کی لڑائی کے بھی ماہر تھے۔ علی بن سفیان کو خود نے جاسوسی اور سراغرسانی کا وصف پیدائش کے ساتھ ہی عطا کیا تھا۔ اب زنگی کی وفات کے بعد اسلامی ممالک کے حالات مخدوش ہو گئے اور صلیبی خطرہ سر پر آ گیا تو اُسے سلطان ایوبی کے اس حکم کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ ان بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لینا ہے اور یہ جائزہ کس طرح لینا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی اُس کی لائی ہوئی رپورٹ کے مطابق کوئی کارروائی کرے گا اور یہ کارروائی بقائے اسلام کے لیے بے حد ضروری ہوگی۔

☆

یہاں ہم کہانی کو کچھ دن پیچھے لے جاتے ہیں۔ جب علی بن سفیان قاہرہ سے روانہ ہوا تھا۔ اُس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اپنے لڑاکا جاسوسوں میں سے کم و بیش ایک سو افراد کو منتخب کیا۔ انہیں مشن بتایا اور کہا کہ اسلام کی آبرو ان سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے اور اس مشن میں انہیں اپنی مہارت کا پورا پورا استعمال کرنا ہے۔ ان ایک سو آدمیوں کو تاجروں کا لباس پہنایا گیا۔ علی بن سفیان مصنوعی داڑھی کے ساتھ قافلے کا سردار بنا۔ انہوں نے اونٹوں پر مختلف اقسام کا سامان لاد لیا جو انہیں دمشق وغیرہ کی منڈیوں میں بیچنا اور اس کے بدلے وہاں سے سامان لانا تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ تجارتی سامان میں اس پارٹی نے تلواروں اور برچھیوں جیسے ہتھیار چھپا رکھے تھے۔ اس میں آتش گیر مادہ بھی تھا اور آگ لگانے کا دیگر سامان بھی۔ یہ قافلہ رات کے وقت قاہرہ سے روانہ ہوا اور طلوعِ سحر تک بہت دور نکل گیا۔

کچھ دیر آرام کر کے قافلہ پھر روانہ ہوا۔ علی بن سفیان بہت جلدی منزل پر پہنچنا چاہتا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تو بھی اُس نے قافلے کو نہ روکا۔ رات خاصی گزر چکی تھی جب ایک بڑی موزوں جگہ آ گئی۔ یہ سرسبز خطہ تھا اور وہاں پانی کی نیچی چٹانیں بھی تھیں۔ ظاہر ہے کہ وہاں پانی بھی تھا۔ قافلہ آرام اور پانی کے لیے رک گیا۔ یہ لوگ تاجر نہیں فوجی تھے۔ ان کی ہر حرکت میں ڈسپلن تھا، احتیاط تھی اور ٹریننگ کے مطابق وہ خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔ اونٹ اور گھوڑے بھی ایسے تربیت یافتہ تھے کہ انسانوں کی طرح خاموش تھے۔ علی بن سفیان نے چٹانوں اور ٹیلوں کے اندر جانے کی بجائے باہر ہی پڑاؤ کیا۔ فوجی دستوں کے مطابق دو آدمیوں کو پانی کی تلاش کے لیے بھیجا گیا۔ سب نے ہتھیار نکال لیے تھے کیونکہ اُن دنوں سفر میں دو خطرے تھے۔ ایک خطرہ صحرائی ڈاکوؤں کا تھا اور دوسرا

مسیحیوں کے حملہ پر دستوں کا۔ اُن کے یہ دستے دراصل ڈاکو ہی تھے جو مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹتے پھرتے تھے۔

دو آدمی اس خیمے کے اندر چلے گئے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا تھا کہ یہاں دشمن کے حملہ آوروں یا گشتی دستوں نے قیام نہ کر رکھا ہو۔ کچھ دُور اندر گئے تو کہیں روشنی کا دھوکہ سا ہوا۔ وہ آگے گئے اور ایک ٹیلے پر چڑھ گئے۔ انہیں بڑی اچھی جگہ نظر آئی جو میدانی سی تھی۔ وہاں پانی بھی تھا، ہریالی بھی تھی اور کھجور کے درخت بھی تھے۔ وہاں دو مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی میں انہیں چھ سات آدمی اور چار لڑکیاں نظر آئیں۔ بہت خوبصورت لڑکیاں تھیں۔ انہوں نے آگ بھی جلا رکھی تھی جس پر وہ گوشت بھون رہے تھے اور پیالوں میں وہ کچھ پی رہے تھے جو شراب ہی ہو سکتی تھی۔ ذرا پرے گھوڑے اور تین چار اونٹ بندھے تھے۔ بہت سارا سامان بھی ایک طرف پڑا تھا۔ علی بن سفیان کے دونوں آدمی چھپ کر قریب چلے گئے۔ رات کے سکوت میں اُن لوگوں کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ اُن کا ہنسی مذاق بتا رہا تھا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں۔ لڑکیاں بے حیائی کی حرکتیں بھی کر رہی تھیں۔ ان دونوں آدمیوں نے انہیں نظر انداز نہ کیا۔ واپس آکر علی بن سفیان کو بتایا۔

علی بن سفیان گیا اور چھپ کر قریب سے دیکھا۔ ان آدمیوں اور لڑکیوں کی زبان کچھ اور تھی جو علی بن سفیان سمجھتا تھا۔ وہ عیسائی تھے۔ علی بن سفیان سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے پاس چلا جائے اور معلوم کرے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں یا ان کی نقل و حرکت دیکھتا رہے۔ اُس کے ساتھ ایک سولڑاکا جاسوس تھے۔ اُسے ان چھ سات آدمیوں اور چار لڑکیوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن وہ انہیں سراغرساں نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے شک ہو گیا تھا کہ یہ صلیبی جاسوس اور تخریب کار ہیں اور کسی اسلامی مملکت میں جا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہی تھا تو یہ اُس کے مطلب کے لوگ تھے۔ وہ اور زیادہ قریب ہونے کے لیے ٹیلے کے اوپر اوپر سرکتا ہوا گیا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ وہاں ٹیلہ ختم ہو جاتا تھا۔ اُسے اپنے بالکل نیچے دو آدمی نظر آئے جن کے منہ اور سر سیاہ کپڑوں میں لپٹے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے ان آدمیوں اور لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بلاشک و شبہ صحرائی ڈاکو تھے اور ان کی نظر لڑکیوں پر تھی۔ یہ دو نقاب پوش پیچھے ہٹ آئے۔ انہوں نے آپس میں جس زبان میں باتیں کیں وہ علی بن سفیان کی مادری زبان تھی۔

"ان کے پاس ہتھیار ہیں" — ایک ڈاکو نے کہا۔

"ہاں" — دوسرے نے کہا — "میں نے دیکھ لیا ہے۔ ان کی تلواریں سیدھی ہیں۔ یہ عیسائی ہیں"

"یہ عام قسم کے مسافر معلوم نہیں ہوتے"

"انہیں سو جانے دو۔ سب کو بلا لاتے ہیں"

"ہم آٹھ آدمی انہیں سوتے میں ہی پکڑ سکتے ہیں"

"پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آدمیوں کو سوتے میں ختم کر دیں گے اور لڑکیوں کو گھوڑوں پر ڈال

لیں گے"

وہ دونوں اپنے ساتھیوں کو بلانے کے لیے چل پڑے۔ علی بن سفیان نے چھپ چھپ کر اُن کا تعاقب کیا۔ وہ کسی اور راستے سے باہر نکل گئے۔ وہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ علی بن سفیان کا قافلہ ایسی طرف قیام کیے ہوئے تھا جو ڈاکو نہیں گئے تھے۔ علی بن سفیان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ ان لوگوں کو خبردار کر دے یا انہیں اپنے قافلے میں لے جائے۔ گہری سوچ بچار کے بعد اُس نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ اپنے آدمیوں میں واپس آیا۔ بیس بائیس آدمیوں کو برچھیوں سے مسلح کر کے اپنے ساتھ لے گیا۔ انہیں محاذ پر جنگ کے لیے تیار کھڑا کر دیا اور اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ وہ خود بھی چوکس اور ہوشیار رہا اور اِدھر اُدھر گھومتا پھرتا رہا۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ ڈاکو کس وقت آئیں گے۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکیاں اور ان کے ساتھ کے آدمی سو گئے ہیں۔ صرف ایک آدمی برچھی ہاتھ میں لیے ٹہلتا رہا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ تربیت یافتہ ہیں۔ اس ذمہ دار محافظ نے سنتری کھڑا کیا تھا۔ مشعلیں جلتی رہیں۔

☆

سحر جو پہلی تھی جب ٹیلوں کے اندر گھوڑوں کے چلنے کی آہٹ سنائی دی۔ سب ہوشیار ہو گئے۔ لڑکیوں کا سنتری مل گیا تھا۔ اب دوسرا آدمی پہرہ دے رہا تھا۔ ڈاکو ٹیلوں کے درمیان تھے اور علی بن سفیان اور اس کے آدمی ٹیلوں کے اوپر۔ تھوڑی ہی دیر بعد آہٹ تو ڈاکو اُس جگہ داخل ہوئے جہاں ان کا شکار سویا ہوا تھا۔ سنتری گھبرا گیا۔ اُس نے جلدی سے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ ڈاکوؤں نے اُن کے گرد گھیرا ڈال لیا اور گھوڑوں سے کود آئے۔ لڑکیوں کے ساتھ کے آدمی جاگ اٹھے مگر ڈاکوؤں نے انہیں ہتھیار اٹھانے کی مہلت نہ دی۔ ایک نے للکار کر کہا — "اپنا سامان اور لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو اور اپنی جانیں بچاؤ" — اُس نے لڑکیوں سے کہا — "تم اِس طرف آ جاؤ، ماری جاؤ گی" — دو ڈاکوؤں نے انہیں دھکیل کر ایک طرف کر دیا۔ ان کے آدمی نہتے تھے۔ پھر بھی دو نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ واقعی تربیت یافتہ تھے۔ بے جگری سے لڑے۔

علی بن سفیان کی آواز پر جو اُس نے پہلے مقرر کر رکھی تھی، اُس کے آدمی مقابلوں کی صورت ٹیلوں سے اترے اور ڈاکو ابھی سمجھ ہی نہ پائے تھے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ ایک ایک برچھی ایک ایک ڈاکو کے جسم میں داخل ہو چکی تھی۔ اس سے پہلے ڈاکوؤں کے ہاتھوں لڑکیوں کے ساتھ کے دو آدمی مارے جا چکے تھے جس کا علی بن سفیان کو کوئی افسوس نہیں تھا۔ وہ غالباً یہی چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک دو آدمیوں کا خون بہتے تاکہ دوسروں پر، خصوصاً لڑکیوں پر، دہشت طاری ہو جائے۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو ٹیلوں پر چڑھا لیا اور ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا۔ لڑکیاں بہت ہی ڈری ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے دو لاشیں اپنے ساتھیوں کی اور دو لاشیں ڈاکوؤں کی پڑی تھیں۔ علی بن سفیان نے اُن کی زبان میں ان آدمیوں اور لڑکیوں سے باتیں شروع کر دیں۔ وہ لوگ اُس کے اس قدر ممنون تھے جیسے اس کے مرید بن گئے ہوں۔ اُس نے انہیں موت

کے منہ سے نکلا تھا۔ ان سے اس نے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا تو علی بن سفیان مسکرایا اور بولا ــــ "اگر تم لوگ مجھ سے یہ سوال پوچھتے تو میں بھی ایسا ہی غلط جواب دیتا۔ میں تمہاری تعریف کروں گا کہ اتنی خوفزدگی میں بھی تم نے اپنا پردہ نہیں اٹھایا۔"

"تم کہاں سے آئے ہو؟" ــــ ایک نے اس سے پوچھا ــــ "اور کہاں جا رہے ہو؟"

"جہاں سے تم آئے ہو" ــــ علی بن سفیان نے جواب دیا ــــ "اور وہیں جا رہا ہوں جہاں تم جا رہے ہو۔ ہمارے کام مختلف ہیں، منزل ایک ہی ہے۔"

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ حیران سے ہوئے اور علی سفیان کو دیکھنے لگے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا ــــ "کیا تم نے دیکھا تھا کہ میں نے کیسی چال سے ان ڈاکوؤں کو ختم کر دیا ہے؟ کیا کوئی مسافر یا کوئی قافلہ ایسی چال چل سکتا ہے؟ کیا یہ ایک تربیت یافتہ کمانڈر کی استادی نہیں جو میں نے دکھائی ہے؟"

"تم مسلمان فوجی بھی ہو سکتے ہو۔"

"میں صلیب کا سپاہی ہوں" ــــ علی بن سفیان نے جواب دیا۔

"کیا تم اپنی صلیب دکھا سکتے ہو؟"

"کیا تم اپنی اپنی صلیب مجھے دکھا سکتے ہو؟" ــــ علی بن سفیان نے پوچھا اور سب کی طرف دیکھ کر کہا ــــ "تم نہیں دکھا سکتے۔ تمہارے پاس صلیبیں نہیں ہیں کیونکہ جس کام کے لیے تم جا رہے ہو اس میں صلیب ساتھ نہیں رکھی جا سکتی۔ میں تم سے تمہارے نام نہیں پوچھوں گا۔ اپنا نام بھی نہیں بتاؤں گا۔ اپنا کام بھی نہیں بتاؤں گا۔ صرف یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں اور ہم میں سے معلوم نہیں کون کون اپنے وطن کو واپس لوٹ سکے گا۔ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ خداوند یسوع مسیح نے جس طرح مجھے اور میرے آدمیوں کو تمہاری مدد کے لیے بھیجا ہے یہ نشانی ہے کہ تم صحیح راستے پر ہو اور تم کامیاب ہو گے۔ نورالدین زنگی کی موت اس حقیقت کی نشانی ہے کہ دنیا پر صلیب کی حکومت ہو گی۔ مسلمانوں کا کون سا امیر رہ گیا ہے جو ہمارے جال میں نہیں آ گیا؟ میں تمہیں یہی نصیحت کروں گا کہ ثابت قدم رہنا" ــــ اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا ــــ "تمہارا کام سب سے زیادہ نازک اور خطرناک ہے۔ خداوند یسوع مسیح تمہاری قربانی کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ ہم جو مرد ہیں وہ اپنی جان دے کر دنیا کی مشکلات سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ تمہاری کوئی جان نہیں لیتا۔ تم سے آبرو کی قربانی لی جاتی ہے اور یہی سب سے بڑی قربانی ہے۔"

علی بن سفیان استاد تھا۔ اس کی زبان میں ایسا طلسم تھا کہ وہ سب دم بخود ہو گئے۔ تھوڑی سی دیر میں اس نے ان سے کہلوا لیا کہ وہ صلیبی ہیں اور تخریب کاری کے لیے دمشق اور دیگر علاقوں میں جا رہے ہیں۔ وہ بھی تاجروں کے بھیس میں تھے۔ علی بن سفیان صلیبیوں کے نظامِ جاسوسی کی خفیہ باتیں اور اصطلاحیں جانتا تھا۔ اس وقت تک وہ بے شمار صلیبی جاسوس پکڑ کر ان سے اقبالِ جرم کروا چکا تھا۔ اس نے جب ان اصطلاحوں میں باتیں کیں تو لڑکیوں اور ان کے ساتھ کے آدمیوں کو نہ صرف یہ یقین ہو گیا کہ وہ صلیبی جاسوس ہے بلکہ وہ اسے

جاسوسوں کا کمانڈر سمجھنے لگے۔ اس نے انہیں بتایا کہ اس کے ساتھ ایک سو آدمی ہیں۔ ان میں لڑاکا جاسوس بھی ہیں اور فدائی بھی جو دمشق وغیرہ میں اُن اعلیٰ افسروں کو قتل کرنے یا غائب کرنے جا رہے ہیں جو صلاح الدین ایوبی کے مکتبِ فکر کے پیروکار ہیں۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ لمبے عرصے سے محاذ پر کام کر رہا تھا۔ اب اسے ادھر بھیجا جا رہا ہے۔

اس گروہ نے علی بن سفیان کے سامنے اپنا پردہ اٹھا دیا اور ایک مشکل پیش کی۔ وہ یہ تھی کہ ان کا کمانڈر ڈاکوؤں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ ان علاقوں میں پہلے بھی آ چکا تھا جہاں وہ جا رہے تھے۔ اس کے مارے جانے کے بعد وہ اندھے ہو گئے تھے۔ انہیں ایک راہنما کی ضرورت تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں تسلی دی کہ وہ اپنے مشن سے ہٹ کر ان کی راہنمائی کرے گا، وہ اسے اپنا مشن بتا دیں۔ انہوں نے بتا دیا۔ انہیں چند ایک سالاروں کے نام بتا کر کہا گیا تھا کہ ان تک تحفے پہنچانے ہیں اور لڑکیوں کو ضرورت کے مطابق استعمال کرنا ہے۔ ایسے سالاروں اور امیروں تک رسائی حاصل کرنی ہے جو صلیبیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ انہیں صلیبیوں کا دوست بنانا ہے۔

"اس مرحلے میں آ کر میرا اور تمہارا کام ایک ہو جاتا ہے" ــــ علی بن سفیان نے کہا ــــ "مجھے ان سالاروں اور قائدین کو ختم کرنا ہے جو دل سے صلیب کی دشمنی نہیں نکال رہے.... تم دمشق میں کہاں قیام کرو گے؟"

"تم دیکھ رہے ہو کہ ہم تاجر بن کر جا رہے ہیں" ــــ ایک نے جواب دیا ــــ "دمشق کے قریب جا کر یہ لڑکیاں باپردہ مسلمان عورتیں بن جائیں گی۔ ہم سرائے میں قیام کریں گے۔ وہاں سے تاجروں کے بھیس میں سالاروں وغیرہ تک جائیں گے۔"

☆

اگلی صبح علی بن سفیان کا قافلہ دمشق کی سمت جا رہا تھا۔ یہ صلیبی آدمی اور لڑکیاں بھی اس قافلے میں شامل ہو گئی تھیں۔ جانوروں میں ڈاکوؤں کے گھوڑوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ صلیبیوں نے علی بن سفیان کو اپنا لیڈر بنا لیا تھا۔ ان کی نظر میں وہ صلیبی تھا۔ اس نے انہیں کہا تھا کہ وہ اس کے کسی آدمی کے ساتھ بات نہ کریں کیونکہ ان میں مسلمان بھی ہیں جو بیشک فدائی اور تخریب کار ہیں لیکن ان کا کوئی بھروسہ نہیں۔ راستے میں علی بن سفیان نے ان صلیبیوں کو اپنے ساتھ رکھا اور ان سے باتیں پوچھتا رہا۔ اسے کام کی بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔

اگلے روز قافلہ دمشق میں داخل ہوا۔ علی بن سفیان کی ہدایت پر سرائے میں جانے کی بجائے قافلے نے ایک میدان میں خیمے گاڑ دیئے۔ لوگوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ باہر سے جب تاجروں کے قافلے آتے تھے تو لوگ ان کے گرد جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ مال دکانوں میں جانے سے پہلے ہی قافلے سے ہی خرید لیا جائے۔ وہاں سے کم قیمت پر اشیا مل جاتی تھیں۔ علی بن سفیان نے اعلان کیا کہ دس گھوڑے بھی بکاؤ ہیں۔ اس ہجوم میں دمشق کے تاجر اور دکاندار بھی تھے۔ دو چار گھنٹوں میں وہاں میلہ لگ گیا۔ علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ مال روک کے رکھیں اور جلدی فروخت نہ کریں۔ اتنا زیادہ ہجوم دیکھ کر اس نے اپنے چند ایک ذہین آدمیوں

سے کہا کہ وہ لوگوں میں گھل مل جائیں اور ان کے خیالات معلوم کریں۔ یہ آدمی اس کام کے ماہر تھے۔ وہ چغے اتار کر ہجوم میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے دو تین شہر میں چلے گئے۔

علی بن سفیان اور اُس کے تمام آدمیوں نے مغرب کی نماز مختلف مسجدوں میں تقسیم ہو کر پڑھی۔ صلیبیوں کو خیمہ گاہ میں چھوڑ گئے تھے۔ مسجدوں میں انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ وہ قاہرہ سے آئے ہیں اور تاجر ہیں۔ لوگوں کے ساتھ گپ شپ کے انداز میں انہوں نے اُن کے خیالات معلوم کر لیے۔ لوگوں کے خیالات اور جذبات امید افزا تھے۔ ان میں کچھ لوگ بھڑکے ہوئے بھی تھے۔ وہ نئے خلیفہ اور امراء کے خلاف باتیں کرتے تھے اور ان میں انہی حیثیت کے لوگ بھی تھے جو جانتے اور سمجھتے تھے کہ درپردہ اسلام کو صلیب للکار رہی ہے اور اپنی خلافت عیاش امراء کے ہاتھ آ گئی ہے۔ وہ بہت پریشان تھے اور کہتے تھے کہ زنگی کے بعد صرف صلاح الدین ایوبی ہے جو اسلام کا نام زندہ رکھ سکتا ہے۔

علی بن سفیان نے اپنے آدمیوں کو بتا دیا تھا کہ یہ لڑکیاں اور آدمی صلیبی ہیں اور ان پر یہی ظاہر کرتے رہیں کہ ہم سب صلیب کے مشن پر آئے ہیں۔ انہیں کوئی شک نہیں ہوا تھا۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ وہ آج رات آرام کریں اور اُس کی ہدایت کا انتظار کریں۔ رات کو وہ ایک سالار توفیق جوّاد کے گھر چھاپا گیا۔ وہ تاجر کے بھیس میں تھا اور مصنوعی داڑھی لگا رکھی تھی۔ اس نے دربان سے کہا کہ اندر اطلاع دو کہ قاہرہ سے آپ کا ایک دوست آیا ہے۔ دربان نے اندر اطلاع دی تو علی بن سفیان کو اندر بلا لیا گیا۔ توفیق جوّاد اُسے پہچان نہ سکا۔ علی بن سفیان نے بات کی تو توفیق جواد نے اُسے پہچان لیا اور گلے لگا لیا۔ علی بن سفیان کو اس شخص پر بھروسہ تھا۔ اُس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کچھ صلیبی جاسوسوں اور لڑکیوں کو پکڑ لایا ہے اور اب یہ سوچنا ہے کہ انہیں کس طرح استعمال کیا جائے۔

"اس سے پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ یہاں کے اندرونی اور بیرونی حالات کیا ہیں؟" علی بن سفیان نے اس سے پوچھا۔ "قاہرہ میں بڑی تشویشناک خبریں پہنچی ہیں۔"

توفیق جوّاد نے ان تمام خبروں کی تصدیق کی جو قاہرہ پہنچی تھیں۔ اس نے کہا۔ "علی بھائی، تم اسے خانہ جنگی کہو گے لیکن صلیبی خطرے کو رد کرنے کے لیے صلاح الدین ایوبی کو خلافت کے خلاف فوج کشی کرنی پڑے گی۔"

"اگر ہم قاہرہ سے فوج لائیں تو کیا یہاں کی فوج ہمارا مقابلہ کرے گی؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"تم لوگ حملے کے انداز سے نہ آؤ۔" توفیق جواد نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی یہ ظاہر کریں کہ وہ خلیفہ سے ملنے آئے ہیں اور خلیفہ کی تعلیم کے لیے فوج کے کچھ دستے ساتھ لائے ہیں۔ اگر امراء کی نیت ٹھیک ہوئی تو وہ استقبال کریں گے، دوسری صورت میں ان کا ردِعمل سامنے آ جائے گا۔ جہاں تک یہاں کی فوج کا تعلق ہے، میں وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ فوج تمہارا مقابلہ نہیں کرے گی بلکہ تمہارا ساتھ دے گی، مگر یہ بھی ذہن میں رکھو کہ تم جتنا وقت ضائع کرو گے یہ فوج اتنی تم سے دور ہٹتی جائے گی۔ اس فوج کا وہ جذبہ مارنے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں جو اسلامی فوج کی اصل قوت ہے۔ تم جانتے ہو علی بھائی، حکمران جو عیش و عشرت کے دلدادہ ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے دشمن کے ساتھ سمجھوتہ کرتے ہیں تاکہ جنگ و جدل کا خطرہ ٹل جائے۔ پھر وہ فوج

کو کمزور کرتے ہیں اور ایسے سالاروں کو منظورِ نظر بناتے ہیں جو خوبیٔ احکام کی بجائے ان کی خواہشات کے پابند ہوں۔ وہ صلاح الدین ایوبی جیسے سالاروں کو پسند نہیں کرتے۔ یہ عمل یہاں شروع ہو چکا ہے۔ ہمارے اعلیٰ رتبوں کے چند ایک فوجی افسر اپنے جذبے اور ایمان سے دست بردار ہو چکے ہیں۔ ابھی کچھ جیسے ایسے سالار بھی ہیں، تو صلیبیوں کو کبھی دوست نہیں کہیں گے اور نورالدین زنگی کے جذبۂ جہاد کو زندہ رکھیں گے مگر وہ اپنے طور پر خلافت کے احکام کے بغیر کیا کر سکتے ہیں؟"

"کیا میں سلطان ایوبی سے یہ کہہ دوں کہ یہاں کی فوج ہمارا ساتھ دے گی؟" علی بن سفیان نے پوچھا۔

"ضرور کہہ دو۔" توفیق جوّاد نے جواب دیا۔ "البتہ خلیفہ کے محافظ دستے (باڈی گارڈز) اور امراء کے محافظ دستے تمہارے خلاف لڑیں گے۔ ان دستوں کی نفری کم نہیں اور ان میں چنے ہوئے سپاہی ہیں۔ جب سے زنگی فوت ہوئے ہیں ان دستوں کی خاطر و مدارات پہلے سے زیادہ ہونے لگی ہے۔ انہیں غالباً خانہ جنگی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔"

"یہاں کے لوگوں میں مجھے جو قومی جذبہ نظر آیا ہے، اس سے مجھے توقع ہے کہ ہم یہاں آئے تو کامیاب ہوں گے۔" علی بن سفیان نے کہا۔

"قوم اتنی جلدی بے حس نہیں ہو سکتی۔" توفیق جوّاد نے کہا۔ "جس قوم نے اپنے بیٹے شہید کرائے ہوں وہ اپنے دشمن کو کبھی نہیں بخشتی اور جس فوج نے دشمن سے دو دو ہاتھ کیے ہوں اسے اتنی جلدی سرد نہیں کیا جا سکتا مگر حکمرانوں کے پاس ایسے ایسے ہتھکنڈے ہوتے ہیں جو قوم اور فوج کو مردہ کر دیا کرتے ہیں۔ اب قوم اور فوج میں نفاق پیدا کیا جا رہا ہے۔ قوم کی نظر میں فوج کو گرایا جا رہا ہے۔"

"میں محترم نورالدین زنگی کی بیوہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "وہ خلیفہ کی والدہ بھی ہیں۔ انہوں نے سلطان ایوبی کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی آبرو کو بچائیں.... کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ انہیں یہاں بلا لیا جائے؟"

"کل ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔" توفیق جوّاد نے کہا۔ "میں انہیں بلا سکتا ہوں۔ تمہارا نام سن کر وہ فوراً آ جائیں گی۔"

توفیق جوّاد نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا کہ خلیفہ کی والدہ کے ہاں جاؤ، میرا سلام کہنا اور ان کے کان میں کہنا کہ قاہرہ سے کوئی آیا ہے۔

☆

جب علی بن سفیان توفیق جوّاد کے پاس بیٹھا تھا اُس وقت اس کی خیمہ گاہ میں رونق تھی۔ رات خاصی گزر گئی تھی۔ خریداروں کا ہجوم بہت دیر ہوئی جا چکا تھا۔ علی بن سفیان کے ایک سو آدمیوں نے لمبا سفر طے کیا تھا۔ وہ بازار سے دنبے اور بکرے لے آئے تھے جنہیں ذبح کر کے وہ کھا رہے تھے اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ لڑکیاں ایک خیمے میں تھیں۔ صلیبی مرد علی بن سفیان کے آدمیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے شراب نکال لی تاکہ

محفل کی رونق دوبالا ہو جائے۔ انہوں نے سب کو شراب پیش کی تو سب نے انکار کر دیا۔ صلیبی حیران ہوئے۔ علی بن سفیان نے انہیں بتایا تھا کہ ان میں مسلمان بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ جو مسلمان تھے ان کے متعلق بتایا گیا تھا کہ فدائی ہیں یعنی وہ برائے نام مسلمان ہیں۔ اصل میں وہ حسن بن صباح کے فرقے کے تھے جو شراب کو حرام نہیں سمجھتے تھے۔ صلیبیوں کو کچھ شک ہوا۔ وہ آخر تربیت یافتہ جاسوس تھے۔ انہوں نے دو چار اور ایسی نشانیاں دیکھیں جن سے ان کا شک پختہ ہو گیا۔ وہ ایک ایک کر کے وہاں سے اس طرح اٹھنے لگے جیسے جی بھر گیا ہو۔

انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں اور دیکھیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ ایک لڑکی نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکلی کہ یہ خیمہ خالی کر دو۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر گھومتی پھرتی رہی۔ بہت دیر بعد علی بن سفیان کا ایک آدمی اٹھ کر اُس کی طرف آیا۔ وہ معلوم نہیں کیوں اٹھا تھا۔ لڑکی نے اسے روک لیا اور کہا کہ خیمے میں جیسے اُس کا دل گھبرا رہا تھا اس لیے باہر نکل آئی۔ وہ مردوں کو انگلیوں پر نچانا جانتی تھی۔ اس آدمی کو اُس نے ایسی باتوں میں جکڑ لیا کہ وہ بھول ہی گیا کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔ لڑکی نے کہا ــــ "یہ آدمی جو ہمارے ساتھ ہیں بہت بُرے آدمی ہیں۔ ہم تمہاری طرح یہاں کسی اور کام سے آئی ہیں لیکن یہ ہمیں بہت پریشان کرتے ہیں۔ کیا ایسے ہو سکتا ہے کہ تم میرے خیمے میں آ کر سو جاؤ؟ میں ان سے بچی رہوں گی" ــــ اور اس نے ایسی اداکاری کی کہ یہ آدمی موم ہو گیا اور اُس کے ساتھ اس کے خیمے میں چلا گیا۔

خیمے میں چھوٹی قندیل جل رہی تھی۔ لڑکی نے روشنی میں اس آدمی کو دیکھا تو بڑی ہی پُرکشش اور جذباتی مسکراہٹ سے کہا ــــ "اوہ! تم تو بہت خوبصورت آدمی ہو۔ تم میری حفاظت کر سکو گے؟" اس نے شراب کی چھوٹی سی صراحی اٹھا کر کہا ــــ "تھوڑی سی پیو گے؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"میں مسلمان ہوں"

"اگر اتنے پکے مسلمان ہو تو صلیب کے لیے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے کیوں آئے ہو؟"

وہ آدمی چونکا۔ اس نے کہا ــــ "اس کی مجھے اُجرت ملتی ہے"

لڑکی جتنی خوبصورت تھی اس سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔ اپنے یہ دونوں ہتھیار استعمال کر کے اُس نے علی بن سفیان کے اس آدمی کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کہا ــــ "شراب نہ پیو، شربت پی لو" وہ دوسرے خیمے میں چلی گئی اور ایک پیالہ اٹھا لائی۔ اس آدمی نے پیالہ ہاتھ میں لے کر منہ سے لگایا تو مسکرا کر پیالہ رکھ دیا۔ لڑکی سے پوچھا ــــ "اس میں کتنی حشیش ڈالی ہے؟"

لڑکی کو دھچکا سا لگا لیکن سنبھل گئی اور بولی ــــ "زیادہ نہیں۔ اتنی سی ڈالی ہے جتنی تمہیں ذرا سی دیر کے لیے بے خود کر دے"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں تم پر قبضہ کرنا چاہتی ہوں" ــــ اس نے سنجیدگی سے کہا ــــ "اگر تمہیں میری آنکھیں بُری لگتی ہیں تو یہ خنجر میرے دل میں اتار دو۔ میں تمہیں اتفاقیہ نہیں ملی تھی۔ میں نے تمہیں اٹھتے اور ادھر آتے دیکھ لیا تھا۔ میں تمہارے راستے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ سفر کے دوران میں تمہیں بُری نظر سے دیکھتی رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ہم کبھی اکٹھے رہے ہیں اور ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم میرے دل میں اتر گئے ہو۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے تمہیں شراب پیش کی تھی، خود نہیں پی تھی۔ میں شراب نہیں پیتی کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ یہ لوگ مجھے زبردستی پلاتے ہیں"

وہ چونک کر بولا ــــ "تم ان کافروں کے ساتھ کیسے آ گئیں؟"

"بارہ سال سے ان کے ساتھ ہوں" ــــ لڑکی نے جواب دیا ــــ "میں یروشلم کی رہنے والی ہوں۔ اُس وقت میری عمر بارہ سال تھی جب مجھے باپ نے فروخت کیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے خریدار عیسائی ہیں۔ انہوں نے مجھے اس کام کی ٹریننگ دی جس کے لیے میں یہاں آئی ہوں۔ میں دمشق اور بغداد کا نام سنا کرتی تھی اور یہ نام مجھے اچھے لگتے تھے۔ اس سرزمین پر قدم رکھا ہے تو اس کی ہواؤں نے میرے اندر میرا مذہب بیدار کر دیا ہے۔ میں مسلمان بن کر مسلمانوں کی تباہی کے لیے میں کوئی کام نہیں کر سکوں گی" ــــ اس نے جذباتی لہجے میں کہا ــــ "میرا دل رو رہا ہے۔ میری روح رو رہی ہے" ــــ اُس نے اس آدمی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیے اور کہا ــــ "تم بھی مسلمان ہو۔ آؤ بھاگ چلیں۔ مجھے جہاں لے جاؤ گے چلوں گی۔ ریگستان میں لے جاؤ گے تو خوشی سے ساتھ رہوں گی۔ تم بھی اپنی قوم کو دھوکہ دینے سے باز آ جاؤ۔ ہمارے پاس سونے کے بہت سے سکے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہاں پڑے ہیں۔ آسانی سے چرا لاؤں گی"

علی بن سفیان کا یہ آدمی تھا تو عقل مند لیکن لڑکی کے جھانسے میں آ گیا۔ اُسے اپنی ڈیوٹی یاد آ گئی تھی۔ اسی لیے اس نے حشیش نہیں پی تھی۔ وہ حشیش کی بُو سے واقف تھا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ اور اس کی پارٹی یہاں کیا کرنے آئی ہے، لڑکی نے بتا دیا۔ اس آدمی نے کہا ــــ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم یہاں مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے سکو گی۔ اگر تم سچے دل سے اس کام سے متنفر ہو گئی ہو تو تم خوش قسمت ہو کہ تم ہمارے دھوکے میں آ گئی ہو۔ اب تم ہمارے ساتھ رہو گی۔ ہم میں سے کوئی بھی صلیب کا جاسوس نہیں۔ ہم سب معرکہ کی فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں" ــــ لڑکی جوشِ مسرت سے اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ اس آدمی نے کہا ــــ "میں اپنے کمانڈر سے کہوں گا کہ تمہیں دوسری لڑکیوں سے الگ رکھے اور کسی امیر وغیرہ کے حوالے نہ کرے"

لڑکی بیتابی سے اس کے ہاتھ چومنے لگی۔ اس کا فریب کامیاب ہو گیا۔ علی بن سفیان کا اتنا ہوشیار جاسوس ایک لڑکی کے فریب کا شکار ہو گیا۔

"ذرا ٹھہرو" ــــ لڑکی نے اُسے کہا ــــ "میں دیکھ آؤں کہ میرے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں" وہ خیمے سے نکل گئی۔

☆

علی بن سفیان سالار توفیق جوآد کے گھر بیٹھا نورالدین زنگی کی بیوہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اسلام کے اس عظیم مجاہد کی بیوہ نے قاصد کے ذریعے صلاح الدین ایوبی تک اپنے جذبات پہنچا دیئے تھے پھر بھی اس سے ملنا ضروری تھا۔ بہت سی معلومات لینی اور اقدام طے کرنے تھے۔ کچھ دیر بعد ایک پُرعظمت عورت آگئی۔ وہ سیاہ اوڑھنی میں تھی۔ علی بن سفیان کو پہچان نہ سکی کیونکہ وہ مصنوعی داڑھی میں تھا۔ جب پہچان لیا تو اس کے آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگی ــــ "یہ وقت بھی ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو یوں چھپ کر اور بہروپ دھار کر ملیں گے۔ تم یہاں سراد نہ پا کر کے آیا کرتے تھے، اب اس حال میں آئے ہو کہ کوئی تمہیں پہچان نہ لے اور میں گھر سے اس احتیاط سے نکلی ہوں کہ کوئی میرے پیچھے یہ دیکھنے کے لیے نہ آئے کہ میں کہاں جا رہی ہوں"

علی بن سفیان کے آنسو بہ رہے تھے۔ جذبات کا ایسا غلبہ ہوا کہ وہ بہت دیر بول ہی نہ سکا۔ زنگی کی بیوہ نے کہا ــــ "علی بن سفیان! میں نے یہ لباس اپنے خاوند کے ماتم کے لیے نہیں پہنا، میں اس غیرت کے ماتم میں ہوں جو میری قوم کا زیور ہے۔ ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں نے میرے بیٹے کو آلۂ کار بنا کر قومی غیرت صلیبیوں کے قدموں میں ڈال دی ہے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو، کل خلیفہ کے حکم سے اُس صلیبی بادشاہ کو جسے میرے خاوند نے جنگی قیدی بنایا تھا رہا کر دیا گیا ہے۔ یہ ریناللڈ تھا جسے چند ہی مہینے پہلے نورالدین زنگی نے بے شمار صلیبی سپاہیوں کے ساتھ ایک لڑائی میں پکڑا تھا۔ اُسے اور دوسرے قیدیوں کو زنگی کرک سے یہاں لے آئے تھے۔ زنگی بہت خوش تھے۔ کہتے تھے کہ میں صلیبیوں کے ساتھ ایسی سودا بازی کر کے اس صلیبی حکمران کو چھوڑوں گا جو اُن کی کمر توڑ دے گی۔ ایک بادشاہ اور اعلیٰ کمانڈر کی گرفتاری معمولی سی بات نہیں ہوتی۔ ہم اس کے بدلے صلیبیوں سے اپنی شرائط منوا سکتے تھے، مگر کل میرا بیٹا میرے پاس آیا اور بڑی خوشی سے کہا ــــ "ماں! میں نے صلیبی حکمران کو اور اس کے ساتھ تمام صلیبی قیدیوں کو رہا کر دیا ہے" ــــ میرے دل پر ایسی چوٹ پڑی کہ میں بہت دیر اپنے آپ سے باہر رہی۔ بیٹے سے پوچھا کہ ان جنگی قیدیوں کے عوض تم نے اپنے جنگی قیدی رہا کرائے ہیں؟ بیٹے نے بچوں کا سا جواب دیا۔ کہنے لگا کہ ہم ان قیدیوں کو لے کے کیا کریں گے۔ ہم آئندہ کسی سے لڑائی نہیں کریں گے۔۔

"میں نے بیٹے سے کہا کہ تم آئندہ اپنے باپ کی قبر پر نہ جانا۔ تم جب مرو گے تو میں تمہیں اس قبرستان میں دفن نہیں کروں گی جس میں تمہارا باپ دفن ہے۔ اس قبرستان میں وہ شہید بھی دفن ہیں جو صلیبیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ تمہیں وہاں دفن کر کے میں ان کی توہین نہیں کرنا چاہتی.... لیکن میرا بیٹا بچہ ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتا۔ میں ان امیروں سے بھی ملی ہوں جن کے قبضے میں میرا بچہ ہے۔ وہ میرا احترام کرتے ہیں لیکن میری کوئی بات نہیں سنتے۔ صلیبیوں نے اپنے حکمران اور جنگی قیدیوں کو رہا کرا کے اسلام کے منہ پر تھپڑ مارا ہے۔ میں حیران ہوں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قاہرہ میں بیٹھا ہوا کیا کر رہا ہے۔ وہ کیوں نہیں آتا؟ علی بن سفیان! صلاح الدین ایوبی کیا سوچ رہا ہے؟ اسے کہنا تمہاری ایک بہن تمہاری غیرت کا ماتم کر رہی ہے۔ اُسے کہنا کہ وہ سیاہ لباس اُس روز اتارے گی جس روز تم دمشق میں داخل ہو کر مجھے دکھا دو گے کہ تم نے ملتِ اسلامیہ کی آبرو ان عیاش اور ایمان فروشوں سے چھین لی اور اسے بچا لیا ہے، ورنہ میں اسی لباس میں مر جاؤں گی اور وصیت کر

جاؤں گی کہ مجھے اسی لباس میں دفن کیا جائے کفن نہ پہنایا جائے۔ میں روزِ قیامت اپنے خاوند اور خدا کے سامنے سفید کفن میں نہیں جانا چاہتی"

"میں ان جذبات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں" ــــ علی بن سفیان نے کہا ــــ "آیئے، حقیقت کی بات کریں۔ سلطان ایوبی آپ کی ہی طرح بیتاب اور بے چین ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ میں کوئی کام ردِ عمل جذبات اور انتقال کے زیرِ اثر نہیں کرتا چاہیئے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ہم اس کوشش میں ہیں کہ خانہ جنگی نہ ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ قوم ہمارا ساتھ دے۔ فوج کے متعلق توفیق جوآد مجھے یقین دلا چکے ہیں کہ ہماری فوج کے خلاف نہیں لڑے گی۔ البتہ محافظ دستے مقابلہ کریں گے"

"قوم آپ کے ساتھ ہے" ــــ زنگی کی بیوہ نے کہا ــــ "میں عورت ہوں، میدانِ جنگ میں نہیں جا سکتی۔ میں ایک اور محاذ پر لڑتی رہی ہوں۔ میں نے قوم کی عورتوں میں ایسی جذباتی حد تک پیدا کر رکھا ہے کہ آپ کسی بھی وقت انہیں میدانِ جنگ میں لے جا سکتے ہیں۔ میرے انتظامات کے تحت یہاں کی تمام نوجوان لڑکیاں تیغ زنی اور تیر اندازی کی مہارت رکھتی ہیں۔ عورتوں نے اپنے بچوں، بھائیوں، باپوں اور خاوندوں کو شعلے بنا رکھا ہے۔ میں نے جن عورتوں کے ہاتھوں انہیں تربیت دی ہے وہ میرے ہاتھ میں ہیں۔ اگر نوبت خانہ جنگی تک آگئی تو ہر گھر کو عورتیں خلیفہ کی فوج کے خلاف مورچہ بنا لیں گی۔ اگر صلاح الدین ایوبی فوج لے کے آگئے تو میرا خلیفہ بیٹا اور اس کے حاشیہ بردار اپنے آپ کو تنہا پائیں گے۔ تم جاؤ برادر علی! فوج لاؤ۔ یہاں کے حالات مجھ پر چھوڑ دو۔ قوم کی طرف سے تم پر ایک بھی تیر نہیں چلے گا۔ اگر تم ضرورت سمجھو کہ میرے بیٹے کو قتل کر دیا جائے تو بھول جانا کہ وہ نورالدین زنگی کا اور میرا بیٹا ہے۔ میں اپنے بیٹے کے جسم کے ٹکڑے کرا لوں گی، سلطنتِ اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکوں گی"

توفیق جوآد نے بھی علی بن سفیان کو یقین دلایا کہ خانہ جنگی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد انہوں نے سکیم بنائی کہ سلطان ایوبی کس طرح آئے گا اور یہاں کیا ہوگا۔ یہ طے ہوا کہ سلطان ایوبی خاموشی سے آئے گا اور خلیفہ اور اس کے حاشیہ برداروں کو بے خبری میں آن لے گا۔

☆

وہ صلیبی لڑکی جس نے علی بن سفیان کے ایک آدمی سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ ایک سو آدمی صلیب کے آدمی نہیں، اُسے خیمے میں اکیلا چھوڑ کر اور اُسے یہ کہہ کر چلی گئی کہ وہ دیکھنے جا رہی ہے کہ اس کے ساتھی سو گئے ہیں یا نہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو یہ بتایا کہ وہ دھوکے میں آگئے ہیں، یہ سب مصری فوج کے لڑاکا جاسوس ہیں اور ان کا کمانڈر علی بن سفیان ہے جو سراغرسانی اور جاسوسی کا ماہر سربراہ ہے۔ اس انکشاف نے ان صلیبیوں کو چونکا دیا اور وہ سوچنے لگے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ ان کے لیے وہاں رکنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ لڑکی اُس مصری جاسوس کے پاس چلی گئی تاکہ اسے پھانسے رکھے۔ ایک صلیبی باہر نکلا اور علی بن سفیان کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ اسے نہ ملا۔ اُس وقت علی بن سفیان توفیق جوآد کے گھر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ صلیبی